

اجتماعِ ضیّین

فی

رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ

شانِ قلندر



مُصَنَّف

محمد یوسف سہروردی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تصوف و طریقی

در آئینہ

اجتماع ضیاء

شان قلندر رحمۃ اللہ علیہ

از

الحاج چوہدری محمد یوسف بی اے سہروردی

مکان نمبر ۵۰ گلی نمبر ۵۰۰

Chowk Minar
Amritsar

۲۹۷۶۴۸۱۰۹۲

ق ۴۸ ت

۱۸۲۸۲

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

لہذا

کوئی طبع کسی مطبع سے ان اوراق کو

نشر کرنے کی سعی نہ کرے۔

ناشر: ----- محمد یوسف سہروردی

مطبوعہ: ----- دین محمدی پریس لاہور

بار: ----- اول

تعداد: ----- ایک ہزار ۱۰۰۰

قیمت: ----- چھ روپے

التجابد گاہ حقیقت نامہ

اپنی صورت کے صدقے میں اس فزہ ناچیز
کو شان قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی وہ
قوت دے جسے سند دوام اور قبولیت نام
حاصل ہو۔ اور اُن سطور کے لکھنے کی توفیق عطا
فرما جن سے قصوف و صوفی کا صحیح تصور واضح
ہو اور تیرے بندے نام نہاد درویشی کی
عیالوں سے محفوظ رہیں۔ آمین

محمد یوسف سہروردی



۳۱/۵/۱۳۸۷
سندھ ریاضیاتی لکچر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سبب تصدق



۱۔ بتوفیق کہ اونامے نہ وارد

پیدا فرمایا۔ اللہ عزوجل نے عقل کو۔ کما کھڑی ہو۔ پس کھڑی ہو گئی۔ پھر فرمایا
پیٹھ پھیر۔ پس پھیری پیٹھ فرمایا سانس منہ کر۔ پس سانس منہ کیا۔ فرمایا نہیں پیدا
کیا میں نے مخلوق سے افضل تر تجھ سے۔ پس میں دو لگا نعمت ساتھ تیرے۔ غضب
کروں گا ساتھ تیرے۔ درجات پائیکے لوگ ساتھ تیرے۔ ذلیل و خوار ہوں گے
بسبب تیرے ہوں گے۔ لوگ بہت نمازیں پڑھنے والے۔ بہت روزے رکھنے
والے۔ بہت حج کرنے والے اور بہت زکوٰۃ دینے والے۔ لیکن پائیکے جیسا ساتھ

رکھتے تیرے کے ۛ

مندرجہ بالا ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہے۔ جو میں نے مشکوٰۃ شریف میں
دیکھا۔ جب یہ جانا کہ عقل سب سے افضل ہونے کے باوجود معرفت ذاتِ
حق سے قاصر ہے۔ گو معرفتِ راہِ حق میں ساتھ دینی ہے۔ تو اس کی وجہ اور
سبب میں کتابِ ہذا لکھی گئی۔ و باللہ التوفیق۔



عقل وحس اور عقل حقیقی

پیشتر اس کے کہ اصل مضمون کی طرف رجوع کیا جائے عقل کی تعریف کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ ایک عام متعالفہ کا انسداد ہو جائے۔ کلام پاک میں لفظ عقل یہاں کہیں آیا ہے۔ اس کا اطلاق مومن کے ساتھ ہے۔ یعنی ایمان اور عقل دونوں کا رابطہ ہے۔ شرک صرف غیر عاقل پر ڈالا گیا ہے۔ پس مومن اگر حواس و تجربہ میں ناقص اور بھولا بھالا ہو بلکہ دماغ کی چوڑے سے مثل حبان بن منفذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ منجمل ہو۔ کسی صورت میں بے عقل حقیقی نہیں ہے مگر عوام کی عقل نہیں رکھتا۔ جسے دوسرے الفاظ میں حواس و تجربہ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کافر اگر حواس و تجربہ میں کامل بھی ہو۔ درحقیقت وہ بے عقل ہے۔ کیا ہمیں اس کا اعتراف نہیں ہے۔ کہ جس نے اپنی ذات کے پیدا کر نیوالے خالق عزوجل سے جہالت اختیار کی۔ اس سے زیادہ جاہل اور بے عقل کون ہوگا۔ یہ معنی عقل کوئی تجدید نہیں ہیں۔ شرع الہی میں عقل کی حقیقت یہی ہے۔ اور لذت عوام تو لغت کفر ہے۔ اور جب کافر کو بغیر ایمان کے یہ عقل نصیب ہی نہیں ہوتی تو یہ معنی کہاں سے بیان کرے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم معنی پر نظر کریں خالی لفظ کی بحث سے کیا فائدہ ہوگا۔ ایک انسان اگر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے اس کے حکم کے مطابق سر بسجود نہیں ہوتا۔ تو اس کا غیر سے تواضع و انکساری کا برتاؤ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ مکارم اخلاق و خصائل حمیدہ الگ ہیں اور عقل حقیقی ایک الگ جوہر۔ اول الذکر کافر و مومن دونوں میں ہو سکتے ہیں۔ اور کافر کو دنیا ہی میں اُن کے نتائج پسندیدہ سے سرفرازی حاصل

ہو سکتی ہے۔ پس اگر عقل حقیقی کے ساتھ ہو تو کس درجہ کرامت تک پہنچے گا۔
یہ عقل حقیقی جو اوپر بیان کی گئی ہے معرفتِ راہ حق میں پوری پوری مدد و معاون
ہے۔ اور ایک بندہ خدا کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے لیکن اس پیدا کرنے
ولے کی ذات تک اس کی بھی رسائی نہیں ہے۔ وہ ہم و گمان و قیاس تو اس
سے بہت کم درجہ رکھتے ہیں۔

عقل و علم اور اس میں فرق

عقل کی تعریف کے بعد اگر لفظ علم پر غور کیا جائے۔ تو بظاہر دونوں میں کوئی
نمایاں فرق نہیں ہے۔ لیکن جس طرح شرح الہی میں جو ہر عقل صرف ایمان
کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ برعکس اس کے جو ہر علم ہر کافر و مومن میں پایا جاسکتا
ہے۔ کلام پاک میں متعدد جگہ الفاظ یعقلون اور یعلمون آتے ہیں
جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ علم ہر شے کا ہے لیکن عقل صرف معرفت
الہی سے وابستہ ہے۔ علم سیکھنے سکھانے سے حاصل ہوتا ہے لیکن عقل خدا داد
عطیہ ہے۔ العلم والستین ہے نہ کہ العلم خواندن یا یافتن۔ یعنی کسی شے
کے جاننے کا نام علم ہے نہ کہ اس کو پالینے کا۔ اپنے وسیع معنوں میں کسی شے
کا علم اس شے کی ابتدا سے حال تک کی حتمی حالتیں (Phases) ہیں ان کا
جاننا اس کا علم ہے اور اس شے کا صحیح استعمال عقل ہے۔ جسے عقل عوام کہتے
ہیں یا حسن و تجربہ۔ مینر و کمرسی کتابیں۔ کس چیز سے بنائی گئی ہیں اور کون کونسی
صفت ان کی تشکیل کے لئے بروئے کار لائی گئی۔ یہ ان کا علم ہے۔ انہیں کس
جگہ اور کس واسطے استعمال کیا جاسکتا ہے اور ان سے کیا کیا فوائد حاصل ہو
سکتے ہیں۔ یہ عقل ہے۔ یعنی عقل عوام یا تجربہ،

کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ علیہ وسلم

کلام اللہ عز و جل کا نام قرآن ہے۔ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حدیث پاک ہے جو کہ قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ اس کتاب کے علاوہ دنیا کی جتنی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان کے مطالعہ کے بعد اور ان میں مندرج مضامین کے مفہوم کے بعد پڑھنے والا کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اسے بار بار پڑھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ برخلاف قرآن پاک کے کہ جامع علم رکھنے والے اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ جن کو عربی زبان پر قدرت تامہ حاصل تھی اور حاصل ہے اسے سمجھنے اور کسی ایک نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر ہیں لفظ قرآن ہی اس کا شاہد ہے کہ یہ قابل قرات ہے جتنی مرتبہ تلاوت کرو پھر بھی قابل قرات (قرآن) ہی رہے گا۔ اور دین و دنیا کی ہر ایک منزل کے لئے مطالعہ کرنے والے پر جداگانہ حیثیت سے اس کے گمان کے مطابق معافی دے گا۔ عامۃ الناس سے لے کر مرتبہ صدیقیت رکھنے والے تک یہ کتاب اپنے میں علیحدہ علیحدہ خزانہ رکھتی ہے۔ کسی کیلئے ایمان بالغیب ایمان ہے اور مشاہدہ کرنے والوں کے لئے یہی ایمان بالغیب کفر۔ کہیں مال و اولاد کو فتنہ فرمایا تو دوسری جگہ ان کو خیر کے نام سے یاد دلایا۔ و علیٰ ہذا القیاس یہ تمام ضدیں الشار اللہ اپنی اپنی جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں گی۔ یہاں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عقل جیسا جوہر کہا حققتہ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اسی طرح حدیث پاک بھی ہر ایک کے لئے اس کے اپنے گمان کے مطابق معافی رکھتی ہے۔ محدثین کرام کا یہ ہم پر کرم ہے کہ انہوں نے حدیث پاک کو ایک ایسی کتاب کی شکل میں پیش کر دیا ہے جن سے علیحدہ علیحدہ ابواب یا سانی مطالعہ ہو سکتے ہیں۔ اگر اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ پر ہی چھوڑا جاتا۔

اور جس طرح آپ کے اقوال و افعال آپ سے صادر ہوتے اس ترتیب سے نقل کئے جاتے تو یہ کتاب بھی کتاب الہی کی طرح کسی باب کی منت کش نہ ہوتی ان دونوں کلام کی مثال دو دایروں کی طرح ہے جن کا اوّل آخر ہے اور آخر اوّل۔ جن کا ظاہر باطن ہے اور باطن ظاہر۔ مختلف عقائد کے لوگوں کی لکھی ہوئی تفاسیر کے مطالعہ سے بھی یہ بات آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اگر ایک گروہ ایک آیت شریفہ کی تفسیر میں کچھ احادیث شریفہ پیش کرتا ہے جن کو وہ اپنے عقیدہ کی تائید میں لکھتا ہے۔ تو دوسرا گروہ اُسی آیت شریفہ کی تفسیر میں دوسری وہ احادیث نقل کرتا ہے۔ جو اوپر والی احادیث کی ضد ہوتی ہیں پہلا گروہ اپنے آپ کو مندرجہ تائیدی احادیث کی بنا پر راستی پر سمجھتا ہے۔ تو دوسرا گروہ دوسری احادیث سے اُسی آیت شریفہ کے تحت اُن کا ردّ پیش کر کے اپنی سچائی بتاتا ہے۔ درحقیقت بات یہ نہیں۔ ایسے گروہوں کو جو اپنی اپنی عقل کے مطابق احادیث پیش کر کے ایک دوسرے پر کھینچا لٹا شروع کر دیتے ہیں۔ دونوں اپنے مقاصد میں ناکام رہتے ہیں۔ اور بجائے تحسین کے نفیس مول لیتے ہیں متقدمین حضرات رحمہم اللہ علیہ کو چھوڑ کر میرا روئے سخن اس دور جدید کے نام نہاد علماء کی جانب ہے۔ جو آئے دن ایسی بحثوں میں پڑ کر مسند ارشادِ جاہل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اچھا رہے اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے ساتھ الجھنے کے اپنے خیال کو زیب قرطاس کرتا ہوا بعد میں اس کا اعتراف کر دے۔ جیسا کہ متقدمین حضرات کی عبارات میں پایا گیا ہے۔ واللہ اعلم قافہم باللہ، وهو التوفیق وغیرہ۔

جس طرح ان دونوں کلاموں میں ہر طرح کی غذا موجود ہے اسی طرح بنی نوح انسان میں ہر طرح کے معدے موجود ہیں اور اپنے موافق غذا میں لیکر ہضم کرتے ہیں اور زندگی گزارتے ہیں۔ تفرقہ کی اہل وجہ یہی ہے اور یہ اختلاف رائے ہے جو کہ صحت کی دلیل ہے۔ فساد اس وقت پیدا ہوتا ہے

جب یہ اختلاف رائے۔ اختلاف راہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایک غذا والے معدے سے یہ سمجھ کر کہ ہم ہی زندہ رہنے کے حقدار ہیں دوسروں کو کوئی حق زندگی حاصل نہیں۔ اُن کو طرح طرح کی بد مزہ اور کڑوی اشیاء دے کر اپنے سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ میں نے کشف المحجوب میں ایک مشہور واقعہ پڑھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو برسرِ اقدار فرقہ معتزلہ نے کلام اللہ کو مخلوق کہنے پر مجبور کیا اور اُن کے انحراف سے سزا کے طور پر ایک ہزار کوڑے لگانے کا حکم بادشاہ وقت کی طرف سے صادر ہوا۔ اثنائے سزا میں اُن کا آزار بند ڈھبلا پڑ گیا اور غلیبی ہاتھ کے نمودار ہونے سے پھر بندھا گیا۔ یہ حضرت اس درو سے چند دن بعد وفات پا گئے صاحبِ فراش تھے تو اُن کے ساتھیوں نے دریافت کیا کہ یومِ حساب اگر ان سزا دینے والوں کا معاملہ آپ کے سپرد کیا گیا۔ تو آپ ان سے کیا برتاؤ کرو گے۔ فرمایا کہ میں ان کو معاف کر دوں گا۔ اور کچھ مواخذہ نہ لوں گا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے زعم میں اپنے آپ کو حق پر جاننا۔ اور مجھے باطل پر۔ اگر یہی اُسوہ زمانہ حال کے علماء میں آجائے تو یہ اختلاف رائے رحمت ہو جائے۔

عمل اور حقیقت عمل

عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ لوگ اپنے اعمال کو اپنے مراتب کی علت سمجھتے ہیں اور مشہور بھی یہی ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ تجربہ کی بنا پر بھی یہی راست آتا ہے کہ نیک اعمال کرنے والے۔ متقی۔ پرہیزگار۔ صوفی وغیرہ کے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں اور بُرے اعمال کو نیوالے۔ فاجر فاسق۔ بد معاش وغیرہ ہوتے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا عمل درجہ بنانا ہے یا درجہ عمل۔ کتاب الہی میں سب سے پہلے متقی کا ذکر یوں آتا

ہے۔ کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اور یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔
گو یہ صاف ظاہر ہے کہ تقویٰ اس کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے
ہی ہوگا۔ جیسا کہ روزوں کی آیات مبارکہ میں ہے کہ اے ایمان والو تم پر روزے
فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ جب تک قرآن پڑھا ہی نہیں روزہ رکھا
ہی نہیں تو تقویٰ کیسے آجائے گا۔ اور ہدایت کیسے پائے گا۔ لیکن اس کتاب
میں جیسے کہ معلوم ہوا کہ درجہ اتقا پہلے ہے اور مطالعہ کتاب بعد۔ زیادہ آسان
کرنے کے لئے میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ لکھ دیتا ہوں۔ فرمایا
کرتے تھے کہ لوگ ریلوے اسٹیشن لاہور پر حاجی صاحبان کو گاڑی پر سوار
کرنے جاتے ہیں یونہی وہ گھر سے عزم حج کے لئے قدم باہر رکھتا ہے۔ اللہ
عزوجل اُسے حاجی کا لقب دے دیتا ہے ابھی حج کا فریضہ ادا کرنے میں بے
شمار مراحل پیش نظر ہیں جن سے اُس نے گذر کر قوف عرفات کرنا ہے۔ ایسے
ہی دولہا کی مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ دولہا گھر سے نکلتا ہی یہ لقب حاصل
کر لیتا ہے حالانکہ یہ درجہ اُسے نکاح کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ میں نے بازار میں
ایک دکان پر لکھا پایا۔ آٹا پیسنے کی مشین۔ استفسار پر جواب ملا کہ اس میں
چکی ہے جو دانے پیستی ہے اور آٹا نکلتا ہے آٹا پیسا نہیں جاتا۔ دانے پیسنے
جاتے ہیں۔ لیکن بولنے میں آٹا پیسنے کی مشین ہی آئے گی۔ مخلوقات میں سے
بعد از انبیاء علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ واقع ہے کہ
آپ کو مرتبہ صدیقیت شب معراج ختم ہونے پر طلوع آفتاب کے ساتھ ہی
مکہ مکرمہ میں مل گیا تھا۔ گوا بھی اعمال کی دنیا اور ان کے زہد و تقویٰ کے کارناموں
کے لئے عرصہ دراز باقی تھا۔ یہ مرتبہ روحانی مراتب کا سردار ہے اور عقل کا
تقاضا ہے کہ اس کے لئے یہ نسبت اور مراتب کے زیادہ ریاضات و مجاہدات
کی ضرورت ہونی چاہیے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان چند مثالوں سے یہ ثابت ہوتا
ہے کہ درجات ازلی ہیں اور ان کے ساتھ ان کے مطابق اعمال بھی۔ مراتب

افعال پر مبنی نہیں ہیں بلکہ مرتبہ کے موافق افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اگر درجہ اعلیٰ ہو۔ تو یہی کلام الہی نفع بخش ہے اور اگر بخت بد ہو تو یہی کلام الہی خسارہ ہے خود اس کلام پاک کا اعلان ہے کہ ”یضل بہ کثیراً ویهدی بہ کثیراً“ تنفع المؤمنین اور ما یزید الظالمین الا خساراً“ لیکن ان سطور سے یہ نتیجہ نکالنا کہ عمل کی حقیقت کچھ نہیں یہ بھی غلطی ہے کلام پاک اور حدیث شریف کے بغور مطالعہ سے مراتب و اعمال کے دو پہلو یکساں اور آپس میں ملے ہوئے نظر آئیں گے۔ ایک طرف تو آپ کہیں گے کہ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تو دوسری طرف حدیث شریف سامنے آئیں گی۔ کہ ایک انسان جنتیوں کے سے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اُس میں اور جنت میں ایک بالشت بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کے سبقت کرنے سے وہ دوزخی ہو کر مرنے لگتا ہے اور ایک شخص دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے حتیٰ کہ اُس میں اور دوزخ میں بالشت بھر کا فاصلہ رہتا ہے آخر تقدیر سبقت کرتی ہے اور جنتی ہو کر مرنے لگتا ہے۔ اس حدیث شریف کی ضد حدیث قدسی ہے کہ کثرت نوافل سے جو ایک شخص رات کو ادا کرتا ہے۔ اللہ عز و جل کا مقبول ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کے ہاتھ۔ پاؤں۔ کان۔ آنکھ۔ زبان وغیرہ اللہ عز و جل سے نسبت رکھنے لگتے ہیں اور اُس کا قول و فعل اللہ عز و جل کا قول و فعل ہوتا ہے یہاں تقدیر کا ذکر نہیں فرمایا۔

ملے حدیث پاک۔ انما الاعمال بالنیات کے تحت عمل کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے جس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک شخص مسجد کے دروازے کے باہر ایک کوٹھی اس ٹیٹ سے گاڑ دیتا ہے کہ کوئی مسافر باہر

سے آنے والے اپنی سواری کو اس کو ٹھہری کے ساتھ باندھ کر مسجد میں اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ لیکن کچھ دیر بعد ایک نمازی مسجد کے اندر سے باہر نکلتا ہے اور اس گاڑی ہوئی کو ٹھہری کو اکھیڑ دیتا ہے۔ اس نیت سے کہ یہ کسی نمازی کے لئے ٹھہر کر کا باعث نہ بنے۔ یہاں تک عمل کا تعلق ہے ایک کا دوسرے کے برعکس ہے لیکن یہاں تک ثواب کا تعلق ہے دونوں اپنی اپنی نیت کا ثواب حاصل کرتے ہیں اور دونوں اس میں مساوی ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی سے معلوم ہوا کہ حدیث نمبر ۱ میں تقدیر مقدم ہے حدیث نمبر ۲ میں عمل مقدم ہے اور حدیث نمبر ۳ میں نیت مقدم ہے یہ چند مثالیں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تفہیم محض اس لئے پیش کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ عقل ان دونوں کے پانے سے قاصر اور کوئی معیار قائم نہیں کر سکتی۔ مفسرین اکرام اور محدثین عظام نے بحر تطبیق میں غوطہ لگا کر اس تضاد کو مٹانے کی کوشش کی ہے اور اس کی جامع بحث طحاوی شریف کی جلدوں میں بھی موجود ہے امام طحاوی چونکہ مسلک اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے *School of thought* کے بلند پایہ ہستیوں میں سے ہیں۔ لیکن دوسرے مسلک کے گروہوں کے لئے اعتراض کی گنجائش بھر بھی باقی رہتی ہے۔ بہر کیف ان ہر دو کلاموں کو قیامت تک کے لئے کار فرما مانتے ہوئے ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ کسی کلام کو تو اس کے شان نزول تک ہی چھوڑ دیں کسی کو منسوخ تصور کر لیں۔ کسی کو کسی خاص انسان یا قوم تک ہی محدود رکھیں۔ ایمان تو یہ ہے کہ ان دونوں بیانیوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رہنے دیں اور اس خدائے عزوجل سے توفیق موافقت مانگیں۔ **وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ**

کسی کلام کا معیار دو طرح پر موقوف ہوتا ہے ایک تو کلام کرنے والے کی اپنی حیثیت پر۔ دوسرے مخاطب کی معیار عقل پر۔ یعنی **تَكَلَّمَ النَّاسُ**

عَلَى قَدَرِ عَقُولِهِ، کے تحت۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کردہ دونوں معیاروں میں سے کس معیار پر ہیں۔ کیا یہ کلام متکلم کی شان سے والبسطہ ہیں یا مخلوق کی عقلوں سے اگر بالغرض اسے ایک درجہ دیا جائے تو دوسرے درجے کا تناقص لازمی طور پر واقع ہوگا۔ اور کسی شخص کا مقدور نہیں کہ ان کلاموں کو ایک معیار پر رکھے۔ اگر کہیں کہ یہ کلام متکلم کی شان کے مطابق ہیں تو متکلم کی شان کا پایہ عقل عالم سے ور آئے اور کلام اللہ و حدیث پاک کی کہنہ مسلم اور واضح۔ دوسری جانب اگر صرف یہی مان لیجیں کہ کلام ہماری عقلوں کے مطابق ہے اور متکلم کی حیثیت کا اس میں دخل نہیں تو یہ بے ادبی اور گمراہی ہوگی۔ کیونکہ ہماری عقلیں متکلم کے سامنے بمنزلہ صفر ہیں۔ بہر صورت ہیں ان دونوں معیاروں کو جمع کرنا پڑے گا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جیسے اس کلام الہی کی حفاظت کا ذمہ خود صاحب کلام نے اپنے پر رکھا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ قیامت تک اس کے اصلی متن میں کوئی فرق نہیں آسکتا اس کی تفہیم پھر بھی قیامت تک کے انسانوں کے لئے جداگانہ ہے اور جداگانہ رہے گی۔ اس خوبی کی وجہ سے اس کلام پاک کے معیار کا قائم کرنا محال ہے۔ فرد ہو یا جماعت اور اپنے میں دینی مقاصد رکھتے ہوں یا دنیوی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جھولیاں بھگے جاتے ہیں۔ بعینہ حدیث پاک اپنی اپنی گونا گوں اور بوقلموں رنگینوں کی وجہ سے ہر ایک کے لئے اس کے مرتبے کے مطابق پورا پورا خزانہ رکھتی ہے۔

اجتماع تضاد اور اختلاف و عوج

اس آیت کریمہ کے ماتحت کہ لو کان من عند خیر اللہ
 لوجد فیہ اختلافاً کثیراً یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ کلام پاک میں اختلاف
 و تعارض یا کسی ٹیمٹرے پن (عوج) کا دخل نہیں۔ اختلاف کو اجتماع تضاد
 سے ملانا سرسر غلطی ہے۔ اختلاف کے معنی یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کلام از منہ و
 احوال کے اثر سے نہیں بدلا اور اس نے کسی اعراب تک کافرق قبول نہیں کیا۔
 مختلف دوروں میں یہ اختلاف سے سیرہ رہا اسی طرح اس کی عبارات میں کسی
 جگہ عوج نہیں پایا جاتا۔ برعکس اس کے یہ کلام الہی اور اس کی تفسیر حدیث
 پاک اپنے میں اجتماع تضاد کے حامل ہیں جن کی مثالیں اپنی اپنی جگہ تفصیل
 سے بیان کی جائیں گی۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ یہی اجتماع تضاد عقل و فکر
 کو چکڑ میں ڈالتا ہے اور ان کلاموں کی کہہ کو پانے سے عاجز کر دیتا ہے چنانچہ
 کسی ایک آیت پاک کو یا کسی ایک حدیث پاک کو سند کے طور پر کسی ایک
 خاص نتیجہ کے لئے لازم پکڑنا نا انصافی ہوگی۔ کیونکہ اجتماع تضاد کے طور پر
 کئی ایک آیات مبارکہ یا احادیث شریفہ بھی مطالعہ سے مل سکیں گی۔ طرہ
 یہ ہے کہ یہ اجتماع تضاد بیک وقت کار فرما ہے۔ اگر اللہ عزوجل رب
 العالمین ہے تو یہی کلام پاک اُسے غنی عن العالمین
 کہتا ہے۔ ایک طرف تربیت ہے تو دوسری طرف بے پروائی۔ اسی طرح
 حدیث پاک میں اگر ایک جگہ من عرف ربہ کلّ لسانہ
 تو دوسری جگہ من عرف ربہ طال لسانہ ہے
 کلام پاک الحمد شریف سے لے کر والناس تک پڑھ جائیے ہر آیت میں
 اجتماع تضاد کی لہریں دوڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔ گویا ایسا معلوم ہو گا کہ یہ کتاب

مذہب و جزر کا ایک بے پایاں سمندر ہے جس میں ہدایت و گمراہی کی لہریں
انسانیت کے ساتھ کھیل رہی ہیں اور ہر ایک کے مفقذات کے مطابق اسے
اپنی اپنی آغوش میں لے رہی ہیں۔ اسی اجتماع کی وجہ سے یہ کلام نہایت
دقیق و باریک ہیں اور عقل عام انہیں عبور نہیں کر سکتی۔ ہاں عقل بشری
جسے پہلے ایمان کے لفظ سے بھی لکھا گیا ہے اسے تمیز کے میدان میں رکھ
سکتی ہے اور صاحب کلام کی توفیق سے ارتقائی منازل طے کر سکتی ہے۔
اس اجتماع تضاد کا ایک اور پہلو بھی کلام پاک میں پایا جاتا ہے۔ یہ کلام انہی
ہے اور ہمارے کلاموں کی طرح کسی آلہ کا محتاج نہیں جس سے یہ نکلے جس
طرح کہ انسانی کلام زبان کا محتاج ہے اس طرح یہ کلام پاک کوئی اختتام
نہیں رکھتا بلکہ ابدی ہے۔ برخلاف انسانی کلام کے جس کا ختم ہونا لازمی ہے
اللہ کا کلام ہونے کی حیثیت سے یہ اعلان کسا اکان والی حیثیت
کا متحمل ہے۔ جیسے صاحب کلام ہے ویسے ہی اس کا کلام۔ نزول کلام
پاک کو اصل کلام پاک سے کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ اس کے نازل ہونے
میں بھی اعجاز و پوشیدہ ہیں۔ کبھی یہ کلام بیک وقت ایک رات میں نازل
ہوتا ہے۔ کبھی بہر سال یہی کلام رمضان المبارک کے مہینہ میں جبرائیل علیہ السلام
کی معرفت دوہرایا جاتا ہے اور کبھی ٹکڑے ٹکڑے تیس سال میں انسانی
کانون تک پہنچتا ہے پس ثابت ہوا کہ کلام پاک کا ایک پہلو جو ازلی ابدی
ہے۔ کسی زمان و مکان کا محتاج نہیں۔ نہ زبان کو انتظار گفتن میں رکھتا
ہے اور نہ گوش کو حسرت شنیدن دیتا ہے۔ سننے والے اس کے وعدوں
کو اور اس کی وعیدوں کو اب بھی ویسے ہی سن رہے ہیں۔ جیسے میناق
میں سنا تھا۔ اس کے واقع کو اب بھی چشم دل سے ویسے ہی دیکھ رہے ہیں
جب کہ واقع ظہور پذیر ہوتے تھے۔ دوہرا پہلو جو عوام کے سامنے ہے
اور ہر ایک کے لئے مختلف مراتب رکھتا ہے الفاظ و اوراق کی صورت میں

ملبوس ہے۔ یہ اپنے اندر ابتدا و انتہا دونوں رکھتا ہے۔ کسی کیفیت کے پیدا کرنے سے پہلے یہ آلات کا محتاج ہے اور اول الذکر پہلو کی ضد ہے غرضیکہ اس کلام پاک کو ہم کسی ایک معیار پر جگہ دینے کے لئے عاجز ہیں۔ انسانی عقیدیں جو جو معنی اس کلام سے اخذ کرتی ہیں۔ وہ اصل میں ان کا اپنا مرتبہ ہے نہ کہ اصل کلام۔ مطالعہ احادیث و تفاسیر اس کا شاید ہے قولہ تعالیٰ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ، جس تفسیر میں بھی دیکھا یہی پایا کہ عورتیں تمہاری پردہ پوش ہیں اور تم عورتوں کے پردہ پوش ہو۔ لیکن کتاب کشف المحجوب میں دانا صاحب علی ہجویریؒ اس آیت مبارکہ کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں کہ عورتیں راہ معرفت میں تمہارے لئے حجاب ہیں اور تم راہ معرفت میں ان کے لئے حجاب ہو۔ گویا کہ نظریہ ہی بدل دیا۔ اس طرح قولہ تعالیٰ اِنَّ بَطْنُ رَیْبَکَ لَشَدِیْدٌ، کے تحت ایک گروہ تو مارے خوف کے لرزاں ہے کہ اللہ عزوجل اپنی گرفت سے بچائے کس کو تاب ہے کہ اس ہستی کے عذاب سے کسی طرح بچ سکے۔ لیکن دوسرا گروہ اس آیت مبارکہ کو پڑھ کر خوشی میں وجد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ گرفت فرمائے تو اور کیا چاہیے وہ اپنی پکڑ میں لے لے تو باقی تمام گرفت سے نجات ہو جائے۔ نہ شیطان کی گرفت میں آئیں اور نہ خواہشات کی گرفت ہمیں پاسکے۔ یعنی ایک گرفت سے باقی ساری پکڑیں فنا ہو جائیں۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ اجتماعِ ضدین کو جو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اپنی جگہ ایک مستقل باب کی صورت میں پیش کروں گا جو کہ مدعی کے لئے اس کے دعوے کو باطل کرنے کے لئے حجت ہوگی اور اسے اپنے دعوے سے باز رہ کر بے بسی و عاجزی کی وادیوں میں سرگرداں ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس راہ میں کمال بے کمالی ہے۔

اللہ اور اس کی تعریف

کائنات کی کوئی شے نہیں جس کی تعریف نہ ہو سکے۔ ہر شے جس کو الفاظ کا جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ تعریف کے دائرہ میں آسکتی ہے۔ سو اسے لفظ اللہ کے۔ تعریف کے لئے علم اصول کے ماتحت کسی شے کا اصل (Genus) معلوم ہونا ضروری ہے۔ جس کو قسم اور جنس بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس اصل سے اس شے کی فصل کی تمیز اس کی تعریف ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ”نخیر“ لے لو۔ اس کی تعریف کے لئے اس کی اصل یعنی لوہا کو تصور میں لاتا پڑے گا پھر اس کی فصل یعنی یہ لوہا حلقہ دار کڑیوں کا سلسلہ ہے اس کی تعریف ہوگی۔ انسان کی تعریف میں اسے حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کی اصل حیوان ہے۔ جو کہ ہر جاندار چیز پر بولا جاسکتا ہے جس میں کہ زندگی ہو۔ لیکن یہ حیوان باقی حیوانات سے یوں ممتاز ہے کہ یہ قوت گویائی رکھتا ہے جو کسی اور حیوان میں نہیں پائی جاتی۔ اس فصل گویائی نے اسے اور حیوانات سے علیحدہ کر کے اس کی تعریف میں اسے حیوان ناطق کا خطاب دیا۔ و علیٰ ہذا بقیاس۔

اللہ عزوجل کی تعریف اس لئے محال ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں جس سے یہ نکلا ہو۔ یہ خود اصل ہے باقی ساریہ حقیقتاً موجود اور ہر صفت کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ اس کی ازلیت بلا سبب اور ابدیت بلا علت۔ اسے اگر لفظ اللہ بھی نہ دیا جائے۔ تو پھر بھی اس ہستی میں کوئی نقصان نہیں پیدا ہوتا۔ جب یہ لفظ سے بھی پاک ہوا تو اس کی تعریف محال ٹھہری۔ یہاں ایک مغالطہ کا ازالہ کرنے کے لئے یہ بیان کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ کسی شے کو قابل تعریف گردانا اور اسے اور اس کو تعریف کے دائرہ میں احاطہ کرنا اور

اللہ عزوجل کی تعریف نہیں ہو سکتی گو سب تعریفیں اس کے لئے ہیں۔ اس لئے
لفظ (الحمد لله) فرمایا۔ کسی متکلم کے ساتھ اس کی تعریف والہستہ نہیں کی
گئی۔ کیونکہ یہ طاقت سے باہر ہے کہ کوئی اس کی تعریف کر سکے۔ سب تعریفیں
واسطے اللہ کے ہیں یہ الفاظ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کرتے کہ کوئی کائنات میں اس کی
تعریف کر سکتا ہے۔ تعریفیں گو سب اسی کا حقتہ ہے لیکن مقدور کسی کو بھی
نہیں کہ اس کی تعریف کر سکے۔ پس جب ہماری حمد کرنی اس کمال کے شایاں
نہ ہو سکی تو ہماری بے بسی ظاہر اور ہماری عاجزی عیاں ہمیں اعتراف کرنا پڑے
گا۔ کہ وہ ہستی عبارات واستعارات اور تعریفات سے منزہ ہے اور ہمارا اس
ذات میں تفکر و تدبیر بے سود۔ اور بقول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس
ذات کو وہم میں لانا بھی کفر ہے۔ عجب تو یہ ہے کہ ہم اس کی تعریف جو تعریفات
سے پاک ہے اور اس کی تسبیح جو تسبیحات کی حاجت نہیں رکھتا کئے جاتیں۔ لیکن
اسے کوئی نام بھی نہ دے سکیں۔ میں نے ایک منتهی فقیر کا کلام پڑھا جس میں لکھا
پایا کہ برائے تسبیحی دل اللہ نام دادہ اند۔ جس کا مطلب بھی یہی نکلا۔ کہ وہ ناموں
سے پاک ہے پھر عجب تدریہ کہ عقل و قیاس کے برخلاف صفت کو موصوف سے
علیحدہ کرنا پڑا۔ اور تدبیر و غور بھی صفات ہی کے لئے معمور ہوئے۔ یہ اس لئے
کہ کہنہ ذات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا محال تھی۔ محال ہے اور محال رہے گی۔
یہ ہیں صفات جو لامحدود اور بے انتہا ہیں۔ اور جن میں غور و فکر کی اجازت ہے
اس تحریر میں میرا مقصد صفات کو ایک ایک کر کے بیان کرنا نہیں ہے اور
نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کسی ایک صفت کو بھی کہا حقتہ
بیان کیا جاسکے۔ کیونکہ موصوف کی مانند صفت بھی بے پایاں اور بیکیڑاں ہے
گو اسے ذات کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اسے غیر ذات بھی نہیں کہا
جاسکتا۔ ہر صفت اپنے میں بے شمار طرحیں رکھتی ہے اور ایک صفت کی
کار فرمائی ہیں دوسری صفات بھی یک وقت کار فرما ہیں۔ کوئی صفت

ایسی نہیں جو مستور ہو اللہ عزوجل کی تمام صفات کو دو عنوانوں کے ماتحت لایا جاسکتا ہے۔ ایک تو صفات جمالی دوسری صفات جلالی۔ کسی صفت کو لے لو۔ یا وہ جمالی ہوگی یا جلالی۔ اور یہ جمال و جلال بیک وقت ساری موجودات میں کار فرما ہیں۔ عقل کسی شے کو ثابت کرنے کے دلائل پیش کرتی ہے لیکن دلائل سے باری تعالیٰ کا ثابت کرنا غلط طریقہ ہے۔ اہل حق کے نزدیک ثابت کرنا وغیرہ جملہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پس یہ معنی ہو گئے۔ کہ خدا تعالیٰ کو خدا تعالیٰ کے فضل سے موجود کرنا کیونکہ بالاتفاق ثبوت اور وجود کے ایک ہی معنی ہیں۔ حالانکہ یہ محض غلط اور کفر ہے اور جس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ نے ذرا برابر بھی نور دیا ہے وہ خوب جانتا ہے۔ کہ عالم کا ثابت کرنے والا موجود کرنے والا۔ ظاہر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی چیز ایسی ممکن نہیں جو اللہ تعالیٰ کو ثابت کر لے پس حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور ثبوت بذات خود کل مخلوق سے زیادہ ظاہر ہے۔ بلکہ کمال ظہور اسی کے واسطے ہے اور آنکھوں کا تحمل نہ ہونا اور عقل کا اندھا پن اس مخلوق کے لئے ہے۔ لہذا فرمایا ہوا الا ول و الاخر و الظاهر و الباطن عارفین نے کہا کہ میں نے اسے اسی سے پایا۔ قرآن پاک میں وجود کے دلائل نہیں ہیں اور ثابت بھی ہی کرتا ہے کہ یہ محال اور غیر ممکن ہے بعینہ صفات چونکہ بیک وقت مجتمع ہیں اور عقل کسی ایک کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی کرتی اس کی ضد کو بھی پالیتی ہے تو ناکام واپس لوٹ آتی ہے۔ ایک شخص دلائل سے ثابت کر رہا ہے۔ کہ فلاں جگہ پر آگ جل رہی ہے لیکن اگر اُس کے وہاں جانے پر اور مشاہدہ کرنے پر معلوم ہو کہ وہ پانی ہے۔ تو اُس کے دلائل ناکام رہ جاتے ہیں کیونکہ اُس نے دلائل کے ثبوت کے خلاف اُس کی ضد پائی۔ اسی طرح اگر عقل کسی ایک صفت الہیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ تو اُس کی ضد کو بھی پا کر کہہ اٹھتی ہے کہ نہ وہ یہ ہے اور نہ وہ۔ اور ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ یہ

کہہ دے کہ وہ یہ بھی ہے اور یہ بھی۔ بہر حال جیسے اُس کا انکار محال ہے ویسے ہی اُس کا ثبوت محال۔ ثبوت کے محال ہونے کی وجہ پیچھے درج ہو چکی۔ اب انکار کا محال ہونا یوں ہے کہ انکار کسی شے کا ہوتا ہے جب کوئی شے ہی نہیں تو انکار کس کا ہوا۔ لہذا اس مستی کا انکار بھی اس کے ثبوت کا دال ہے اور اس سے انکار کہنا اس کے اقرار سے کم نہیں۔

اللہ عزوجل کی صفات جن کو نہ عین ذات کہا جاسکتا ہے۔ یہ غیر ذات کچھ اس طرح مذكور ہیں کہ ان کے چکر کے ساتھ انسانی عقل بھی چکر کھاتی ہے۔ ایک گول پلیٹ پر نقطہ سے محیط کی طرف اگر مختلف رنگوں کی مخروطی شکلیں بنائی جائیں اور اُسے کسی آلہ کے ذریعہ تیزی سے گھومایا جائے تو گھومتی ہوئی پلیٹ پر کوئی رنگ نظر نہیں آسکتا۔ بلکہ بجائے خود پلیٹ سفید نظر آئے گی۔ جیسے کسی رنگ کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح صفات الہیہ عالم موجودات میں کچھ اس طرح گھوم رہی ہیں کہ اپنے موصوف کی طرح وہ بھی کسی نام کی محتاج نہیں۔ عالم موجودات میں یہ جو اشیا کے نام رکھے گئے ہیں یہ مختلف صفات کی بنا پر رکھے گئے ہیں جس صفت کا جس شے میں ظہور ہوا۔ ویسا ہی مناسب نام رکھا گیا۔ ایک شے میں تمام صفات کا ظہور نہ رکھنا کہ برقرار ہی رہے اور ہم میں آسکے۔ جس شے کو اپنی تمام صفات کا مظہر بنایا وہ ہم کے دائرہ سے باہر نکل گئی۔ اس مضمون کا باب النشار اللہ تعالیٰ مظہر ذات و صفات کے تحت علیحدہ باندھ جائے گا۔ واللہ التوفیق

صفت ہر آن موصوف کے ساتھ ہوتی ہے چاہے اُس کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ محل ظہور میں اتنا فرق ضرور پڑتا ہے کہ اس صفت کی نسبت مجازی طور پر ایک سے زیادہ کی طرف دیکھا جاسکتی ہے۔ برعکس اس صفت کے ظاہر ہونے سے پہلے جو کہ صرف موصوف کے ساتھ ہی وابستہ ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل کی صفات کا بھی ظہور ہوا۔ تو انسانی عقل نے ان کی نسبت

ان صفات کی مجاز می اشکال سے وابستہ کرنی شروع کریں۔ رحم کو رحم کرنے والے پر رکھا۔ اور ظلم و قہر کو ظلم کرنے والے پر۔ حقیقت سے جب بعد ہوا تو گمراہی نتیجہ نکلا۔ یہ نہ جانا کہ اشکال و لباس ان صفات کے سبب ہیں غلط نہیں ہیں۔ صفات کی وابستگی اب بھی موصوف کے ساتھ ویسے ہی ہے۔ جیسے کہ پہلے تھی۔ میں و تو کی تمیز نے دراصل اسے ایک علیحدہ رنگ دے رکھا ہے۔ اگر یہ تمیز اٹھ جائے تو کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔ لوہا آگ میں رکھنے سے اگر گرم ہو جائے اور اپنی صفت تبدیل کر لے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صفت ممکن التبدل ہے غلطی ہے لوہا بذات خود ایک لباس ہے جس میں ہزار ہا صفات پوشیدہ ہیں جو الان کہاں کہاں ہیں لوہا گو اب گرم ہوا لیکن یہ جو ہر اس میں پہلے سے ہی موجود تھے۔ اس مغالطہ نے بھی انسانی عقول کو صفات باری تعالیٰ کے سمجھنے میں کافی حد تک قاصر رکھا ہے۔ لباسوں کا اختلاف اور ان میں بے شمار صفات کا اجتماع ایک ایسا کھیل ہے کہ جس کسی نے اسے دیکھنا چاہا خود تماشا بن گیا۔ اور خرد کی گفتیاں سلجھاتا سلجھاتا حیرت زدوں کی صفت میں اکھڑا ہوا۔

مندرجہ بالا کلام سے صفات باری تعالیٰ میں غور و تأثر کرنے کی غایت بھی معلوم ہوئی کہ معرفت راہ خدا میں اس تفکر کی آخری منزل تسلیم و توکل کی وادی کے کنارے سے ٹکراتی ہے۔

صفات باری تعالیٰ کا ظہور

ذات باری تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ تخلیق سے پہلے ایک خزانہ تھا جو معرفت سے مخفی تھا۔ تخلیق کا باعث محبت اور معرفت کا باعث تخلیق ہوا۔ صفت موصوف کے ساتھ قدیم رہی اور تخلیق حادث نہی۔

۱۔ حدیث پاک جو کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی سب سے پہلی تخلیق حضور علیہ السلام کا نور تھا۔ جو مدتوں صفات باری تعالیٰ میں دورہ کرتا رہا۔ یہ خلق (نور) حادث ہوا اور اپنا دورہ صفات قدیم میں رکھا۔ ہر صفت کا منظر بنا۔ دورہ کی نوعیت صفات کی طرح بیک وقت رہی جو زمان و مکان سے پاک تھی۔ عالم کائنات کا حادث اسی نور سے ہوا۔ اور صفات باری تعالیٰ جلوہ گر ہوئیں جو پہلے خلوت میں تھیں اب جلوت میں آئیں۔ ہر ایک نے اپنا اپنا لباس زیب تن کیا۔ اور ہر ایک کو عالم موجودات میں آنے سے پہلے اللہ عزوجل نے جہاں چاہا اور جیسے چاہا رکھا۔ چونکہ صفات کا اجتماع اجتماع ضدین تھا عالم مثال اور عالم موجودات بھی ویسے ہی ضدین کا مرکب بنا۔ عالم موجودات عالم مثال کا پیراہن بنا۔ دراصل اسی پیراہن کو عالم موجودات کا نام دیا گیا۔ یہی پیراہن جو دیکھنے میں بودا اور کاغذی معلوم ہوتا ہے۔ اور جس کو لفظ فنا سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے معرفت الہی کے لیے پہنا گیا۔ اگر اس لباس کو بھی اللہ عزوجل کی صفت کہا جائے اور اسے صفت کا نام دے بغیر چارہ ہی نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اور صفات کی طرح یہ صفت ازلی ابدی ہے۔ فانی نہیں۔ عارضی فرقت کو دائمی جان کر یہ نظریہ گڑبگڑ لیا کہ من حی العظام وہی رحمہم، سر اسر بغاوت و عناد ہے۔ اجتماع ضدین کے پیش نظریہ فنا و بقا بیک وقت موجزن ہیں۔ دیکھنے والوں کو ہر فنا میں بقا اور ہر بقا میں فنا نظر آتی ہے۔ ہم جب کسی شکل کو فنا ہوتے دیکھتے ہیں تو مغالطہ کھا جاتے ہیں کہ یہ صفت جو فنا ہونے سے پہلے اس شکل میں موجود تھی فنا ہو گئی۔ دراصل یہ نہیں سمجھتے کہ فنا بذات خود ایک علیحدہ صفت ہے۔ جو اس شکل پر اب کار فرما ہے۔

صفات و اشکال

معلوم ہونا چاہیے۔ کہ صفت اپنے میں کوئی شکل نہیں رکھتی۔ یہ ہمیشہ موصوف کے ساتھ وابستہ ہے۔ رنگریزی کسی شخص کی صفت ہے۔ ہاں۔ اس صفت کا ظہور کسی کپڑے کے سرخ و سیاہ ہونے سے ہوتا ہے۔ اب چار اشیا سامنے ہیں۔ ایک رنگریز۔ دوسرا رنگریزی۔ جو صفت اس میں موجود ہے۔ تیسرا کپڑا۔ اور چوتھا رنگ۔ آخر الذکر دونو اشیا کی حیثیت اول الذکر دونو سے جداگانہ ہے اور آپس میں کوئی ذاتی تعلق نہیں رکھتے ذات باری تعالیٰ اپنے میں صفت رحمانیت رکھتی ہے جس کے ظہور کے لئے مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص لوگوں کو کھانا کھلا رہا ہے اُس کی سخاوت کا ظہور غریبوں کے کھانا کھانے سے ہو رہا ہے۔ اب یہاں برخلاف رنگریز والی مثال کے اول الذکر دونو کے سوا۔ (یعنی ذات و صفات کے) چونکہ تیسری شے کا وجود ہی نہیں اور ہونا بھی محال ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آخر الذکر دونو ایک علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں یہاں جو کھلاتا ہے وہ بھی ایک صفت ہے اور جن کو کھلایا جا رہا ہے وہ بھی ایک صفت ہے اور جو کھلایا جا رہا ہے وہ ایک علیحدہ صفت ہے۔ یہاں اشکال بھی صفات ہیں اور صفات بھی صفات۔ جو اہر و اعراض کا پلا انہی تیزی سے ہو رہا ہے۔ کہ مشاہدہ کرنے والا متحیر ہے۔ اس تضاد کا اجتماع سرسری نظر میں محال معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بغور مطالعہ سے اگر ہر شکل و وجود۔ صفات و عقول۔ جو اہر و اعراض اعیان پایوں کہیے۔ کہ عالم موجودات میں مرعی و غیر مرعی ہر شے جس پر لفظ بیان کا اطلاق ہو سکتا ہے کو اکٹھا کیا جائے۔ تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ سب کچھ ثبوت و عدم ثبوت (نفی و اثبات) کا مرکب ہے۔ اگر ذرہ (ایٹم) ایک طرف اپنی کم بساطی ظاہر

کہتا ہے تو دوسری طرف یہی ذرہ (ایٹم) اپنے میں وہ طاقت رکھتا ہے کہ ساری دنیا و مافیہا کو ایک آن میں نیست و نابود کر سکتا ہے (ایٹم بم) اسی طرح بڑی بڑی جسمات والی اشیاء ظاہری طور پر پر شکوہ نظر آتی ہیں۔ اہل نظر کے سامنے حقیر اور رانی کے دلے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بلاد اللہ کو مجموعی حیثیت دینے کے بعد معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہر شے کی ضد ہر آن اس کے مقابل موجود ہے ہاں انفرادی طور پر یہ ضد موجود تو ہے جیسا کہ اوپر ایٹم والی مثال سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی تفہیم اتنی آسان نہیں جتنی مجموعی حیثیت سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اگر یونیورس کو اجتماع ضدین کا نام دیں اور اس سے نفس مضمون کی طرف رجوع کریں۔ پھر اس سے اس کے باعث اور پھر حقیقت باعث کی طرف آئیں۔ تو شاید اس محال کو صورت ممکن دی جاسکے، واللہ التوفیق۔

کائنات

کائنات (عالم مصنوعی) عالم موجودات۔ عالم ماکان و مایکون۔ عالم تخلیق۔ عالم امر۔ عرش و عالم تحت العرش یا یوں کہتے کہ عالم ماسوائے اللہ۔ یہ سب آپس میں لغوی لحاظ سے ہم معنی میں آسانی کے پیش نظر اس عالم کائنات کو مندرجہ ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس ترتیب سے انشاء اللہ ہر حصہ میں اجتماع ضدین ثابت کیا جائے گا۔ فوق العرش کی بحث اس میں نہ ہوگی۔

نمبر ا قدرتی یا فطری اور مصنوعی۔ جو شے کہ جو اس خمسہ کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہے۔ یا تو وہ دست قدرت کی بنائی ہوئی ہے یا صفت خلاق ہوئی ہے۔ جس میں بیشتر حصہ حضرت انسان کا ہے۔

اختصار کے پیش نظر یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ علیحدہ علیحدہ ہر شے میں صفات کا ظہور ثابت کیا جائے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کیونکہ

ان تعداد نعمت اللہ لا تحصوہا کے ماتحت عقل انسانی اس سے عاجز ہے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ عالم موجودات میں ہر وہ شے جس کا وجود ہے اپنے اندر صفات قدرت کی ہر صفت کو جگہ دیے ہوئے ہے خواہ اس صفت کا ظہور اس ظاہری حواس میں آئے یا نہ آئے یہاں کہیں بھی لفظ وجود کا اطلاق ہوا۔ اس میں ان سب صفات کی کار فرمائی مانتی پڑی۔ کوئی شے وجود میں آہی نہیں سکتی اور نہ ہی اسے کوئی نام دیا جاسکتا ہے جب تک کہ یہ شے تمام صفات کی حامل نہ ہو۔ مسئلہ گو بہت دقیق سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سمجھانے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ جب صفات ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ گو یہ عین ذات نہیں تو ان کا آپس میں علیحدہ ہونا محال ٹھہرا۔ پس جب یہ مجتبع ہوتیں۔ تو ضدین کا اجتماع بھی قرار پایا۔ ذرہ ذرہ پتہ پتہ اپنے اندر معرفت کر دگار لئے ہوئے ہے۔ پھر لطفت کی بات یہ ہے کہ ہر ان صفات کی موجودگی میں اپنی ذات کے وجود کی نفی فرماتا ہے۔ کیا یہ عجب نہیں کہ موجود تو ہو لیکن وجود نہ رکھتا ہو۔ اسی وجود کی نفی سے ایمان کی تکمیل ہے ورنہ کتنی فرقے انہیں صفات میں وجود کو مانتے ہوئے ایسی وادی میں سرگرداں ہیں جو گمراہی کے قریب ہے اور اسی طرح کتنی ایک فرقے اشیا میں صرف ظہور صفات کو ہی دیکھتے ہوئے ذات کی موجودگی کا انکار کئے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں نہ اول الذکر کسی ساحل پر ہیں نہ آخر الذکر کسی ٹھکانے لگے ہیں۔ ایک پتے کو دیکھ کر کہہ اٹھنا۔ کہ یہ وہی ہے اور اسی طرح اسے دیکھ کر کہہ دینا کہ یہاں وہ نہیں ہے دونوں نظر تے باطل ہیں۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آتش کار

اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نا دیدہ ہے

اللہ تجھے سمجھ عطا فرمائے اور کسی ایک نظریہ کو کوئی نام دینے سے آزاد کر دے۔ یاد رکھ کہ نظریات کا قائم کرنا تجھے وقتی طور پر تیری دنیاوی زندگی میں شاید کچھ تیرے کام آئے۔ اگر منازل معرفت میں کسی نظریہ پر پھٹ گیا۔ تو ہر قدم پر جھجکتا رہتا رہے گا۔ عالم موجودات کو اس کی تمام صفات کا پر تو جان۔ ساتھ ہی ہر شے میں اُس کا ہونا بغیر وجود کے مان۔ یہی تیری عقل اور یہی تیرا ایمان ہے۔ کسی چیز کا موجود ہونا بغیر وجود کے اصل اجتماع ضدین ہے۔ یہی ایک راز ہے جس کو آج تک کوئی وا نہ کر سکا اور نہ ہی الفاظ کا جامہ پہنا سکا جس پر وارد ہو وہی اس کی کیفیت سے واقف ہے جو اس و آلات کی رسانی سے یہ بہت بلند ہے۔ عالم موجودات کی مندرجہ بالا دو اشیا افضل ترین موجودات میں سے حضرت انسان ہیں جس کے لئے یہ سب کچھ بدیع ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نوع انسانی جس کے قوام کو اللہ عزوجل نے احسن فرمایا ہے۔ کن کن پہلوؤں سے اپنے اندر یہ اجتماع ضدین لئے ہوئے ہے۔

حضرت انسان

ہر کوئی جانتا ہے کہ خمیر آدم چار عناصر سے مرکب ہے۔ آگ مٹی پانی اور ہوا۔ چونکہ ہر عنصر ایک دوسرے کا ضد ہے اور ان کا اکٹھا ہونا بظاہر محال۔ تو یہ مرکب ہی ثابت کرتا ہے کہ قدرت نے مرکب ضدین سے اس مہتی کو پیدا فرمایا۔ ایک عنصر کا دوسرے پر غلبہ۔ ایک کا وجود دوسرے کا عدم۔ ایک کا ثبوت دوسرے کی نفی۔ بادی النظر میں عیاں ہے۔ لیکن کمال قدرت تو یہی ہے۔ کہ ضدین کو جمع فرما کر عقل کو متحرک کر دیا۔ فرع ہمیشہ اصل کے تحت ہوتی ہے اور ظہور وجود کے تابع۔ جب اصل ضدوں کی

جمع ٹھہری۔ تو اس اصل سے جو سرزد ہو وہ بھی لازمی طور پر ضدین کا ہی مجموعہ ہوتا چاہیے۔ ہم جو اس کے برخلاف دیکھتے ہیں اس کی وجوہات مع تفصیل انشاء اللہ ابھی اپنی جگہ آئے گی یہاں صرف یہ واضح کر دینا ہے کہ اصل منشائے ایندھی انسان کو اپنی صفات میں رنگے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور انسان کو بھی اُن صفات کا آئینہ بنتا ہے۔ جب یہ حاصل ہوا۔ تو اللہ عزوجل کی مرضی پوری ہوئی۔ اور انسان مقام رضا سے نوازا گیا۔ اور جو انعامات بندۂ رضا کے لئے موعود میں سب سے سرفراز کیا گیا۔

خاصہ و عامۃ الناس

نوع انسان کو اگر مجموعی طور پر مطالعہ کیا جائے۔ تو اس اجتماع ضدین کا پانا کوئی مشکل معلوم نہ ہوگا۔ کسی صفت کو کسی نہ کسی انسان میں اوجا کر معلوم ہوگی۔ یہاں ایک نکتہ واضح کر دینا نہایت ضروری سمجھا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر لفظ صفت سے عقل عوام دھوکا کھاتے ہوئے ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ صفت کا اطلاق بُرے اور مکروہ معنوں میں بھی ہو سکتا ہے جو کہ ایک سخت مغالطہ ہے صفت ہمیشہ اچھے معنوں میں ہی ہوتی ہے۔ یہ صفات آخر میں کیا اور کہاں سے پیدا ہوتی ہیں۔ ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب صفات باری تعالیٰ کا ہی پرتو ہیں۔ اور انہیں کا عکس کچھ نہ تھا۔ لیکن یہ صفات ذات کے ساتھ وابستہ اور کسی قسم کے نقصان و عیب سے پاک و منزہ تحقیق و لد الاسماء الحسنی۔ ان صفات کی خیر و شر میں تقسیم ان کے انسانی استعمالات مع مراتب پر رکھی گئی۔ زید ایک فعل کرتا ہے جو اسے کرنا نہیں چاہیے تھا یعنی اس کے مرتبہ کے لائق نہ تھا وہ ظالم ٹھہرایا جاتا ہے۔ بکر اسی فعل کو کرتا ہے۔ اور اسے اپنے مرتبہ کے موافق پاتا ہے۔ وہ عادل ٹھہرایا جاتا ہے۔

پس صفت بڑی نہ ہونی بلکہ مرتبہ اور استعمال نے اسے خیر یا شر کا نام دیا۔
 اس نکتہ کو ذہن نشین کرنے کے بعد نفس مضمون کی طرف توجہ فرمائیں۔ کہ نوع
 انسانی مرکب ضدین ہے۔ مگر ہر بنی نوع انسان میں یہ اجزاء روشن نہیں
 جیسے کہ تمام عالم موجودات میں بغیر کسی روک کے کہا جاسکتا ہے کہ اجتماع ضدین
 کار فرما ہے لیکن اس عالم کی کسی ایک شے میں اسے ثابت کرنا مشکل معلوم
 ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ جاوہی ہونے کے لئے عالم کائنات کو جو سارا ایک
 کلمہ (کن) کا ظہور ہے کلمے کے ہی تین اجزاء میں تقسیم کر دینے سے یہ مسئلہ واضح
 تر ہو جائے گا۔

کلمہ اپنے اندر اسم۔ فعل۔ اور حرف رکھتا ہے۔ صرف و نحو کے پیش
 نظر۔ اسم۔ فعل۔ حرف جو جو تعریف اپنے میں رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر
 ہو جائے گا۔ کہ کائنات کی ہر شے منجملہ عام انسانوں کے سب کی سب
 حرف ہے۔ انبیاء علیہ السلام کی جماعت اور گروہ مومنین سب فعل ہیں
 اور اسم کا لفظ فقط سید انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی درست آتا
 ہے۔ جہاں سارا عالم امر ہے۔ جس میں مومنین اُولے اکابر ہیں حضور پر نور
 علیہ السلام صورت امر ہیں اور اللہ عزوجل حقیقت امر ہے اس ترتیب
 سے انشاء اللہ اس کتابچہ کو زینب دیا جائے گا۔ واللہ التوفیق۔

عام انسان

عالم موجودات میں اشرف الموجودات حضرت انسان ہے۔ اس
 کو اللہ عزوجل نے اپنا بھید فرمایا ہے۔ اس کی تقویم احسن اور اس کی تخلیق
 اپنے دست قدرت سے فرمائی۔ اسے اپنی امانت کا اٹھانے والا بنایا۔
 سب کچھ اس کے لئے پیدا فرمایا اور اسے اپنے لئے بنایا۔ ارتقائی نام جو بھی

دئے جائیں۔ سب اس کے لئے موزوں ٹھہرے۔ برعکس اس کے اس انسان کو اسفل السافلین ط کے درجہ پر رکھ کر اسے اتنا معزول فرمایا کہ اولیک کالانعام بل هم اضل ط تک پہنچایا۔ کتور۔ مختال۔ فخور۔ خوان۔ عجول۔ طرح طرح کے ناموں سے موسوم کیا۔ منافق۔ کافر۔ فاجر۔ فاسق۔ ظالم۔ جاہل۔ ضال۔ مغضوب۔ سرکش۔ سفل۔ ذلیل۔ خلافت۔ مکذب۔ ہمار۔ ہمام۔ مناع۔ معتد۔ ایشم۔ عثل۔ زینم۔ بھی اس انسان کو نام دیے۔ پھر ان دونوں طبقات کو کچھ اس طرح مخلوط کیا۔ کہ عقل کی دھجیاں اڑ گئیں۔ کوئی ایک نظریہ نہ قائم ہو سکا۔ کسی کو طاقت نہیں کہ وثوق سے کہہ سکے۔ کہ فلاں کافر۔ فاجر کو ایمان و تقویٰ نصیب نہیں ہو سکتا یا یہ کہے۔ کہ فلاں متقی فاجر فاسق نہیں بن سکتا۔ قسام ازلی نے یہ تقسیم کچھ ایسی پوشیدہ رکھی جو کسی نسب العین کی محتاج نہ ٹھہری۔ یہ سب اس لئے کہ انسان کو تمام کمالات و صفات سے مزین کیا۔ اور اس کی ذات میں ان کا دورہ ایسا رکھا کہ کسی ایک حال یا ایک صفت پر قرار نہ دیا۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث باب تفسیر الناس کے تحت جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ اس نظریہ پر دلالت کرتی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نہیں ہے آدمی سچ اختلاف حالات اپنے کے اور تغیر صفات اپنے کے مگر مانند سوا ونٹوں کے۔ نہیں قریب ہے کہ پاوئے تو اسے مخاطب ان میں سے ایک قابل سواری کے۔ ماہرین علم النفسیات (Psychoeogy) بھی اس اجتماع ضدین کو کسی اور رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ انسان اپنے میں دو متضاد فطرتیں (Natures) رکھتا ہے راج بالباطن (Inner Nature) راج بالنہاہر (Exterior) عموماً دیکھو گے کہ صاحب عمل انسان اپنے کلام کو ایک سردی کیفیت کی طرف لیتے جا رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ گویا اس کا کلام پڑھنے والے کو نیند کے ٹیکے لگا رہا ہے۔ لیکن عمل اس کا عین برعکس پاوگے۔ برخلاف اس کے جس کا کلام عمل کی دعوت دیتا ہو۔ اور اس کے مطالعہ سے یا سننے سے جوشِ عمل پیدا ہو۔ اس کی اپنی ذات میں فقدانِ عمل ہوگا۔ کالج میں میرے فلسفہ کے استاد اس مضمون پر لیکچر دیتے وقت را بندرہ نامتھ۔ ٹیگور۔ اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مثال دیا کرتے تھے۔ یہ دونوں صاحبِ ہمت تھے۔ لیکن خود عمل و کلام میں ایک دوسرے کی ضد۔ اور ان کا اپنا کلام اپنے عمل کی ضد۔ اور عمل کلام کی ضد یہاں اس سے بحث نہیں کہ ایسا ہونا چاہیے یا نہیں عامۃ الناس میں یہ ضد موجود ہے۔ اور اس کا اظہار بھی۔ لہذا تقولون ما لا تفعلون ط کے تحت یہ سب آتے ہیں انہیں ضدین کی موجودگی سے سب قباحتیں ظہور میں آتی ہیں۔ اللہ عزوجل کی صفات سب کی سب بغیر کسی نقص و عیب کے ہیں۔ لہذا لا اسماء الحسنی، صفات اسماء کا مظہر ہیں باطل اپنے باطل ہونے میں بھی حق ہے گو یہ نکتہ عقل کی پہنچ سے بالا ہے۔ عقل کا کام کسی چیز کو ثابت کرنا ہے اور اس اجتماع میں ثبوت محال ہے۔ دودھ کا شربت اور لیمو کا شربت اپنی جگہ اور اپنی حیثیت اور اپنے اپنے استعمال میں فائدہ مند اور بے ضرر ہیں لیکن دونوں کی ملاوٹ لازماً خطرہ سے خالی نہیں اور نہ ہی ان کا بے وجہ بے ضرورت اور بے محل استعمال سودمند ہوگا۔ بس تمام سیات کو اس مثال پر رکھنے سے یہ واضح ہو گیا کہ ما اصابك من سیدۃ فمن نفسك، لیکن پھر ضدین نے اپنا رنگ دکھانا تھا۔ خیال پیدا ہوا۔ کہ اگرچہ سیات ان صفات کی بے ترتیب ملاوٹ ہی ظہور میں آتی۔ لیکن یہ اختلاط اور ظاہر کرنا وغیرہ کس طاقت سے سرزد ہوئے کلامِ پاک نے اس کی بھی وضاحت کر دی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اس نکتہ کو بھی حل فرما دیا۔ جب کفار کو کوئی بھلائی

پہنچتی تو کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے اور جب برائی پہنچتی تو کہتے کہ یہ تیری۔
 (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ایسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 ان سے فرما دیجئے کہ کل من عند اللہ، یہ سب کچھ اللہ عزوجل
 کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ مسئلہ تفہیم میں لائے معلوم
 نہیں ہوتے۔ و مال هؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حد
 یہاں ایک طرف برائی کو من نفسک، فرمایا تو دوسری طرف من
 اللہ نہیں فرمایا بلکہ من عند اللہ، فرما کر ایک ایسی پیچیدگی
 میں ڈال دیا کہ عامۃ الناس تو کیا۔ صاحب امر حضرات بھی متحیر رہ گئے۔
 اور اسی حیرت کو اپنا نجات کا راز جانا۔ واللہ بکل شیء محیط،
 کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اور اس طرح فی النفسکما فلا تبصرون،
 کے پیش نظر اللہ عزوجل کا اپنی صفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہونا معلوم
 ہوا۔ عام انسان ہوں یا خاص الخاص سب میں اس کی جلوہ فرمائی ہے۔
 بلکہ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں۔ اس طرح جہاں وہ جلوہ فرما ہے وہاں
 اس کی صفات بھی موجود ہیں کیونکہ صفات کا یا کسی ایک صفت کا بھی
 علیحدہ ہونا اس کی ذات سے غیر ممکن ہے۔ چنانچہ ذرہ میں بھی انہیں صفات
 سے موجود ہے۔ جن صفات کے ساتھ انسان میں ہے۔ اور اس پر ہر
 شے کو قیاس فرمالیں۔ لیکن اب الجھن یہ پڑ گئی کہ باوجود مندرجہ بالا ہونے
 کے اشیاء میں تفاوت کی کیا وجہ ہے۔ جب ایک درخت میں بھی انہیں
 صفات سے جلوہ گر ہے اور ایک انسان میں بھی ویسے ہی کار فرما ہے تو
 پھر درخت اور انسان دو علیحدہ علیحدہ کیوں۔ تو فیق باری تعالیٰ سے
 اس مسئلہ کا حل یوں ہوا۔ کہ ذات اپنی صفات کو متشکل اور متخلق اور
 ان میں اعمال و افعال کو متزیّن کرنے کے لئے اپنے ارادہ کو کام میں لاتی
 ہے۔ میں نے کبھی کسی تفسیر میں پڑھا تھا کہ سارے قرآن پر ایک آیت

فعال تھا سیریل ، حاوی ہے یہاں تک کہ ارادہ الہی امر الہی پر بھی غالب ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کرو اور ارادہ یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے حکم ہوتا ہے۔ دانہ نہ کھاؤ۔ ارادہ یہ ہے کہ کھا لے۔ حکم ہوتا ہے میرے راہ میں بیٹا قربان کرو۔ ارادہ یہ ہے کہ پھری ایک بال تک بھی نہ کاٹے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ارادہ ہر شے پر غالب ہے کوئی شے ارادہ پر غالب نہیں زیادہ آسان کرنے کے لئے ایک نقاش کی مثال لیں۔ نقاش اپنی صفت نقاشی کو اپنے ارادہ کے ماتحت جو چاہے شکل دے سکتا ہے۔ اگر ارادہ کرے تو کاغذ پر درخت کی تصویر بنا دے۔ اگر چاہے تو کسی جانور کی شکل کھینچ دے یا کوئی منظر پیش کر دے۔ اس کی صفت نقاشی بدستور قائم ہے۔ صرف اس کے ارادے نے اسے مختلف قسم کا لباس پہنا دیا۔ نقاش ازل نے بھی اپنی جامع صفات کو کہیں ایک ذرہ میں چھپا لیا اور کہیں ایک انسان کی شکل دے کر اس میں خیال۔ اعمال اور افعال کا ظہور فرما کر اسے اشرف کر دیا۔ وگرنہ۔ لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ کے تحت سب میں صفات کا ہونا برابر۔ اس لفظ ارادہ کا محل صفات سے اوپر ہوا۔ اور ذات کے تحت۔ عالم مثال بھی اسی ارادہ کے ماتحت ٹھہرا۔ اب اس تفاوت کو فہم نشین کرنے کے بعد نفس مضمون کے سمجھنے میں قدرے آسانی ہوگی وباللہ التوفیق۔

جب ارادہ الہی کی زد میں تخلیق کائنات آئی تو اس اجتماعِ ضدین نے کسی ایک شے کو طاسری شکل میں بھی کسی دوسری شے سے نہ ملنے دیا۔ بلکہ یفعل ما یشاء، یخلق ما یشاء، یصور کم فی الامر حاکم کیفیت یشاء، نے بتا دیا کہ یشاء (ارادہ) کی کار فرمائی نے ہم جنس کو بھی مختلف پیراہن بخشا اور عقل کو محروم راز رکھا اختصار کے پیش نظر

چونکہ اس کتابچہ میں صرف نوع انسان کی ہی بحث مد نظر رکھی گئی ہے۔
 ہر انسان احسن التقولیم کا پیکر ہے۔ اپنے اندر جو ہر اصل رکھنے کے
 باوجود اس جوہر سے غافل ہے یہ سادہ و پیرکار۔ بے خود و ہمیشیار۔ اختیار
 و جبر کا پتلا ایک ایسے بے بس میدان میں چھوڑا گیا ہے۔ جہاں اُسے جا بجا
 خود مختاری کے سنگ میل اور سرحدیں نظر آتے ہیں۔ جن کے بل بوتے پر یہ
 کائنات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا سانس لیتا ہے۔ اسے خود
 اس کے بھید سے محروم رکھا گیا اور باقی سب کچھ دیا گیا۔ درخت کی قدر
 اس کے پتوں۔ پھلوں۔ پھولوں سے ہوا کرتی ہے۔ جو درخت ان سے
 خالی ہو۔ اُسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس ارض کی زینت بھی
 حضرت انسان سے رکھی گئی ہے اس پر باقی تخلیق کو اس ہستی کے لئے
 وقف کیا گیا ہے۔ خلقکم مافی الارض جمیعاً

وضاحت کے لئے تھوڑے سے غور کی ضرورت ہے۔ دنیا میں
 ہر شے کی کمی یا عدم وجود انسان محسوس کرتا ہے لیکن اس انسان کی کمی
 یا اس کا عدم دنیا کی کسی شے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ پانی نہ ہو انسان
 کے لئے مصیبت ہے۔ اگر انسان نہ ہو تو پانی کی روانی میں کچھ فرق نہیں
 آتا۔ آگ نہ ہو آدمی کے ہزاروں کاروبار رک جاتیں۔ لیکن آدمی نہ ہو
 آگ کی تیش میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس ہی ایک نکتہ ثابت
 کر دیتا ہے کہ انسان ان اشیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ کسی اور
 کے لئے بھیجا گیا ہے۔ عام انسان۔ مومنین۔ اور انبیاء علیہ السلام اس
 زمین کے بالترتیب۔ پتے۔ پھول اور پھل ہیں۔ عامۃ الناس سوائے
 جوہر عقل (شرعی) کے باقی تمام صفات سے نوازے گئے ہیں۔ زمین
 کی نہ تک ان کو رسائی دی گئی ہے آسمان کی فضا میں ان کو قابو بخشا گیا
 یہ گروہ انسان سب کا بننا لیکن اپنا نہ بن سکا۔ اخباری و فاجر کے ایک

کمرے میں بیٹھا رمضان المبارک کے دنوں میں سگریٹ منہ میں لئے ہوئے
 اور چائے کی پیالی سامنے رکھے ہوئے روزہ کے فلسفہ پر قہر از ہے
 یہ ایک مسجد کے منبر پر کھڑا ہزاروں کی تعداد کو سامنے رکھے ہوئے اپنے
 مواعظ حسنہ سے انہیں سرشار کر رہا ہے۔ لیکن اپنے میں اپنی بات کا عشر
 عشر بھی نہیں رکھتا یہ عامتہ الناس کا لیڈر بن کر انہیں توپوں تک سے
 کڑنے پر ابھارتا ہے۔ لیکن خود ایک معمولی سی آہٹ کی تاب نہ لا کر اپنی
 ہی نشست گاہ کے نیچے دبے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ درویشانہ لباس
 زیب تن کئے ہوئے درویشی کی بو تک بھی نہ سونگھ سکا۔ اس گروہ کا ظاہر
 اس کے باطن کے خلاف اور ان کا باطن ان کے ظاہر کے برعکس پایا۔ یہ گروہ
 ماتقولون مالا تفعلون، کا مصداق بنایا۔

ایک ادنیٰ گداگر سے لیکر ایک بادشاہ تک اس گروہ میں ہزاروں
 درجات آتے ہیں۔ اپنے ظاہری منصب کے ہوتے ہوئے باطنی طور پر
 منصب ضد کا بھی دعویدار ہے اور اپنے میں یہ اجتماع ہر آن جاری و
 ساری رکھتا ہے۔ فقیر بادشاہ ہونے کا دعوے اپنے اندر یہاں کئے
 ہوئے ہے اور بادشاہ قوم کا خادم ہونا اپنے لئے فخر سمجھتا ہے۔ یہ
 عام انسان صرف اوجاگر صفات کی بنا پر منسوب و موصوف کئے جاتے
 ہیں اور ان کا یہ منصب محض دنیوی اور سفلی تعلقات پر قرار رکھنے
 کیلئے ہوتا ہے۔ نہ کہ شرعی اور حقیقی لحاظ سے ان کی ہر ظاہر خصلت دنیا
 میں اپنے اندر اجر کی مستحق ہے اور بدلہ لینے کا ہی تقاضہ کرتی ہے اور اجر
 لے کر ہی رہتی ہے۔ لیکن یہی خصلت اس انسان کے مال بخیر ہونے یا نہ
 ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتی۔ بہر حال دنیوی نظام میں عامتہ الناس
 کی حیثیت بڑی نمایاں ہے۔ دنیا کے کارخانے کا ہر شعبہ اس گروہ کا ممنون
 ہے۔ دنیا کا وجود اسی گروہ سے ہے۔ یہی اس کو برقرار رکھنے والے ہیں۔

اور انہی کی وجہ سے تو دنیا ادنیٰ کا مڈنٹ، ٹھہری ہے۔ اور اللہ عزوجل نے ایک نظر بھر کر بھی اس کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ یہ گروہ اپنے اندر مجموعی طور پر بھی اور فرداً فرداً بھی اجتماعِ ضدین کا حامل ہے۔ اپنے اندر اچھائی۔ بُرائی دونوں رکھتا ہے۔ یہ ضدین خفی و جلی طور پر جھلک مارتی رہتی ہیں اور ان کی ایک دوسرے پر کار فرمائی سے ہی مختلف شعبوں کی تعبیر ہوتی ہے۔

عام انسانوں کی دنیا قباحتوں۔ کمزوریوں اور برائیوں کی دنیا ہے۔ جو صفات کے ناموزوں اختلاط کا نتیجہ ہے۔ اصولی طور پر جو صفات ایک ذرہ میں ہیں وہی ایک فرد میں اور جو ایک فرد میں ہیں وہی گروہ یا جماعت میں کیونکہ ذرہ اور فرد میں اُن کا تجزیہ قدرے محال معلوم ہوتا ہے اس لئے عام فہم کرنے کے لئے گروہ اور اجتماع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

انسانی گروہ بے شمار اقسام کے ہیں گھر کی چار دیواری سے لے کر طرف کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو مختلف ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ کنبہ۔ محلہ۔ قریہ۔ شہر۔ اور ملک ان گروہوں کے نمایاں عنوان ہیں اور باقی تمام تنظیمیں انہیں کے ماتحت ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں صرف ایک تنظیم نو۔ جس کو دفتر (Office) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس ادارہ کے افراد جو کسی ایک محکمہ یا اس کی شاخ کی تنظیم کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس دفتر کا سٹاف کہلاتے ہیں۔ کارپرواز۔ دفتری نشی بابو۔ کلرک۔ اسسٹنٹ ان کے مختلف نام ہیں۔ یہ صاحب دیکھنے میں خوش پوش صفائی پسند اور باوقار معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن درون پردہ پر لے درجے کے ذلیل اور اپنی ذہنیت کو افسروں کے ہاتھوں بیچے ہوئے ہیں۔ ان کا لباس ان کی رفتار ان کی گفتار۔ حتیٰ کہ ان کا اخلاق ایک دوسرے کی ضد اور کسی معیار پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے بھی ہیں جو رات والا سوٹ

(ناچامہ - کرتہ) یہی زیب تن کئے ہوئے دفتر میں حاضر ہو جاتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو دوپہر کو سکوڑ پر گھر کھانا کھانے جاتے ہیں اور واپسی پر ایک دوسرا سوٹ پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کی گفتار - سبحان اللہ جیسے لباس کا کوئی تمیاز نہیں۔ ایسے ہی گفتار کا کوئی شعار نہیں پنجابی اردو - انگریزی تینوں کو ایسا ملاتے ہیں کہ ان کی زبان سے ہی ان کی پہچان ہو جاتی ہے۔ خاص کر اردو اور انگریزی کا تو ایسا قوام کرتے ہیں کہ دونوں زبانوں کے الفاظوں کی گنتی فیصدی کے حساب سے برابر نکلتی ہے۔ ان کی بحثیں دفتر لگنے سے شروع ہو جاتی ہیں۔ موضوعات دفتری لائن سے بالکل الگ۔ ملکی انتظام پر بحث چھڑ گئی تو یہ مشیر قانون ہیں۔ دفاع کا ذکر آیا تو یہ فیلڈ مارشل ہیں کوئی مذہبی مسائل پیش آتے تو امام و مجتہد سے کم نظر نہیں آتے۔ اس گروہ سے ہر طرح کی معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کا اخلاق اور طرز عمل بھی کچھ ایسا ملاحظہ ہے کہ جس نظریہ سے دیکھا جائے وہی پایا جاتا ہے۔ مذاق و شغل کے طور پر ہر نازیبا حرکت اور ہر بدکلامی کو اپنا معمول سمجھتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ بعض انہی گروہ سے مست مئے پندار بھی ہیں اور اپنے آپ کو زیادہ ترقی اور شائستگی کے دائرہ میں ہی رکھتے ہیں برائی والے نیکی سے خالی نہیں اور نیکیو کار برائی سے مبرا نہیں۔ بالادست سے کوئی بھاڑ پٹے تو زیر دست پر غصہ نکال لیتے ہیں آپس میں دوستی کا دم بھرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے خلاف مکروہ سازشیں اور کمینہ حرکات سے بھی باز نہیں رہتے جب بھی موقع ملے اپنا داؤ چلانے سے نہیں رکتے اور غرور و درگزر سے دور رہتے ہیں۔ اپنے ساتھ کلرک کو نیچا دکھانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بادی النظر میں کسی قسم کی الائنس سے پاک معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے اگر سگرٹ - چائے یا تھوڑی سی سٹھائی پیش کی جائے تو بلا تامل سنبھال

کمر لیتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو رشوت یا یافت کا درجہ نہیں دیتے۔
 ہر شعبہ کے انتظام کے دعویدار ہیں لیکن بے بسی کا یہ عالم کہ کسی دعوے کے
 فیصلے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ یہ اُن شیروں کی طرح ہیں جو کسی تخت کو اٹھاتے
 ہوئے تصویروں میں دکھائے جاتے ہیں صرف دفتر کے اوقات میں ہی
 ان کے معمولات کو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو دامن اختصار
 ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ یہ صاحب کیا ہیں اور کیا نہیں۔ اسی ایک نظریہ
 کے ماتحت اجتماعِ ضدین کے مصداق ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کائنات
 کے باقی تمام شعبے۔ دفتر کا ادارہ اس لئے مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے
 تاکہ قارئین خود کو اپنے ماحول میں رکھ کر بخوبی اندازہ لگا سکیں عامۃ الناس
 میں یہ ناموزوں اور نامناسب اختلاطِ صفات چونکہ نمایاں حیثیت
 رکھتا ہے اس لئے اس گروہ کو اذنی درجہ دیا گیا ہے۔

اس عام انسانوں والے گروہ کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے ایک
 ایسے گروہ کو بھی شامل رکھا ہے جو مومنین۔ کاملین کا تو درجہ نہیں رکھتے
 لیکن ان کی طرف راجح ہونے کے سبب عامۃ الناس سے فائز ہیں
 عامۃ الناس سے اُن کی تمیز ان کے اخلاق و عادات سے ہو جاتی ہے۔
 یہ صفات کے نامناسب اختلاط اور استعمال سے بچے ہوئے ہیں اور
 ان میں مناسبت کا ظہور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ جماعت اچھی صفات سے
 موسوم کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ نیک کہلاتے ہیں لیکن برائی سے خالی نہیں
 ہوتے۔ عامۃ الناس کی طرح یہ بھی دنیا کے ہر شعبہ میں پائے جاتے ہیں۔
 لیکن جس کسی ماحول میں بھی ہیں اپنے آپ کو اس سے علیحدہ رکھنا چاہتے
 ہیں یہ گروہ کوشاں ہے کہ ان میں صفات کا توازن اور تناسب قائم
 رہے اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہیں۔ اگرچہ کہا حقہ نہیں
 اگر ان میں برائی کا ظہور ہو تو یہ پہلے گروہ سے کہیں زیادہ بدنام اور برا

ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی برائی عامتہ الناس کو دامنِ ترویر میں بہ نسبت اُن کے اپنے گروہ کے جلدی پھنسا لیتی ہے۔ اگر ایک بارشِ منتشر انسان دو پولیس افسروں کے درمیان ہتھکڑی پہنے ایک بازار سے گزارا جائے تو تقریباً تمام اہل بازار کی آنکھیں اس ملزم پر جمے گی۔ برخلاف اس کے اگر چند در چند ریش صفا مندرجہ بالا سلوک سے گذر رہے ہوں۔ تو اتنے جاذبِ نگاہ نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اول الذکر لباسِ تقویٰ سے مزین تھا اور ظہورِ صفت کا دعویٰ درجیب کہ آخر الذکر پہلے ہی سے آمیزش و ملاوٹِ صفات سے ملوث تھے۔ اور عامتہ الناس کے گروہ میں ہونے کی وجہ اس پاداش کے سرِ ادا رہے جو ان کو دی گئی۔ بعض نام نہاد مولوی۔ مجتہد۔ فقیہ۔ بزرگ۔ درویش۔ پیر۔ علمِ صوفی اس گروہ کی پیداوار ہیں۔ یہ گروہ انسان ایک طرف جتنی تیزی سے بعض کو صفات کی مناسبت کا درس دیتا ہے۔ اس گروہ کی اس بے اعتدالی صفات بہتوں کو اسفل السافلین، تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اسی وجہ سے عامتہ الناس ان سے عقیدت کی بجائے نفرت اختیار کرتے ہیں۔ راقم الحروف کا روتے سخن مندرجہ بالا گروہوں کی تشریح سے کسی ایک پر نہ کوئی الزام لگانا ہے اور نہ ہی اُن کی کوئی تعریف مقصود ہے۔ بتانا صرف یہ ہے کہ اللہ عز و جل کی لا تعداد و لا محدود صفات جو کہ ہر پہلو اور ہر لحاظ سے ستودہ ہیں اور اپنی اپنی جگہ بغیر کسی نقص و عیب کے اَلان کماکان، کی مصداق ہیں۔ کیسے اختلاط اور بے محل استعمال کے باعث ایسے نتائج پیدا کرتی ہیں۔ کہ فہم و ادراک کی کسوٹی ان کو کسی خاص اصول کے ماتحت مقید نہیں کر سکتی بڑے بڑے حکمانے خیر و شر۔ نیکی و بدی کے نظریات باندھے۔ لیکن بہت کچھ کہہ چکے اور لکھ دینے کے بعد مابین در اول صفت تو مانڈیام۔ کا سہارا ہی کلم آیا۔ وجہ یہی کہ عقلِ نارسا

صفات کی تیزیوں سے مقابلہ نہ کر سکی۔ عقل نے جسے منزل سمجھا۔ وہ رہگذر نکلا۔ اور جسے راستہ جانا وہ ابتدا بھی نہ تھی۔

مُؤْمِنِينَ كَامِلِينَ

یہ گروہ انسان (اللہ ان کی پاک زندگیوں کے طفیل ہمیں بھی نجات بخشنے آمین) صفات الہیہ کے مجلّٰ شیشے اور اجتماعِ صدیقین کی پوری پوری تصاویر ہیں۔ یہ جماعت بھی کئی ایک ناموں سے موسوم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہ السلام رسل عظام۔ اولیاء اکرام۔ صاحب امر۔ اولی الامر سب اس جماعت سے وابستہ ہیں ان کا وجود خال خال ہوتا ہے۔ اور ان کی پہچان نہایت دقیق ہوتی ہے۔ فانی صفات ہونے کی وجہ سے ان کا طرز عمل کسی فتوے کا محتاج نہیں رہتا۔ ان کا اپنا اختیار سلب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ رضا کی وادی کے مکین ہوتے ہیں۔ اور نامناسب اور غیر موزوں صفاتی آئینہ نشوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر یہ ہستیاں مرتبہ۔ ”ہدیٰ“ پر متمکن ہوتی ہیں۔ لیکن عامۃ الناس کو اپنے سر نہیں آنے دیتیں۔ جمالی اور جلالی صفات الہیہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لباس پہنا کر کائنات کے سامنے کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں۔ کہ ماسوائے اُن کے تصرف میں ہوتا ہے۔ ان کی بقایاں فنا اور فنا میں بقا پوشیدہ ہے حیات و ممات ان کے لئے یکساں ہے۔ ان کا وجود نہ نیکی کا دعویٰ دار ہوتا ہے اور نہ برائی کا مدعی۔ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہوتے ہیں کہ ہر مطالعہ کنریوالا اپنی ہی نمایاں صفات کا عکس ان میں پاتا ہے۔ عامۃ الناس خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ ہم جیسے ہیں اور خاصۃ الناس انہیں اپنا حادی خیال کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں گروہ ان کی ذات میں اپنا آپ دیکھتے ہیں۔ کسی

چیز کا امر کرنا اور کسی چیز سے منع کرنا ہی ان میں صفات الہیہ کا تضاد ثابت
 کرتا ہے۔ منظر عروین الہی ہونے کے سبب سے اپنی ہستی کو کوئی نمایاں نام
 نہیں دیتے۔ جہاں صفات کو رحم کا لبادہ اوڑھا کر مستحقین کو پہناتے ہیں۔ اور
 جہاں صفات کو غضب کی چادر سے ڈھانپ کر ملوث گروہ کو نیست و نابود
 کرتے ہیں۔ رحماً بیلہم اشداء علی الکفار بیک وقت ہیں۔ عدم
 وجود اور قرب و بعد ان کے لئے مساوی ہوتا ہے۔ یہ بیک وقت کئی جگہ
 ہو سکتے ہیں۔ اور اگر چاہیں تو سامنے بیٹھے بھی نظر نہ آئیں۔ اور حجاب بن
 کر رہ جاتیں۔ یہ سوتے میں جاگتے ہیں اور جاگتے میں سوتے ہیں نیکیوں کی نیکی
 ان کی برائی اور ان کی لغزشیں عامتہ الناس کی نیکیاں بن جاتی ہیں۔ جیسے
 ظاہری حیات طیبہ میں اپنے مخالف و موافق گروہ رکھتے ہیں ویسے ہی
 بعد ممات بھی اپنے موافقوں اور مخالفوں سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ موت
 ان کی فقط آئی ہوئی ہے۔ جو ان کی زندگی جاودان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اور
 ان کی زندگی اوقات روز و شب کے شمار سے بالاتر ہوتی ہے۔ ان روشن
 میناروں کی روشنی کبھی ایک جماعت کے لئے کبھی ایک شہر کے لئے اور کبھی
 ایک ملک کے لئے آئی۔ روشنی میں آنے والے بعض انسانوں نے اس روشنی
 میں اپنے آپ کو دیکھا۔ یشار الہی کی برکت سے احساس پیدا ہوا۔ صفات
 ممیزہ ہو گئیں۔ اور تخلیق کا منشا پا گئے۔ نہیں میناروں نے جب اپنے ماحول
 کو روشن کیا تو بعض انسان جو ذہب اللہ بنویر ہم کے زمرہ
 میں سے تھے۔ باوجود اس روشنی کے اپنے آپ کو ظلمت میں ہی پانے لگے۔
 اور اس اندھریوں میں ہی چھوڑے گئے۔ جو قسام ازل نے ان کے حصہ
 میں مقدر کی تھیں۔ یہ رضا کے بندے کسی شے کے وجود سے خوش نہیں
 ہوتے اور نہ ہی کسی شے کے عدم وجود سے ناخوشی کا اظہار کرتے ہیں بڑھلا
 نیکوکاروں کے جو مقامات ہیں۔ مقید اور کھوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور

جن کا ذکر و شکر کسی مقام کی قید کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ گروہ کا ملین
 قُلْ لِلّٰهِ فَدَّرْهُمْ طے کے بے پایاں سمندر میں تیرتے ہیں۔ چونکہ خود میں
 صفات نامہ رکھتے ہیں۔ اور صفات کا تقاضا ہے۔ کہ اپنی ضد کی ماہیت
 اور حقیقت کو آشکار کر دے جیسے آئینہ کی لطافت کا تقاضا ہے کہ سامنے
 والی کثافت کو اپنے میں عیاں کر کے پیش کرے۔ اسی باعث جو جو جوہر
 کسی انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کا ملین کی ہستیاں اُن کو ان کے
 سامنے عیاں کر دیتی ہیں۔ اور وہ اُن سے بہرہ مند ہونے شروع ہو
 جاتے ہیں۔ بادی النظر میں عام انسان اس تبدیلی کے پیش نظر ان
 کا ملین کو رہنما و مرشد یا اس جیسے اور نام دے دیتے ہیں۔ یہ انسان کامل
 میں صفات الہیہ کے ظہور کا ہی کرشمہ تھا۔ کہ چوری و قطبیت۔ بظاہر
 ضدین تھیں اور ایک کا دوسرے میں منتقل ہونا بھی بظاہر محال نظر آتا تھا۔
 لیکن دونوں کا جوہر اصلی ایک ہونے کی وجہ سے صفات کے پرتوں نے اس
 جوہر کو چور پر عیاں کر دیا اور وہ قطبیت کے درجے پر فائز ہو گیا۔ اس
 واقعہ نے اس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ انسان کامل کسی مقام یا مرتبے
 کا مقید نہیں۔ وہ ولایت و قطبیت سے کہیں بالا ہوتے ہیں بلکہ بالا و
 اعلیٰ وغیرہ نام بھی ان کو نہیں دے جاتے۔

ان صفات الہیہ کا پرتو کچھ اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے اور یہ
 حقیقت کچھ ایسے بھی مشاہدہ ہو سکتی ہے۔ کہ ایک عامی انسان جب کسی
 انسان کامل کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ تو شروع شروع میں جب وہ
 اپنی ہی ملوث صفات کو مومنین کامل کے آئینہ میں دیکھتا ہے تو مغالطہ
 کی بنا پر اُسے بھی ان ملوث صفات کا حامل سمجھتا ہے۔ جو اصل میں اس
 کی اپنی ہوتی ہیں لیکن صحبت کا اثر اور بے پناہ صفات کے ناوک جب ان
 ملوث صفات کو چھیدتے ہیں اور ان کا تجزیہ کرتے ہیں تو خود اس عام

انسان کو اپنے میں أَحْسَنَ تَقْوِيم کے جوہر نمودار ہونے لگتے ہیں۔ صفات حقہ کا ملوث صفات پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اہل لوث کی جگہ سنبھال لیتا ہے۔ طوافِ بتاں۔ طوافِ کعبہ میں اطمینان پاتا ہے۔ اور غیض و غضب اور فساد فی الارض جہاد کے نشے میں سرشار ہوتا ہے۔ چورتی غنائم میں بدل دی جاتی ہے اور ضد و ہمت دھڑی عقیدت کا رنگ پکڑتی ہے تکبر و ادنیٰ خودی میں پناہ گزیر ہوتا ہے۔

انسان کامل علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں چند متقدمین اور اپنے ہم عصر مومنین کا ذکر کرتے وقت پہلے ان کو چند اوصاف سے موصوف کرتے ہیں۔ اس کتاب میں چونکہ صفات کی بھی بحث ہے اس لئے مجموعی طور پر ان تمام صفات کو جو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ان کاملین میں پائی ہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ جس حد تک ہو سکے ان کی ذہنی نشینی بھی بیاں میں مدد ہو۔ اور کتاب مطالعہ کرنے والوں کے لئے زیادہ دشوار نہ بنے۔

- ۱۔ مبداء ارباب مشاہدہ ۲۔ حجت ارباب مجاہدہ ۳۔ مخزن حیا ۴۔ اعبد اہل صفا ۵۔ متعلق درگاہ رضا ۶۔ متجلی بطریق مصطفیٰ ۷۔ نمبر معرفت ۸۔ مزیں صفوت ۹۔ منور خصلت ۱۰۔ آفتاب امت ۱۱۔ شمع دین و ملت ۱۲۔ رئیس العلماء ۱۳۔ فقہ الفقہاء ۱۴۔ ہر دل عزیز ۱۵۔ خوب سیرت ۱۶۔ شجاع طریقت ۱۷۔ متمکن در شریعت ۱۸۔ نقیب اہل حجت ۱۹۔ زینب جن دانس ۲۰۔ فقیر کبیر ۲۱۔ سب دلیوں کے امیر ۲۲۔ پیر صالح ۲۳۔ داعی اہل مجاہدہ ۲۴۔ قائم اندر مشاہدہ ۲۵۔ غز علیا ۲۶۔ واصلین حق کے سردار ۲۷۔ مقربین بارگاہ کے بادشاہ ۲۸۔ سفینہ تخلیق و کرامت ۲۹۔ حمصام شرف اندر ولایت

- ۳۰۔ امیر الامرا۔ ۳۱۔ سالک طریق نقا۔ ۳۲۔ سریر آرائے معرفت
 ۳۳۔ تاج اہل معاملت۔ ۳۴۔ معرفت و محبت کے آسمان
 ۳۵۔ امام فنون۔ ۳۶۔ جاسوس طنون۔ ۳۷۔ لوگوں سے کنارہ کش
 ۳۸۔ حصول جاہ و مرتبت سے مستغنی۔ ۳۹۔ منقطع از جملہ سلاطین
 ۴۰۔ سرفہرست اہل بلا و بلوی۔ ۴۱۔ مایہ زبد و تقویٰ۔ ۴۲۔ راہ حق
 میں یگانہ۔ ۴۳۔ زین عباد۔ ۴۴۔ جہاں اوتاد۔ ۴۵۔ جوالمرد و پارسا
 ۴۶۔ شیخ سنت۔ ۴۷۔ قاہر بدعت۔ ۴۸۔ سراج وقت
 ۴۹۔ متجمل آفات۔ ۵۰۔ امام متوکلان۔ ۵۱۔ برگزیدہ اہل زمان
 ۵۲۔ ساکن وطن غیب۔ ۵۳۔ زمان محبت و وفا۔ ۵۴۔ امید حق پر
 ثابت قدم۔ ۵۵۔ زمین و زمان کے نادر۔ ۵۶۔ گرفتار بلا میں سلامت
 ۵۷۔ ملائیوں کے سرخیل۔ ۵۸۔ شیخ باوقار۔ ۵۹۔ شرف خواطر و بہار
 ۶۰۔ ممدوح اولیاء۔ ۶۱۔ قدوہ اہل رضا۔ ۶۲۔ شیخ المشائخ۔ ۶۳۔ امام
 الائمہ۔ ۶۴۔ بادشاہ اہل تصوف۔ ۶۵۔ بری از آفت تکلف
 ۶۶۔ پیشوائے سلف۔ ۶۷۔ یادگار صالحا۔ ۶۸۔ سہیل بدائع معرفت
 ۶۹۔ قطب محبت۔ ۷۰۔ وحید عصر۔ ۷۱۔ امام دہر۔ ۷۲۔ نادر زمانہ
 ۷۳۔ رفیع المنزلت۔ ۷۴۔ قدوہ اہل معاملت۔ ۷۵۔ تغیرات زمانہ
 سے محفوظ۔ ۷۶۔ باطن کے نور۔ ۷۷۔ دلوں کے سرور۔ ۷۸۔ مالک
 القلوب۔ ۷۹۔ حاجی العیوب۔ ۸۰۔ مشائخ کرام کے قرۃ العین
 ۸۱۔ شیخ باخطر۔ ۸۲۔ فانی از صفات بشر۔ ۸۳۔ شرف زیادامت
 ۸۴۔ مرگی اہل فقر و صفوت۔ ۸۵۔ سفینہ توکل و رضا۔ ۸۶۔ سالک
 طریق فنا۔ ۸۷۔ شاہ محققان۔ ۸۸۔ دل مریدان۔ ۸۹۔ شیخ اہل تسلیم
 ۹۰۔ در طریق محبت مستقیم۔ ۹۱۔ داعی مریداں۔ ۹۲۔ شیخ زمانہ
 ۹۳۔ وقت کے یگانہ۔ ۹۴۔ باسط علوم۔ ۹۵۔ واضع رسوم۔ ۹۶۔ شیخ ظرف

- ۹۷۔ قدوہ اہل صفا ۹۸۔ سرہنگ متوکلاں ۹۹۔ سردار مقبلان
 ۱۰۰۔ محرم سراپردہ تمکین ۱۰۱۔ اساس اہل یقین ۱۰۲۔ عالی حال
 ۱۰۳۔ لطیف کلام ۱۰۴۔ نرمی گفتار سے حکایت کنندہ اولیا
 ۱۰۵۔ شیخ محمود ۱۰۶۔ معدن جود ۱۰۷۔ زمانہ کے مالک ۱۰۸۔ خالی از
 تکلف و تصرف ۱۰۹۔ سیف سیادت ۱۱۰۔ آفتاب نجابت
 ۱۱۱۔ معبر احوال عارفان ۱۱۲۔ سالکان طریق حق ۱۱۳۔ اسرار کے اسرار
 ۱۱۴۔ طراز طریق ولایت ۱۱۵۔ جمال جمیع اہل ہدایت ۱۱۶۔ بیابان مریدان
 ۱۱۷۔ برہان محققان ۱۱۸۔ شرف اہل زمانہ ۱۱۹۔ در زمانہ خود یگانہ
 ۱۲۰۔ عبادت و بیان میں منفرد ۱۲۱۔ ملک الملوک صوفیاں ۱۲۲۔ زین
 اوتاد ۱۲۳۔ شیخ عباد ۱۲۴۔ امام وزین اسلام ۱۲۵۔ شیخ و امام اوحید
 ۱۲۶۔ در طریق خود منفرد ۱۲۷۔ قطب زمانہ ۱۲۸۔ در وقت یگانہ
 ۱۲۹۔ انیس اولیا ۱۳۰۔ تاریخ اصفیا ۱۳۱۔ مرد نیک سیرت ۱۳۲۔ ستودہ
 طریقت ۱۳۳۔ شیخ عارف ۱۳۴۔ ممدوح زمانہ ۱۳۵۔ خواجہ امام
 ۱۳۶۔ مقبول خاص و عام ۱۳۷۔ جانشین حرمت و وقار ۱۳۸۔ قدوہ
 منزلت میں رفیع۔

مندرجہ بالا صفات کو بار بار پڑھنے اور بغور مطالعہ کرنے سے واضع
 ہوتا ہے کہ یہ کمالین مقامات شریعت و طریقت صفوت رضا تسلیم
 کرامت تصوف ولایت معاملت معرفت محبت زید تقوی
 بلا و بلوی ہدایت و شرف بغیر صہاج و اوپر درج ہوئے ہیں۔ ان میں
 سے کسی ایک پر متمکن نہیں بلکہ یہ مومنین کمالین ان مقامات کے بادشاہ
 امام نادر قدوہ شیخ مزکی سفینہ مایہ سراج قرۃ العین
 سردار وغیر صہاج جیسے کہ اوپر سے ظاہر ہے ہوتے ہیں۔ یہ منصب گر
 ہوئے ہیں اور ان کا اپنا منصب کوئی نہیں ہوتا۔ منصب ان پر نازان

ہوتا ہے۔ اور یہ منصب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ چونکہ صفات الہیہ اپنے میں کوئی نام و مقام نہیں رکھتیں۔ اسی طرح یہ کاملین منظر صفات کے سبب اپنے میں کوئی نام و مقام نہیں رکھتے۔ ان میں صفات کی تابدار عقل و خرد اور قلب و نظر کو کچھ اس طرح سے شکار کر لیتی ہے۔ جس کا بیان میں احاطہ کرنا محال ہے۔ یہ کاملین کبھی کبھی اپنی گفتار سے اور کبھی کبھی اپنے اعمال سے عامۃ الناس پر اس کیفیت کا انکشاف بھی کر دیتے ہیں۔ دانا گنج بخش صاحب اس کتاب کشف المحجوب میں ایک کامل کا ذکر کرتے فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ایک مرید کے ساتھ بازار سے گزر رہا تھا کہ اہل بازار میں سے چند لوگوں نے اُن کو دیکھ کر انہیں گالیاں نکالنی شروع کر دیں۔ یہ کامل بزرگ خاموش و تحمل سے گالیاں سنتے رہے لیکن عقیدت مند مرید جو ساتھ تھا غصہ میں بھر آیا۔ اور اُن اہل بازار سے انتقام پر ٹل گیا۔ پیر کامل نے اسے منع فرمایا اور اپنے حجرہ میں لے گئے۔ اور ایک ضد و قبح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کھولنے کے لئے کہا۔ اس ضد و قبح میں مختلف اطراف و جوانب سے اس بزرگ کے نام مراسلات پڑے پائے جو کہ بڑے بڑے القابات سے شروع ہوتے تھے۔ مرید کی توجہ ان القابات کی طرف کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ دیکھ نہ تو میں یہ ہوں جو تم ان تحریروں میں پائے ہو اور نہ ہی میں وہ ہوں جو تم نے اہل بازار کی زبان سے سنا۔ ہم تکلف و تصرف سے خالی ہوتے ہیں اور نام و مقام کی الجھنوں سے آزاد رہے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے حال میں ایک مشہور روایت ہے کہ ایک دفعہ ان کا جہاز مال سے لدا ہوا سمندر کے کنارے تک پہنچنے سے پہلے غرق ہو گیا کسی نے آکر یہ خبر اُن کو سنائی جو اب میں فرمایا انجہ اللہ۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا شخص اس جہاز کے سلامت کنارے لگنے کی خبر لے کر آیا اور کہا کہ حضرت جہاز سمندر کی لہر کی مدد سے ڈوبا ہوا سلامت

کنارے لگ گیا ہے اور باداموں کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ آپ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا۔ الحمد للہ۔ واقعات دو نو ایک دوسرے کی ضد تھے لیکن جواب مساوی سے لازماً سننے والوں کو استفسار کرنا پڑا کہ قبلہ دو نو کا جواب ایک ہی کیسے ہوا تو فرمایا کہ غرق کی خبر سے جو دل پر نگاہ کی تو اسے مطمئن اور رجوع علی اللہ پایا۔ تو الحمد للہ کہا۔ اور حسب سلاستی کی خبر سنی تو پھر دل کی طرف نگاہ کی کہ کہیں خوشی میں یاد سے غافل تو نہیں ہو گیا۔ لیکن جب اسے اپنی پہلی حالت پر ہی رجوع دیکھا تو کہا الحمد للہ۔ چونکہ خود حامل ضدیں ہوتے ہیں اس لئے وقوع ضدین ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ خارق عادت افعال یا جس کو عام طور پر کرامت کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان مومنین کا ملین کی زندگیوں کا نمایاں پہلو ہوتا ہے۔ ان کی نشئت و برخواست۔ ان کے افعال و کردار۔ انکی گفتار ان کا سوتا جاگنا سب کرامات ہوتی ہیں۔ باوجود اسکے یہ ہستیاں ان کرامات کے ظہور سے گریز کرتی ہیں تاکہ نظام کائنات میں خلل نہ آئے۔ اجتماع ضدین ہونے کے سبب جب ان سے کوئی فعل سرزد ہوتا ہے تو عقل عام جس کے تحت یہ اجتماع محال ہے اس فعل کی تفہیم سے عاجز و قاصر رہ جاتی ہے اور اسے ناچار کرامت یا اعجاز کا نام دے کر اپنی تسلی کر لیتی ہے۔ تیر جہنہ کو نشان تک پہنچنے سے بیشتر ہی لوٹا دینا۔ غضب والی صفت کو بروئے کار لاتے ہوئے پانی میں آگ لگا کر اسے خشک کر دینا اور صفات رحیمہ کو خوشی میں لا کر حرارت کو برودت میں تبدیل کر دینا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا میں اڑنا تحت الشریٰ میں مدفون خزانوں کا پتہ کر لینا بنفیس نفیس کرۂ زمہریر سے گذر کر عجائبات شمس و قمر کا مشاہدہ کرنا و علی ہذا القیاس جس شے کو بھی کرامت کا نام دیا جاسکے یہ سب ان میں صفات کے ظہور کا ہی کرشمہ ہے۔ اور انہیں صفات

کے طفیل ان کو ہر ممکن پر قدرت ہوتی ہے۔ باوجودیکہ ان کو صفات کے اثرات سے آگاہی ہوتی ہے اور ہر ایک صفت کے لاتعداد نتائج سے واقف ہوتے ہیں جہاں تک کہ بارش کے قطرات گتے پر بھی قادر ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو بروئے کار نہیں لاتے اور جاننے کے باوجود ان کا اعلان نہیں کرتے۔ چونکہ ان کے سامنے مقصد حیات محض معرفت الہی ہوتا ہے اور کرامات وغیرہ صرف چراغِ راہ ہیں اور منزل کی نشانی نہیں کرنے میں کسی حد تک ساتھ بھی دیتی ہیں اس لئے ان کا اعلان ان کے اپنے لئے معرفت میں متعلق نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات ان کے لئے سخت مضر ثابت ہوتا ہے۔

ان کا ملین کا اپنا اختیار جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مسلوب ہوتا ہے۔ اسی لئے کشف و کرامات کو اختیار کے ماتحت لانا درست نہیں۔ زیادہ وضاحت کے پیش نظریوں سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کرامت کا ظہور کسی علت کے بغیر نہیں ہوتا اور علت شے سے ہی متعلق ہوتی ہے۔ اور ہر شے میں صفات الہی ہیں۔ ذرہ سے لے کر بڑی سے بڑی جسامت والی سے صفات کے لحاظ سے مساوی ہوتی ہیں۔ اس کی دلیل کو پھر ذہن نشین کر لیں۔ کوئی شے یا جگہ ذات سے خالی نہیں ذات اپنی صفات سے علیحدہ نہیں اس لئے ایک صفت دوسری سے جدا نہیں جہاں ایک صفت نظر آتی ہے وہاں تمام صفات پوشیدہ ہیں جو ذات سے علیحدہ نہیں اور نہ عین ذات ہیں۔ پس اس نظریہ کے ماتحت مٹی کی ڈلیا کا سونے کی ڈلیا میں منتقل ہونا اثرِ صفات الہی کے سامنے کچھ مشکل نہ ہوا۔ اصل۔ جنس۔ مواد۔ وجود۔ شکل۔ مشابہت میں سے کسی ذرہ بھر حصہ کا ہونا لازمی ہے۔ اس کی ماہیت کا بدلنا صفات کا کمال ہے۔ عدم وجود سے کسی کرامت کا وجود کو ذاتی طور پر ممکن ہو لیکن

صفاتی طور پر محال ہے۔ غیر مرعی صفات غیر مرعی صفات میں ہی تبدیل ہو سکتی ہیں جیسے رنج و غم کا خوشی میں۔ وغیرہ۔ یہ ذات تک ہی محدود ہے کہ جب کچھ نہ تھا اور وہ تھا تو عدم کو وجود بخشا۔ صفات میں یہ شے نہیں پائی جاتی کہ عدم سے وجود پیدا کرے۔ پہاڑ سے اونٹنی کا نکلتا۔ عصا کا اثر دہا بن جانا ایک ابریک (لوٹے) میں قلیل مقدار پانی سے نہریں جاری کر دینا یہ سب معجزات علت کے مقتضی ہیں و علی ہذا القیاس۔ صفات کی موجودگی لازمی طور پر ضدیں کی موجودگی ہوتی۔ ایک کاپنہاں ہونا دوسرے کا آشکار ہونا ہے۔ اور دوسرے کا آشکار ہونا اس کی ضد کاپنہاں ہونا ہے۔ تقابل کی صفات نے جو رنگ پکڑا ہوا ہے۔ لازماً مقابل شے وہی رنگ اختیار کرے گی چاہے وہ مٹی سے سونا ہو یا سونے سے مٹی۔ مومنین کا ملین ان چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے وہ صفات کے ہر رنگ میں دورہ کرتے رہتے ہیں اور بیک وقت۔ انہیں صفات کے نمایاں طور پر ان کو کبھی کبھی اُن کے ہم پلہ کا ملین ذات کا نقطہ بھی دے دیتے ہیں

— اولیا اللہ و اللہ اولیا

بیچ فرقے درمیان نبود روا

جس سے عامۃ الناس اپنی تفہیم نارسا کے پیش نظر مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں اور اٹھے پلٹے فتوے لگانے شروع کر دیتے ہیں۔

امام ابن جوزیؒ کے زمانہ میں فضیلت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بحث نے پورا زور پکڑا مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل کہتا تھا۔ دوسرا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کا دعویدار تھا۔ بظاہر ان متضاد نظریات کا منطبق ہونا محال معلوم ہوتا تھا اور نوبت بھی یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ دونوں گروہ اس کا فیصلہ تلوار سے ہی کریں۔ چنانچہ خلیفہ وقت نے ایک مجمع عام

جو دو نو گروہوں پر مشتمل تھا۔ طلب فرمایا۔ اور مناظرانہ رنگ دے کر اس گٹھی کو سلجھانا چاہا۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانہ میں کالمین میں سے تھے اور خود ضدی صفت کے حامل تھے اس جلسہ میں کھڑے ہو کر ایک فقرہ میں گروہ ضدیوں کو ایک دوسرے کے گلے ملا دیا اور اس سے بے معنی بحث کو اپنے وقت میں ہمیشہ کے لئے ختم کر گئے۔ فرمانے لگے صحابہ کرام میں سے افضل وہ ہے۔ ”الذی بنتہ من یلتہ“۔ جس کی بیٹی جس کے گھر میں دونوں گروہوں نے ان الفاظ کے معنی اپنی اپنی صفات کے مطابق پائے۔ ضدیوں کا علاج ضد سے ہو گیا۔ مشاہدہ اس کا بھی گواہ ہے کہ یہ خارق عادت۔ ارحاص اعجاز۔ کرامت کے نام لیتی ہوئی جب کسی غیر مومن سے سرزد ہوتی ہے تو صرف اپنا نام ہی تبدیل کرتی ہے۔ حقیقت اور اصلیت میں کوئی فرق نہیں آتا استدراج نام پانے کی وجہ سے گو اس کے استعمال اور عمل پر مختلف قسم کے فتوے لگ سکتے ہیں لیکن اس کے واقع ہونے میں کسی قسم کی شک گنجائش نہیں۔ پانی کا دودھ بن جانا یا شراب کا شہد میں بدل دینا اگر ایک مومن کامل سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے تو یہی افعال ایک غیر مومن سے بھی ظہور پذیر ہونے مطالعہ میں آچکے ہیں۔ انہیں مومنین کالمین نے آخر الذکر کو استعمال کے لئے ناجائز اور حرام ٹھہرایا ہے لیکن اس کے باعث میں شاید سکوت برتا ہے۔ اور اس کو ”ممکن“ کے درجہ سے آگے نہیں رکھا۔ اللہ آپ کو توفیق عطا فرمائے اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ خوارق عادت (جو چاہیں ان کا نام رکھ لیں) کسی طرح سے بھی ایمان اور شرعی عقل کا معیار نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی کسی انسان کی شخصیت کو ان پر عبور سے معرفت الہیہ میں کوئی درجہ دیا جاسکتا ہے۔ جب بات یہ ٹھہری تو بلا تامل ان غیر مومنین کی جماعت کے استدراجی افعال کو بھی صفات کے پر تو کا ہی کرشمہ ماننا پڑے گا۔ صفات ہر آن ہر مقام پر جلوہ گر ہیں۔ اور کسی شے میں کسی ایک صفت کا جلوہ متقابل

۵۱
صفت کو جو ابھی شے میں مضمر ہے آشکارا کر سکتا ہے جیسے کہ پہلے آئینہ والی
مثال میں بیان ہو چکا ہے۔

علم السحر یا جادو بھی آخر انہیں صفات کے اختلاط سے ہی موثر ہوتا ہے۔
کلمات بھی اپنے اندر علیحدہ صفات رکھتے ہیں ان کی ادائیگی ایک
جداگانہ صفات کی حامل ہے اوقات ادائیگی بھی ایک علیحدہ صفات روپنا
کرتے ہیں۔ اسی طرح کلمات کا ایک شے یا ایک سے زائد اشیاء پر جو خود اپنے
میں گوناگوں صفات رکھتی ہیں مختص طریقہ سے پڑھنا بھی ظہور صفات سے خالی
نہیں۔ صفات کے آپس میں چکرانے اور ٹکرا نے سے خارق سنت افعال کو
ہی۔ سحر۔ جادو۔ استدراج۔ کرامت۔ اعجاز۔ ارحاص وغیرہ کے نام دئے
جاتے ہیں۔ امتیاز کے طور پر فقط اس قدر کہنے پر قناعت کرتے ہیں کہ
ساحر اپنے سیکھے ہوئے طرق کو بروئے کار لائے غیر مومنین نے کسی ایک یا
چند مختص صفات کو اپنے اپنے مجاہدہ اور ریاضت سے جلا دی۔ اور
مومنین کا ملین میں یہ خارق عادت افعال غیر شعوری طور پر ثبات
استقامت کی برکت سے یا یوں کہتے کہ اتباع سنت سید الانام علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے طفیل روشن ضمیری کی معرفت سرزد ہوئے۔ فقط ان کی ارواح
قدسیہ صفات سے منور ہوتی ہیں اور لوح محفوظ کے نقوش ان میں منعکس ہو
جاتے ہیں جس سے مخیبات پر اطلاع اور عالم سفلی میں تصرف ان کا ادا
کمال ہوتا ہے۔ اسلام۔ سنت یا استقامت سے ان افعال کا واسطہ
الگ ہو گیا اس لئے کہ ان کا صدور اوروں میں بھی پایا گیا۔ اور مومنین
کا ملین کا معیار بجائے کرامت کے استقامت ٹھہرا۔ جس کے ثبوت کے
لئے توفیق اینر دی سے ذیل میں درج سطور ملاحظہ فرمائیں و ما توفیقی الا اللہ
اولی الامر حضرات اور اکابر صوفیہ کا کلام بلا خلاف متفق ہے کہ کمال
ایقان ایمانی کے ساتھ شرع و سنت پر استقامت اصل میں معیار ہے اور

کشف و کرامات یہاں کوئی چیز نہیں۔ سابقین و لاحقین حق کو شیخ عارف
حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی لکھا ہے کہ ”کشوف راجحوی نمی خرنند“
صحابہ رضی اللہ عنہم اس مرتبہ پر تھے وہاں کچھ کشف و کرامات کی تلاش نہ تھی
بلکہ زرق حلال کی تلاش کے ساتھ اتباع سنت اُن کا شعار تھا۔ اسی کے
بیش نظر اقم الحروف استقامت کو لیتا ہے ویا اللہ التوفیق

استقامت

استقامت یہ ہے کہ صفاتِ ادا و صفاتِ تواہبی پر مستقیم رہے راہِ حق
سے نہ پھرے۔ جب تک منزل و صل کو نہ پہنچے۔ جبر جانی نے کہا طالبِ کرامت
نہ ہو طالبِ استقامت ہو۔ استقامت فوق کرامت ہے۔ یہ مقام انہیں
مومنین کا ملین کو حاصل ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے امام
ہیں۔ یہ فضلِ حق ہے جس کو چاہے اس زورق پر بٹھا کر اسے پار کر دے۔ تمام
سچ و مجاہدہ بے فائدہ اور بے سود اگر حق تعالیٰ نے اسے یہ مقام نہیں دیا۔
ابو علی و قاق نے کہا ہے کہ استقامت وہ ہے کہ سر اپنے کو ماسوائے اللہ
سے محفوظ رکھے۔ نہ خطرہ ماسوا دل میں سمائے اور نہ خیال غیر سر میں آئے جس کی
صفات ہیں بس اس کا ہی دھیان ہو یہی استقامت ہے افعال اقوال اور
اخلاق سب صفاتِ الہیہ کے طفیلی ہیں ان کا راہ متوسط پر رہنا اور افراط و
تفریط۔ غلو اور تقصیر کی آمیزشوں سے علیحدہ رہنا یہی استقامت ہے۔ انہیں
مومنین کا ملین نے دین اسلام کو استقامت کا نام دیا اور سنتِ سید الانام
علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ثابت قدمی کو بھی استقامت ہی کہا ہے حضرت
امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ”ثبتنا علی الصراط المستقیم“
ثابت رکھ ہمیں راہِ راست پر۔ یعنی جو صفات عرفان کی ہیں عبادت کی ہیں

احسان کی ہیں اور طاعت کی ہیں اللہ عزوجل کی توفیق سے ان مومنین کا ملیں
میں پائی جاتی ہیں اور یہ دنیا میں نزع میں اور آخرت میں بھی انہیں صفات
کے طفیل برگزیدہ اور راہ راست پر رہتے ہیں۔

اقسام صفات

۱۔ صفات الہامیہ - ۲۔ صفات احساسیہ - ۳۔ صفات عقلیہ - ۴۔ صفات
نظریہ - ۵۔ صفات شہویہ - ۶۔ صفات غضبیہ - ۷۔ صفات رحمیہ
کرمیہ اور حکمیہ -

صفت ہر آل موصوف سے وابستہ ہے۔ قرب و بعد کا اعتبار نہیں
جنت کی خوشبو فقرائے امر کی نسبت پچاس برس کی مسافت سے پیشتر سونگھے
گے۔ خوشبو کا تعلق ہر حال جنت سے وابستہ ہے۔ اس طرح صفات باری
تعالیٰ اس ورا الورا کی نشاندہی ضرور کراتی ہیں۔ اگرچہ یہ ورا الورا بھی اس
کی ایک صفت ہے۔ اور وہ اس سے بھی آگے۔ نشان کا بتانا۔ یا نشان پر
چلانا یہ صفت کی خوبی ہے۔ اس چلانے اور بتانے کو ہی لفظ ہدایت سے
پکارا جاتا ہے۔ یہی ہدایت اس مطلب و مقصد اعلیٰ کی نشاندہی کراتی
ہے۔ رسائی مقصد کے کئی ایک طریقے ہیں۔ سب سے افضل طریقہ صفات
الہامیہ سے ہے۔ جو ان کا ملین میں موجود ہے۔ اس کی مثال بچہ میں اپنی ماں
کے پستانوں کو بے تاقل اور بے تلمذ چوسنا ہے اور جو ان آدمی میں تلاش و
احساس زوج اور کبرستی میں اعضا کا مضحل ہونا ہے۔ بھوک کی شکایت کی
جہت سے گریہ کا ہونا کسی دنیاوی مکتب کی کرامت نہیں بلکہ خروج شکم
مادر سے ہی طفل یہ تعلیم پا کر آتا ہے۔ صفت احساس کا تعلق جو اس ظاہرہ
و باطنہ دونوں سے ہے اس سے اچھی بُری چیزوں کی پہچان ہوتی ہے۔ اس

صفت کا ظہور حسیات (Sensations) سے ہی وابستہ ہے۔ اور جہاں اس صفت کی رسائی نہیں یا یوں سمجھئے جہاں احساس مفقود ہوئے۔ وہاں کے دریافت کرنے کو صفت عقل کا رفرما ہوتی ہے جس کا ذکر اس کتاب کے پہلے اوراق میں گذر چکا ہے۔ اور جہاں عقل نہیں پہنچتی وہاں معلوم کرنے کو صفات نظریہ کام میں آتی ہیں تاکہ ان صفات سے نتیجہ برائے اور جن اشیاء میں نظر عقل کی گنجائش نہیں اور جن کا حسن و قبح قوت عقلیہ سے مد رک نہیں ہوتا یا اس کے سمجھنے میں وہم و خیال معارضہ کرتے ہیں اُن کے دریافت کرنے کو حقیقت میں ان کا ملین کا وجود ہے۔ کہ ان اکابر کے واسطہ سے مقصد زندگی برائے اور جمیع صفات کو اپنے میں سمیٹے ہوئے راہ خیر و شر کی واضح کریں۔ اور ما جاء به الرسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تبیان (شریعت) اور توفیقی (طریقیت و معرفت) طور پر عامۃ الناس تک پہنچائیں۔ کیونکہ انہیں کا ملین پر حقائق علی ماہی علیہ کا انکشاف ہوتا ہے جن کی مجملاتین طرحیں ہیں۔ ۱۔ من اللہ۔ مثال۔ قُلْ اِنَّ هَدٰی اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰی۔ ۲۔ اِلٰی اللّٰهِ۔ مثال۔ اِنِّیْ ذٰھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سِیِّدِیْنَ۔ اور ۳۔ بِاللّٰهِ۔ مثال۔ لَوْ لَا هَدٰی اَنَا اللّٰهُ مَا اَهْدٰی نَا (حدیث) اور یہی آخری درجہ آیت اهدنا الصراط المستقیم میں مطلوب ہے۔ اور یہی بامدار کا ملین عامۃ الناس پر واقع ہوتی ہے حالاً فحالاً و مقاماً بعد مقامہ چونکہ ان کا ملین نے صراط مستقیم اختیار کیا ہوتا ہے اور مستقیم اختیار تو وسط ہے درمیان افراط و تفریط کے اس لئے مناسب سمجھا کہ کچھ بیان افراط و تفریط کا بھی ہو جائے۔

افراط و تفریط

عبارت میں لفظ افراط اس معنی میں آتا ہے کہ جہاں صفات الہیہ سے کسی صفت کا ظہور دیکھے تو اُس کی بے اختیار پرستش کرنے لگے جیسے اہل منہود کا طریقہ ہے۔ اور تفریط یہ ہے کہ کسی وقت بھی مشاغل دنیا اور مطلب دنیا سے فارغ ہو کہ عالم غیب کی طرف متوجہ نہ ہو جیسے انگریز اور ملاحدہ یہ بھی افراط ہے کہ ہر چیز کو وہم میں سبب (Cause) ٹھہرا کر اس سے درخواست کرنے لگے اور اپنی مطلوبہ حاجات میں اس کی طرف رجوع کرے۔ ستاروں کی تاثیریں دنوں کی سعادتیں اور نحوشتیں اور معدنیات۔ نباتات اور حیوانات کے خواص کو ملحوظ رکھ کر ان کی رعایت کرتا رہے۔ اپنی عورت۔ اپنی اولاد۔ اپنے ماتحتوں گھوڑوں۔ حویلیوں۔ تلواروں اور ان کے سوا اور اشیاء میں شوم و یمن کا خیال رکھے اور زندگی کے اوقات اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگ کر لے اور سوداگیوں کی طرح ہر چیز سے ڈرے اور ہر چیز سے توقع نفع اور انتفاع عظیم کی رکھے۔ اور اس نظریہ کے پیش نظر کہ آخر یہ صفات غیر ذات نہیں صفات تک ہی محدود رہے۔

تفریط یہ ہے کہ معتبر اسباب جیسے دوا و غذا اور پہرہ اور صحبت نیکوں کی اور بدوں کی اور دعا و التجا جناب باری کو سرے سے ہی ساقط الاعتبار جانے اور اس نظریہ کے پیش نظر کہ آخر یہ صفات عین ذات تو نہیں صفات کو گنتی میں ہی نہ لانے۔ اور اپنے تنزیہ کے واسطے ان کی مطلق نفی کرے الحاصل اثبات و نفی صفات دونوں خطرہ سے خالی نہیں۔ افعال الہی کو مانند افعال اپنے کے کسی عرض پر حمل کرنا۔ یا فعل کی نسبت کسی بندے کی طرف کرنا۔ یا بندے کو مثل حماد بے دخل اعتقاد کرنا۔ انسان کا چارہ ان میں سے کسی ایک میں نہیں۔ افراط و تفریط یہ بھی ہے کہ ان کا ملین و ایمہ دین کو اپنی مثل اغراض دنیوی میں بھنسا

ہو جانے اور مغلوب حاجات نفسانیہ سمجھے۔ یا ان کو لازم الوہیت کے یا قدرت اوپر تمام مقدرات کے ہی ثابت کرے اور ان کو معبود بنائے اور رزق و فرزند۔ خدمت منصب ادا کرنے بالاستقلال چاہے اور علی الاطلاق مانے۔ اور ان کی شفاعت جناب الہی میں واجب القبول سمجھے۔

افراط و تفریط یہ بھی ہے۔ کہ ایمان کو اس درجہ ساقط الاعتبار کرے کہ ہر گناہ کی تاثیر سے ایمان کا زوال لازم جانے۔ اور ایمان دار گہنگاروں کو کافروں کی مثل مخلص فی النار جانے یا اعمال نیک و بد کی تاثیر ذاتی آخرت میں ثابت کرے کہ ذات باری تعالیٰ بے اختیار تابع اعمال بندہ ہے عفو گناہ اور ناقبول طاعت اس سے ممکن نہیں۔

۴۔ افراط و تفریط صفات شہویہ صفات شہویہ کا مبداء و منبع منافع کا حاصل کرنا اور مرغوبات کی خواہش ہے۔ اس کی افراط فحور ہے اور اس کی تفریط بہر اس چیز سے سکون ہے جس کو عقل و شرع ترغیب دیں مثل نکاح حلال اور طعام لذیذ بغیر شبہ کے۔ اور مرتبہ وسط اس کا عفت ہے یعنی شہوت کو حکم عقل اور شرع کے تابع کرنا۔ اور اس وسط سے اخلاق محمودہ جو متولد ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل ہیں۔ ۱۔ حیا۔ ۲۔ صبر۔ ۳۔ قناعت۔ ۴۔ تورع۔ ۵۔ جوانمردی۔ ۶۔ سخاوت۔ ۷۔ ایثار۔ ۸۔ کرم۔ ۹۔ عفو۔ ۱۰۔ سروت اور معاملات میں مساہلہ۔

۵۔ افراط و تفریط صفات غضبیہ۔

ہر خطر چیز کا اقدام کرنا اس کا مبداء و منبع ہے اور یہ صفت ہمیشہ تقاضہ کرتی ہے کہ تسلط و ترفع ہمارے ہے اور مضرت غیر اپنی ذات سے اور اپنے متعلقین سے ہمیشہ دفع رہے۔ اس کی افراط جرأت کرنی وہاں جہاں نہ چاہیے۔ اور تفریط اس کی ڈرنا جس سے نہ ڈرا چاہیے۔ اور توسط اسکی شجاعت ہے جس سے آگے بہت سے اخلاق محمودہ پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ مثل علو ہمت - ۲۔ استقلال - ۳۔ حلم - ۴۔ تحمل اور حمیت اور سوا اس کے -

۶۔ انسان حیوان ناطق ہے اور صفت لطفیہ سے بھی سرفراز کیا گیا ہے اس کی افراط کو و ہرنیزہ (یا وہ گوئی) اور اس کی تفریط کو عبادت (کنندہی) کہتے ہیں۔ اس قوت کے اوسط کو حکمت کہتے ہیں جس کے ماتحت - ۱۔ ذکا - ۲۔ سرعت فہم - ۳۔ صفائے ذہن - ۴۔ آسانی سے تعلیم کرنا - ۵۔ حسن تحفظ - ۶۔ تذکر اور - ۷۔ تعقل جیسی صفات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا صفات جن کا خاکہ مختصر ادرج کر دیا ہے اگر ان سب کا توسط ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے تو جو حاصل ہوگا اسے عدالت کہیں گے۔ جس کے - تابع - ۱۔ دوستی - ۲۔ الفت - ۳۔ وفا اور - ۴۔ شفقت اور - ۵۔ مکافات احسان اور - ۶۔ پاس علیہا - ۷۔ اور حسن صحبت - ۸۔ اور مشارکت - ۹۔ اور توکل اور - ۱۰۔ ایفائے حق معبود مطلق اور - ۱۱۔ حق ملائکہ اور - ۱۲۔ پیغمبران اور - ۱۳۔ اولوالامر اور انقیاد و امر - ۱۴۔ و نواہی شرعی جیسی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہاں ایک لطیف نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ صفت لطفیہ ذاتی ہے جو کہ روح کو بدن کے تعلق سے پہلے ہی حاصل تھی بخلاف صفات شہویہ اور غضبیہ کے کہ بواسطہ تعلق بدن حاصل ہوتیں۔ پس کمال توسط صفت لطفیہ میں یہ ہے کہ اس کا یہاں تک بھی ہو سکے استعمال کرے کہ زیادہ اس سے ممکن نہیں۔ اور کمال توسط صفت شہویہ اور غضبیہ کا یہ ہے کہ اس کا بقدر ضرورت استعمال کرے بحدیکہ کتر اس سے ممکن نہیں۔ پس طریق توسط دریافت کہ زابغیر یافت ان کا ملین کے دشوار ہے اور یہی گروہ صراط مستقیم پر ہے۔ یہ صفات کے مجبوسے ذات کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ماسواہی صفات سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ اور یہاں تک تابع فرمان الہی ہیں کہ اگر اشاد ہو کہ پس رذیح کر تو کر ڈالے۔ اگر فرمان ہو کہ جال اپنی

نثار کر تو بشارت تمام سے قبول کرے اور اگر حکم ہو کہ اپنے آپ کو دریائے
ذخا میں ڈال تو ڈال دے۔ اور اگر بعد عطائے مرتبہ اعلیٰ کے فرمان ہو کہ
شاگردوں کی طرح ایک بھول الحال کے پاس جا کر بعض باتیں سیکھ تو تنگ
و غار نہ رکھے حکم بجالائے۔

ضیائے کلمتہ اللہ کے لئے اگر میدان کرب و بلا میں کو دنا پڑے اور خون
دے کر دین اسلام کے پودوں کی آبپاشی کرنی پڑے تو دریغ سے گزر جائے

صفت رحیمیکہ

دراز و تابدار گیسو کی طرح اس حسن لم یزل کا یہ گیسو بھی بے شمار طرحیں اور
ادائیں رکھتا ہے حالانکہ حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل کے
پاس سورحمت ہیں جن میں سے صرف ایک تمام کائنات پر بھی گئی ہے۔
دیگر صفات کی طرح یہ صفت بھی اپنے اندر افراط و تفریط اور توسط رکھتی
ہے۔ اس کی افراط نبوت و وحی اور ہدایت ہے اور تفریط بہائم کا اپنے
بچوں پر شفقت کرنا اور اس کا توسط قرار اشیا کے کائنات ہے۔ ہر سہ
واقی ہیں اور ماسوائی ان تینوں کے صفاتی رحمت ہے۔ یعنی بخشنا اس
چیز کا جو لائق ہر موجود کے ہے اور اس سے فضل اوروں پر حاصل ہو۔
مثال کے طور پر خورشید کو روشنی تابیدن۔ اشجار کو سایہ و ثمر۔ اور یہ
صفاتی رحمت دو قسم کی ہے عام اور خاص۔ عام جو اوپر والی مثال میں بیان
ہوئی۔ اور خاص میں طاعات و عبادات شامل ہیں اور ایسے علوم بھی
جن کا خاص افراد کو نفع پہنچے جیسے علم طب و علم نباتات وغیرہ یہ رحمت خاص
ان مومنین کا ملین کا نصیب ہے اور اس منظوف کا طرف جمیع عبادات
جن کو کائنات نہایت جنت بھی کہا جاتا ہے ہوتا ہے۔ حالانکہ اصل کلید

جنت ہی منظروف (رحمت) ہے۔ اور اعمال کی دخول جنت کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھی۔ وضاحت کے پیش نظر شریعت و بوتل کی مثال ہی لے لیجئے۔ شریعت نوش فرمانے کے بعد اگر ایک آدمی یہ کہہ دے کہ اس بوتل نے میری پیاس بجھائی تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اعمال کو حیثیت دی جاتی ہے کہ دخول جنت کا باعث و سبب کہلائیں گو علت رحمت ہی ہوگی۔ بارہا یہ رحمت کسی کی جملہ ریاضات اور عبادات کو ایک نظر بھی نہیں دیکھتی اور کبھی یہ رحمت کسی کی ایک معمولی سی ادا میں سما جاتی ہے۔ اور اس کی نجات کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اور صفات کی طرح یہ صفت بھی اضداد میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر ایک کیفیت بادی النظر میں غیر ضروری اور غیر نافع معلوم ہو تو تجربہ شاہد ہے کہ یہی غیر ضروری اور غیر نافع بعد میں اس کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہے۔ امراض و بلا جو ظاہری طور پر رحمت کا لبادہ تیار رہے ہوئے نظر آتی ہیں۔ کسی ایک کے لئے گناہوں سے توبہ کا پیش خمیہ بن جاتی ہیں۔ اور کبھی بارش جس کو عام طور پر رحمت کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے بعضوں کے لئے تباہی و بربادی لاتی ہے۔ یہی رحمت ایک رنگ میں اس کے لئے رحمت ہے اور پھر یہی رحمت اول الذکر مثال کے پیش نظر پھر رحمت بن کر انسان کو کھڑا کر دیتی ہے۔ اہل قلم اس کو ”رحمت اضافی“ کے نام سے یکارہتے ہیں۔ شے غیر نافع ہو یا غیر ضروری ہر حال میں رحمت ٹھہری لیکن بنی نوع انسان کو اپنے چکر کے ساتھ ایک ایسا چکر دے گئی کہ ”الحمد للہ رب العالمین فی کل حال“ کے سوا کوئی چارہ نہ چھوڑا بعینہ اللہ عزوجل کی حکمت اور ان کا کرم اتنی وسیع صفات ہیں کہ کائنات کی ہر شے کو محیط کئے ہوئے ہیں۔ شے چاہے کسی لباس میں ہو۔ کوئی رنگ اختیار کئے ہو۔ نہ رحمت سے نہ حکمت اور نہ اس کے کرم سے خالی ہے۔ اور یہ

صفات کچھ اس انداز سے ان مومنین کا ملین میں گھر کئے ہوئے ہیں کہ یہ مقدس
 جماعت ایک لمحہ کے لئے بھی شکایت کا زباں سے تو درکنار دماغ میں
 خیال تک بھی نہیں لاتے۔ اس نعمت کو کلام پاک نے خیر کثیر کا دوسرا لفظ دیا
 ہے۔ من یوت الحکمۃ فقد اوجت خیراً
 کثیراً۔ پس جب فقہان شکوہ ہو تو لا محالہ موافقت نے جگہ پکڑ لی
 اور جب موافقت اور ساز گاری آگئی تو تمام حجابات ایک ہی ساز
 کے پردے ہو گئے۔ اور وصل و فصل کی تمیز بھی اٹھ گئی۔ این و آن
 کے پردے اپنا مقام لے گئے۔ صفاتی ظہور نے کہاں سے کہاں تک نہ
 پہنچایا۔ لیکن ضد کا تازیانہ ہر آن ہر صفت کے ساتھ وابستہ رہا ان کا ملین
 نے بلند یوں میں اپنے آپ کو نیچا پایا۔ از خود رفعت مقامات پر بھی عبودیت
 کا دم بھرا۔ اتہا ہائے فنا میں بھی ان کا ملین کی صفت انانیت کو جدا نہ پایا
 اور ضمیر متکبر کو اپنے اقوال میں قائم رکھا۔ اپنی نسبت نیک گماں رکھنے
 والوں کے لئے بدگمانی ظاہر کی اور سارا نیک گماں بیک وقت دھوکہ کر رکھ
 دیا۔ اور ایسے ہی اس کے برعکس۔ اہل جہاں کی موافقت و مخالفت
 متوازی رکھی۔ لاچارگی اور بے بسی کی حالت میں بھی تصرف و اختیار
 اتنا پایا کہ دنیا والے اب تک اور خبر نہیں کب تک ان کا ملین کی نسبت
 نیک نامی و بدگمانی کے فتوے صادر کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے جیسا
 کسی نے گمان باندھا ان حضرات کو ویسا پایا۔ یہ رضا کے بندے۔ صفات کے مجموعے
 بناوٹوں اور لگاؤٹوں سے علیحدہ رکھنے والی صفت کے بھی حامل ہوتے ہیں۔
 وہ ہیں کیا مگر وہ ہیں کیا نہیں، کے مصداق ٹھہرے۔ اہل قلم و علم کتاب و دل کی تفسیریں لکھ
 سکتے ہیں۔ خواب جوانی کی تفسیریں بتا سکتے ہیں۔ خوشحال لوگوں کی جاودانی مسرت اور
 مظلوموں کی فریاد رسی کے نقشے کھینچ سکتے ہیں۔ باغ و بہار۔ گل و بلبل۔ صنم کدے
 ویر و حرم۔ علوم و فنون۔ امور سلطنت و بادشاہی یا جو کچھ کہ بیان کے دائرہ میں

آجہائے بیان ہو سکتا ہے لیکن ان کا طین کی شناخت سوائے انہی کا طین کے کوئی دوسرا
ہستی کرنے یا کرانے سے عاجز ہے۔ عامۃ الناس کو ان کے متعلق جو وصول ہوا تضاد
سے خالی نہیں۔ اور تضاد ہی صفات کا خاصہ ہے بلکہ ایک صفت ہی اپنے اندر
ہزاروں ضدیں پنہاں کئے ہوئے ہے۔ اور ہر صفت میں معنی اذ الجاوز
شئ حذو العکس ضد لا ظہور میں آتے
ہیں۔ جس صفت نے بھی صیغہ مبالغہ اختیار کیا البتہ ضد سے بدل گئی۔ سیاہی چمک
دار نے لگی اور روشنی بنیاتی ایک لے گئی حضرت قاسم النوار زیر تفسیر ان کے کان
خلو ما جھولا فرماتے ہیں کہ ظلم اور چہل ضد عدل اور علم ہے۔ اور کلام پاک میں صرف
و نحو کے اعتبار سے ظلم اور چہل دو نو صیغے مبالغہ کے استعمال ہوئے ہیں اس لئے
اپنے اندر عدل اور علم کے معنی رکھتے ہیں انسان چہل ہے یعنی عالم کیونکہ نہایت علم
بالشر اقرار کرنا ساتھ چہل کے ہے۔ اسلوب کلام نے ان الفاظ میں ایسی ناز کی باندھی
کہ مدح کو مذمت کا چکر دے کر پیش کیا۔ اور اس کا کل کو کچھ ایسا الجھایا کہ اس کا سلجھانا
قیامت تک کے لئے ناز وار کھا۔ ایسی ادائیں کلام اللہ عزوجل میں کثیر التعداد ہیں
جن کا اپنے محل میں ذکر کیا جائے گا انشاء اللہ۔ صفت کو ابتدا سے نہایت یا غایت
یا تجاوز عن الحد تک کے سفر میں گوناگوں اور بوقلموں اثرات چھوڑنے ہوتے ہیں
اور اس دائرہ یا چکر کی تیزی نظر و خیال کی تیزی کی طرح ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی
زائد روشن۔ صدور فتوے کا بحر بھی اسی سبب سے ہے۔ نہ کہیں صفت تدرار
پکڑے اور نہ کسی فتویٰ کی منت کش ہو۔ عام مشہور ہے کہ آج کل فتوے فروخت
ہوتے ہیں۔ ان کی اصل بھی یہی گھٹی ہے۔

ایک صفت شیریں۔ (عذب۔ مٹھاس۔) کو ہی لے لیجئے۔ اللہ جانے
اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور یہ کس لٹ کا بال ہے۔ بادی النظر میں ہمارے
سامنے نیشکر (گٹا) جب آتا ہے۔ تو مٹھاس کا تصور بھی ساتھ لاتا ہے جو اس
میں پوشیدہ ہے۔ اس کے چوسنے سے بیکر اس کے انتہائی مکمل تک جب کہ یہ بیک

مصری کے کوزے کی صورت پکڑتا ہے درمیان میں کئی طرح کی شیرنیاں لاتا ہے۔
 رس۔ قند۔ راب۔ گڑ۔ شکر۔ چینی باوجود ایک اصل (شیرین) کے مختلف اثرات
 پیدا کرتی ہیں۔ اس کے چوسنے سے جو طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔ اس کی رس (ویسے
 پینے سے) علیحدہ اثر رکھتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جو نہی صفت نے لباس
 اتارا تو معاً کسی دیگر صفت کے ساتھ ملی۔ یہ دونوں صفت ضرب کھاتی بیک وقت
 ہزاروں صفت سے ایسی گھل مل جاتی ہیں کہ عقل ان کے تجزیہ سے ناکام رہ جاتی ہے
 صفات کی آمیزش صفتِ اصلہ کے مزاج کی تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ اور جو ہر
 عقل کو کوسوں پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

مومنین کا ملین کے بیان میں لفظ استقامت سے اگر ایک گونہ کامیابی
 ہوئی اور یہ نظریہ قائم کیا کہ روشِ طریقت میں کوئی درجہ عالی تر استقامت سے
 نہیں اور بقول محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہ ہونے اس کے سے سب نیکیاں نیک
 ہوں اور نہ ہونے اس کے سے بدیاں سب ہوں استقامت ہے۔ باوجود
 اس امر کے بھی کہ استقامت کو افراط و تفریط کا وسط بھی ثابت کیا لیکن پھر بھی
 کسی ایک ٹھوس دائرہ میں پناہ نہ ملی۔ اوسط۔ وسط۔ توسط۔ مستقیم استقامت
 یا ان کے ہم معنی جو الفاظ بھی ہیں سب کے سب جب صفت کی لپیٹ میں
 آئے تو اس کی تیزی نے استقامت کے ایک سے زائد معانی نکالے۔ اور ہر
 مرد کامل کے لئے یہ استقامت اس کے اپنے مرتبہ کے مطابق رہنا ہوئی۔
 نمونہ کے طور پر اہم الحروف متقدمین میں سے چوٹی کی پانچ شخصیتوں کا نظریات
 آپ کے سامنے رکھتا ہے۔ اسی سے باقی کا ملین کے نظریات کا اندازہ کر لیں۔
 جوں جوں درد کی دوا ملتی رہے گی درد اور لا دوا ہوتا جائے گا۔

۱۔ حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں استقامت یہ
 ہے کہ ”شُرک نہ کرے“ چونکہ آپ ارباب مشاہدہ کے بادشاہ ہیں اور محبت
 میں آیسے گم ہیں کہ سولہ ”صورتِ امر“ کچھ دیکھتے ہی نہیں اس لئے آپ کا

وسط نفی شرک ٹھہرا۔

۱۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ امر و نہی پر قائم رہے اور وہ باز نہ کرے۔ چونکہ آپ ارباب مجاہدہ کی حجت ہیں۔ آپ کا وسط مجاہدہ ٹھہرا۔

۱۳۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت خالص اور پاکیزہ عمل ہیں۔ چونکہ آپ محزن الحیا ہیں اس لئے پارسائی اور طہارت کو وسط ٹھہرایا۔

۱۴۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ فرائض ادا کرے چونکہ طریقت میں آپ کی شان اعلیٰ اور درجہ رفیع ہے اس لئے فرائض اور اصول کو وسط ٹھہرایا۔

۱۵۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ بندہ طاعت گزار رہے اور گناہ سے بچے۔ چونکہ آپ امام عصر ہیں۔ اور علم سلوک میں آپ کے لطیف ارشادات ہیں۔ اور زہد و تقویٰ میں کمال حاصل ہے۔ اس لئے بندگی مولا اور تقویٰ کو وسط ٹھہرایا۔

غرضیکہ لفظ استقامت کو بھی استقامت نہ ملی۔ اللہ عزوجل کی راہ میں ایک کم از کم اوقات دینے والا بھی اُسی قدر زہد کو استقامت سمجھتا ہے۔ یہ گروہ مومنین کا ملین آپس میں بھی چند مخصوص صفات کی بنا پر ایک دوسرے سے افضلیت اور شرف رکھتے ہیں۔ مقتدین حضرات نے ان کو چار جماعتوں میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ اہل معاملات۔ یہ صاحب امر اپنے میں کراہات اور نشانیاں جیسے مٹی سے سونا کرنا یا ایک آن واحد میں دور و دراز کا سفر طے کرنا و عا قبول کرنا وغیرہ امور رکھتے ہیں۔

۲۔ اہل درجات۔ پہلے گروہ کی نسبت اشرف ہیں ان میں زہد بہ نسبت دیگر

یعنی سوائے اللہ عزوجل سے سب سے تقویٰ کرنا۔ صبر۔ شکر۔ توکل۔ صفا
تسلیم۔ تقویٰ۔ تقویٰ۔ صدق۔ اخلاص۔ احسان۔ استقامت۔ طہانیت
وغیرہ امور پائے جاتے ہیں۔

۳۔ اہل حالات۔ یہ پہلے دو لوگوں سے افضل شمار ہوتے ہیں۔
ان کے امور حسب ذیل ہیں۔ وجد۔ بخوی۔ مراقبہ۔ حیا۔ خوف۔ رجا۔ محبت
شوق۔ عشق۔ سکر۔ محو۔

۴۔ اہل معائنہ۔ یہ گروہ اولی الامر فوق پر ہیں ان میں کشف۔ مشاہدہ
معرفت توحید۔ تفرید۔ فنا۔ بقا وغیرہ امور پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی
فراست سے تمام دلوں کے مالک ہوتے ہیں اور ہر شخص کے دل کو اس کی حقیقت
کی قدر و اندازہ پر جان لیتے ہیں۔

راقم الحروف کی نظر سے ایک چھوٹا سا رسالہ بنام ”آب حیات“ ایک صاحب
امیر حضرت پیر عمر بخش نوشاہیؒ کا لکھا ہوا گذرا اس کے آخری صفحہ پر سلیس فارسی
زبان میں چند سطور انہیں اولی الامر حضرات کی تعریف میں لکھے پائے۔ چونکہ
ان کا نفس مضمون سے تعلق پایا۔ بعینہ درج ذیل کر دئے۔ ”تا غیب کہ دل
سالک از غیر پاک نہ شود ہر نماز و روزہ خواندن برائے کسب دینا کار
باد فروشاں است۔ و خانقاہاں و مسجداں و فروخانہ کار بازاریاں است
و چاہ کندیدہ آب دادن کار باغبان است۔ و نفی و اثبات کردن کار آہنگراں
است۔ و از عورات ماندن کار مختشاں و خواجہ سراہاں است۔ و ظہور
کرامت کار ساحراں است۔ و روئے و پائے برائے و خوششتن کار لولیاں
است۔ و حکایت پوشیدہ باز کردن کار دیوانہ و غمازان بہ است۔ و کسے
بتنیہ کردن و زون کار جلا دان است۔ و بدعائے نیک نفع رسانیدن کار
سود خواراں است۔ و در علم مشہور بودن کار شیطاناں است و خلق را
رجوع کردن کار بتاں است و قطب گویا نیدن کار ستارگان است۔

و غوث شدن کار سپاہیان است۔ و پیغمبری کردن کار حاجیان است۔
و خدا شدن کار خود پرستان و خود نمایان است۔

نتیجہ

از خود رفتن و بے خود شدن کار شاہ مردان و کامکاران است۔
این ہمہ کار ہا کہ مذکور شدہ اند تمام کار شیخی است و مشائخان است۔
چرا کہ شیخ تواند کہ از ایمان بے ایمان شود۔ از خدا تعالیٰ بیزار گردد و از
رسول خدا صلوات اللہ تعالیٰ علیہ انکار کند۔ از دین بے دین باشد۔
اما از چاہِ شیخی بر آمدن نتواند۔ و چاہِ شیخی بے پست و عمیق است۔ کہ ہزاراں
ہزار سالک در آن غرق شدہ اند۔ اسے برادر نہایت کار سالک آن است
کہ از کار بے کار و از مراد بے مراد و از امید نامید و از خود بے خود۔ ہمہ طالبی
و سالکی دریں است کہ۔ توکل و تسلیم

صورت امر

اللہ عز و جل کی عنایت کردہ توفیق سے عامتہ الناس اور صاحب امر
(اولی الامر) جماعتوں کا ذکر صفات باری تعالیٰ کی روشنی میں ہو چکا۔ اور
صفات کے سامنے عقل انسانی نے ہر قدم پر شکست کھائی۔ تفکر و فی صفات
ولا تفکرونی دانتہ،، والی حدیث کے پہلے حصہ نے تشنہ کامی طاہر کی اور
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس سے اس اجتماع ضدید کا ذخیرہ
تلاش کرنے کے لئے راہ دکھائی۔ سیاق والی تحریر انہیں کے کرم سے مٹتی اور
ما سبق جو آئے گا تیرے ہی کرم سے ہوگا۔

کائنات ساری معترف ہے اور آپ کی توصیف میں عاجز۔ آپ کے
 خصائص بے پایاں اور فضائل بے کراں بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں آپ
 کے لئے جو جو الفاظ صلہ و سلام کے ساتھ آج تک قرطاس میں آچکے ہیں۔ اگر
 سب کو جمع کیا جائے تو ان کا تحمل بھاری سے بھاری طاقت یا جماعت پر بھی
 بھاری ہوگا آپ کا نام نامی اور اسم گرامی ہی جو ازلی احمد قیامت تک محمد صلعم
 اور ابد الابد میں محمود ہے بتا رہا ہے۔ کہ صفات کا کوئی پہلو نہیں جو آپ کے
 وابستگی کا دم نہ بھرتا ہو۔ مندرجہ بالا تینوں الفاظ لفظ حمد سے مشتق ہیں اور
 حمد کا ترجمہ (تعریف) جو متقدمین سے وصول ہوا حمد کی کما حقہ ترجمانی نہ
 کر سکا۔ یہاں پہلے حمد اور تعریف کے فرق کو ذرا ذہن نشین کر لیں تاکہ نفس
 مضمون سہل ہو جائے۔

۱۔ تعریف ہر اس خوبی کا تقاضہ کرتی ہے جو کسی شے یا وجود سے وابستہ ہو
 حمد ہر اس کمال کی مقتنی ہے جو وجود سے مستغنی ہو اور اس کی مثل کوئی شے
 نہ ہو۔ لہذا تعریف خوبی کے ایک درجہ پر صادر ہو سکتا ہے۔ لیکن حمد
 کمال سے نیچے کچھ نہیں چاہتا۔ صفت میں یہاں نقص پڑا حمد کا لفظ اس کے لئے
 راست نہ آیا۔

۲۔ تعریف مجاز چاہتی ہے اور حمد حقیقت + اسی واسطے حقیقت
 محمدی حقیقتہ الحائق ہے۔ حدیث پاک اول ما خلق اللہ نوری
 وخلق الخلق من نوری، والے نور سے بھی مراد
 جناب رسالت مآب ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وجہ اس نام کی یہ ہے
 کہ پہلے سب سے حق تعالیٰ نور آپ کا پردہ عدم سے باہر لایا پھر تمام عالم
 اس نور سے ظاہر فرمایا انہیں سے زمین و زمان بلکہ نہ آسمان روشن ہوئے
 نہ نہ ہوئے وہ تو یاں نہ ہوتا کوئی + نہ ہوتا کوئی اور نہ روتا کوئی + یہ وجود
 و نمود جو عدم سے ظہور پذیر ہوا اسی نور سے ہے + یہی نور امیر نہیں اور سرور

مرسلین بنا۔ یہی نور بادشاہ آخرین و منقرض اولین ہوا ہے جناب محمد علیہ السلام
رسول مجید شفیع انام امام جہاں۔ مقتدرائے رسل۔ قیام زمان رہنمائے سبل
لفظ اُمّی بھی نور کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے بحر الحقائق میں ہے کہ عرب
اصل اور منشا کوام کہتے ہیں۔ جیسے کہ مکہ کوام القریٰ کہتے ہیں کہ سب شہروں
کا مبداء و منشأ ہے اور لوح محفوظ کوام الکتاب کہتے ہیں۔ ایسے ہی حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم بھی اُمّی ہیں یعنی اصل موجودات ہیں اور آپ کے نور سے سب کا
ظہور ہے۔ مویّد اس معنی کا اولادہ لما اظہرت الربوبیتہ اور
شاہد اس دعویٰ کا ”لولاک لما خلقت الافلاک“ ہے یہاں یہ بیان
کر دینا بھی ضروری ہے کہ نور کسی ایک صفت کا نام نہیں۔ نور ہمیشہ صفات کا
مجموعہ ہوتا ہے۔ روزمرہ کی زبان میں جب کہا جاتا ہے کہ یہ سب آپ کا ہی نور
ظہور ہے تو اس سے آپ کی سب صفات کا ترشح ہونا پایا جائے گا۔ ”آغوش
دہن“ سے جب لفظ کن نکلا تو اسی نور نے ہی حمد کے ذریعے راز بستہ کو افشا
کیا اور یہاں تک کہ اپنا نام احمد رکھوایا یہ صورت کن یا صورت امر اپنے
پیدا کرنے والی حقیقت امر کی طرح جسم و جسمانیّت کی محتاج نہ تھی بلکہ اپنا
دورہ صفات باری تعالیٰ میں ہی رکھا اور تاحد بشریت اسم فاعل ہی رہے
گو ناگوں مصلحتوں کے پیش نظر لباس بشری زیب تن کیا اور قیامت تک
کے لئے اسم مفعول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا صلہ پایا۔ اس لباس نے عوام
کو دھوکا دیا اور عقل کل کو اپنی جزوی عقول کے ماتحت تا پنا شروع کر دیا۔ سرایا
حمد کو اپنے جیسا جانا اور اپنے سے کچھ اوپر درجہ پر مانا۔ ان کی ظاہری حیات
طیبہ کو اپنی حیات کی طرح تصور کیا اور ان کے چشم سر سے چھپ جانے کو موت
تک کا لفظ دے دیا۔ کاش اُن کے گوش اُس مومین کامل کے اُن حقیقت بھر
الفاظ سے شناسا ہوتے جب انہوں نے محل انتقال پر فرمایا کہ جو کوئی محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کو پوجتا تھا اُس کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مرگئے اور جو

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کو پوجتا تھا ان کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب بھی اس طرح زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کلام اللہ عزوجل بھی حقیقت عظمیٰ کا داعی ہے۔ جو سیاہی الفاظ و اوراق اور شد و مد میں ملبوس نظر آتا ہے۔ اسکی تزیین من رب العالمین کسی لباس و شکل کی محتاج نہ تھی۔ عرش عظمیٰ کے آسمان دنیا پر یک بارگی جو نازل ہوا اس کی کیفیت نازل کرنے والا جانے۔ ہاں اس کا نزول جو قلب اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ نزلنا لا علی قلب آتہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ قلب پر جو شے وارد ہوتی ہے وہ ہمیشہ کیفیت ہوتی ہے الفاظ نہیں ہوتے۔ قلب کی دھڑکنیں انسانی لباس پہن کر مخاطب کے لئے فہم و استنباط کا درجہ پاتی ہیں اور قارئین اور سامعین پر ان الفاظ کی معرفت سے پھر وہی کیف اور وجد پیدا ہوتا ہے جو الفاظ کے ظہور سے پہلے محل نزول پر پایا گیا۔ مثال کے طور پر محکمہ ڈاک میں تارسانی کا عمل ملاحظہ فرمائیں۔ تار وصول کرنے والا ایک آلہ کے سلسلے میں بیٹھا گر۔ گٹ۔ گر۔ گٹ کی آوازیں سنتا ہے اور انہیں دھڑکنوں سے اُن آوازوں کو الفاظ کا جامہ پہنائے جاتا ہے جس سے ایک مسبوط عبارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ادھر تار ارسال کرنے والا بھی انہیں دھڑکنوں کو ہی بروئے کار لاتا ہے۔ اور اوراق و الفاظ کی شکل جو جو ایک کتاب میں نظر آتی ہے۔ خود قرآن نے اسے "قول رسول کریم کہا ہے۔ اور اس کی حقیقت کو لو انزلنا هذا القرآن علی جبل راتہ... الخ والی آیہ مبارکہ میں کھول دیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ قرآن کوئی اوراق کا مجموعہ نہیں اگر ایسا ہوتا تو پہاڑ تو درکنار ایک معمولی سا میز اس کا مستحکم ہو سکتا لیکن برعکس اس کے اس کا دباؤ اس قدر فرمایا کہ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دینا اس کی حقیقت اعلیٰ کے سامنے دشوار نہ ہوا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) و کلام اللہ عزوجل کی حقیقتوں کے

ثبوت کے بعد تیسری حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ حقیقت امر یعنی ذات باری تعالیٰ ہے۔ جو پہلے سے ہی کسی لباس وغیرہ کی منت کش نہیں اور نہ ہی اس حقیقت کے ثبوت کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت ہے بلکہ دلائل کی ثبوت تک رسائی ہی نہیں، یہ ذات حقیقت ہی حقیقت ہے اور مندرجہ بالا دونو حقیقتوں میں کچھ ایسے کم ہے۔ کہ ایک کا پانا تینوں کا پانا ہو جاتا ہے۔

حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ السلام قرآن کی چلتی پھرتی تصویر ہیں اور کلام اللہ حضور علیہ السلام کی تفسیر۔ رویت حقیقت محمدی رویت باری تعالیٰ ہے ایسے ہی تینوں حقیقتیں اپنے اندر جن صفات سے متصف ہیں ان میں سے کسی ایک حقیقت کی صفات باقی دونو حقیقتوں کی صفات سے علیحدہ نہیں، اجتماع ضدین چونکہ ایک دشوار ترین معہ ہے۔ اور ضدوں سے کھیلنا ہے اس لئے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے التماس ہے۔ کہ پہلے صفات کا ذخیرہ جو ابھی تک بواسطہ متقدمین حضرات بیان کے دائرہ میں آچکا ہے اس کو محفوظ کریں اور اپنے دل و دماغ میں ان کو جگہ دیں۔ کلام اللہ کے مطالعہ سے صفات باری تعالیٰ جو ذخیرہ آیہ ولدا الاسماء الحسنیہ کی تفسیر کے تحت حدیث پاک کی روشنی میں متقدمین کرام کی وساطت و تصدیق سے ہم تک پہنچا وہ بھی اور جو اسمائے صفات ایک ہی آیہ مبارکہ میں ایک دوسرے کی ضد میں پائے گئے ان کو بھی راقم الحروف نے اکٹھا کیا ہے۔ تاکہ صفات کے ذخیرہ میں اضافہ ہو جائے۔ جتنا ذخیرہ صفات زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی مسئلہ اجتماع ضدین آسان ہوتا جائے گا۔ وبالله التوفیق

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (اعراف) اور

واسطے اللہ کے ہیں نام اچھے پس پکارو ان کو ساتھ ان کے مراد ان سے نودونہ نام ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من احصاه دخل الجنة جس نے

گھیرا ان کو یعنی یاد کیا ان ناموں کو داخل ہوا جنت میں۔ وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ ہواللہ الذی لا الہ الا هو۔ ۲۔ الرحمن۔ ۳۔ الرحیم
- ۴۔ الملک۔ ۵۔ القدوس۔ ۶۔ السلام۔ ۷۔ المؤمن
- ۸۔ المہیمن۔ ۹۔ العزیز۔ ۱۰۔ الجبار۔ ۱۱۔ المتکبر
- ۱۲۔ الخالق۔ ۱۳۔ الباری۔ ۱۴۔ المصور۔ ۱۵۔ الغفار
- ۱۶۔ القہار۔ ۱۷۔ الوہاب۔ ۱۸۔ الرزاق۔ ۱۹۔ الفتاح
- ۲۰۔ العلیم۔ ۲۱۔ القایض۔ ۲۲۔ الباسط۔ ۲۳۔ الخافض
- ۲۴۔ الرافع۔ ۲۵۔ المعز۔ ۲۶۔ المذل۔ ۲۷۔ السميع
- ۲۸۔ البصیر۔ ۲۹۔ الحکم۔ ۳۰۔ العدل۔ ۳۱۔ اللطیف
- ۳۲۔ الخبیر۔ ۳۳۔ الحلیم۔ ۳۴۔ العظیم۔ ۳۵۔ الغفور
- ۳۶۔ الشکور۔ ۳۷۔ العلی۔ ۳۸۔ الکبیر۔ ۳۹۔ الحفیظ
- ۴۰۔ المقتت۔ ۴۱۔ الحسیب۔ ۴۲۔ الخلیل۔ ۴۳۔ الکریم
- ۴۴۔ الرقیب۔ ۴۵۔ المجیب۔ ۴۶۔ الواسع۔ ۴۷۔ الحکیم
- ۴۸۔ الودود۔ ۴۹۔ المجید۔ ۵۰۔ الباعث۔ ۵۱۔ الشہید
- ۵۲۔ الحق۔ ۵۳۔ الوکیل۔ ۵۴۔ القوی۔ ۵۵۔ المتین
- ۵۶۔ الولی۔ ۵۷۔ الحمید۔ ۵۸۔ المحصی۔ ۵۹۔ المبدی
- ۶۰۔ المعید۔ ۶۱۔ المحی۔ ۶۲۔ المسمیت۔ ۶۳۔ الحی
- ۶۴۔ القیوم۔ ۶۵۔ الواجد۔ ۶۶۔ الماجد۔ ۶۷۔ الواحد
- ۶۸۔ الفرد۔ ۶۹۔ الصمد۔ ۷۰۔ القادر۔ ۷۱۔ المقتدر
- ۷۲۔ المقدم۔ ۷۳۔ المومخر۔ ۷۴۔ الاول۔ ۷۵۔ الآخر
- ۷۶۔ الظاہر۔ ۷۷۔ الباطن۔ ۷۸۔ الوالی۔ ۷۹۔ المتعالی
- ۸۰۔ البر۔ ۸۱۔ التواب۔ ۸۲۔ المنعم۔ ۸۳۔ المنتقم
- ۸۴۔ الغفور۔ ۸۵۔ الرؤف۔ ۸۶۔ مالک الملک

۸۷۔ ذوالجلال والاکرام۔ ۸۸۔ المقسط الجامع
 ۸۹۔ الغنی المغنی۔ ۹۰۔ المانع المعطی۔ ۹۱۔ الضار
 ۹۲۔ النافع۔ ۹۳۔ النور۔ ۹۴۔ الہادی۔ ۹۵۔ البدیع
 ۹۶۔ الباقي۔ ۹۷۔ الوارث۔ ۹۸۔ الرشید۔ ۹۹۔ الصبور
 لا تمت کلمۃ اللہ

اسمائے صفات (سوائے اللہ کے جو اسم ذات ہے) اپنے اندر ترجمے
 معانی۔ تشریحات سب کچھ رکھتے ہیں۔ یہ صفات کس سے مانو اور کس سے مشتق
 ہیں۔ یہاں اس کی بحث نہیں۔ یہ صفات جلالی ہیں یا جہالی اور ان کا علیحدہ علیحدہ
 وظیفہ کون کون سے اثرات مرتب کرتا ہے اس کتاب میں اس کا بھی تعلق نہیں
 کتب صوفیائے کرام میں ان کا عمل درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر چاہیں۔
 اسمائے صفات جو صورت امر یا حقیقت محمدیہ صلعم سے متقدمین رحمۃ اللہ
 نے وابستہ کئے ہیں کم و بیش وہی ہیں جو حقیقت امر (باری تعالیٰ) کے لئے
 پیچھے لکھے جا چکے ہیں مندرجہ ذیل مزید صفات خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ کلام اللہ کی روشنی میں پائی جاتی ہیں۔

اسماء الحسنیٰ

حضور پر نور علی الصلوٰۃ والسلام

- ۱۔ محمد۔ ۲۔ احمد۔ ۳۔ حامل۔ ۴۔ محمود۔ ۵۔ قاسم
- ۶۔ عاقب۔ ۷۔ فاتح۔ ۸۔ خاتم۔ ۹۔ حاشر۔ ۱۰۔ ماح
- ۱۱۔ داج۔ ۱۲۔ سراج۔ ۱۳۔ رشید۔ ۱۴۔ منیر۔ ۱۵۔ بشیر
- ۱۶۔ نذیر۔ ۱۷۔ ہاد۔ ۱۸۔ مہد۔ ۱۹۔ نبی۔ ۲۰۔ رسول۔ ۲۱۔ ظہ
- ۲۲۔ یس۔ ۲۳۔ مزمل۔ ۲۴۔ مدثر۔ ۲۵۔ شفیع۔ ۲۶۔ خلیل
- ۲۷۔ کلیم۔ ۲۸۔ حبیب۔ ۲۹۔ مصطفیٰ۔ ۳۰۔ مرتضیٰ۔ ۳۱۔ مجتبیٰ

۳۲۔ مختار۔ ۳۳۔ ناصر۔ ۳۴۔ منصور۔ ۳۵۔ قائم۔ ۳۶۔ حافظ
 ۳۷۔ شہید۔ ۳۸۔ عادل۔ ۳۹۔ حکیم۔ ۴۰۔ نور۔ ۴۱۔ حجت
 ۴۲۔ برہان۔ ۴۳۔ البطحی۔ ۴۴۔ مومن۔ ۴۵۔ مطیع۔ ۴۶
 مذکر۔ ۴۷۔ واعظ۔ ۴۸۔ آمین۔ ۴۹۔ صادق۔ ۵۰
 مصدق۔ ۵۱۔ ناطق۔ ۵۲۔ صاحب۔ ۵۳۔ مکی۔ ۵۴۔ مدنی
 ۵۵۔ عربی۔ ۵۶۔ ہاشمی۔ ۵۷۔ تھانی۔ ۵۸۔ حجازی۔ ۵۹
 نزاری۔ ۶۰۔ قریشی۔ ۶۱۔ مضر۔ ۶۲۔ اُمّی۔ ۶۳۔ عزیز۔
 ۶۴۔ حرّی۔ ۶۵۔ روف۔ ۶۶۔ رحیم۔ ۶۷۔ یس۔
 ۶۸۔ غنی۔ ۶۹۔ جواد۔ ۷۰۔ فتاح۔ ۷۱۔ عالم۔ ۷۲۔ طیب
 ۷۳۔ طاہر۔ ۷۴۔ مطہر۔ ۷۵۔ خطیب۔ ۷۶۔ فصیح
 ۷۷۔ سید۔ ۷۸۔ متقی۔ ۷۹۔ امام۔ ۸۰۔ یار۔ ۸۱۔ شاف
 ۸۲۔ متوسط۔ ۸۳۔ سابق۔ ۸۴۔ مقتصد۔ ۸۵۔ مہدی
 ۸۶۔ حق۔ ۸۷۔ مبین۔ ۸۸۔ اول۔ ۸۹۔ آخر۔ ۹۰۔ طاہر
 ۹۱۔ باطن۔ ۹۲۔ رحمت۔ ۹۳۔ محل۔ ۹۴۔ محرم۔ ۹۵۔ آخر
 ۹۶۔ ناک۔ ۹۷۔ شکور۔ ۹۸۔ قریب۔ ۹۹۔ منیب۔ ۱۰۰۔ مبلغ
 ۱۰۱۔ طس۔ ۱۰۲۔ حم۔ ۱۰۳۔ حبیب۔ ۱۰۴۔ اولی۔ ۱۰۵۔

رحمت الالٰہی السین :

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ بعددِ کُلِّ ذرۃ مِیائتہ الف
 الف مرۃ وبارک وسلم +

اسمائے لکھنے جو کلام الہی میں کلام پاک سے متعلق ہیں وہ سوائے لفظ
 قرآن ایک اوپر چالیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ فرقان۔ ۲۔ ذکر۔ ۳۔ تنزل۔ ۴۔ احسن الحدیث
 ۵۔ موغظ۔ ۶۔ حکیم۔ ۷۔ تذکرہ۔ ۸۔ ذکر

- ۹۔ حکم۔ ۱۰۔ حکمت۔ ۱۱۔ محکم۔ ۱۲۔ یس۔ ۱۳۔ شفا
 ۱۴۔ رحمت۔ ۱۵۔ ہدیٰ۔ ۱۶۔ ہادی۔ ۱۷۔ صراط
 ۱۸۔ مستقیم۔ ۱۹۔ جبل اللہ۔ ۲۰۔ نعمت
 ۲۱۔ قص الحق۔ ۲۲۔ بتیاں۔ ۲۳۔ مبین۔ ۲۴۔ بصائر
 ۲۵۔ فصل۔ ۲۶۔ نجوم۔ ۲۷۔ مثانی۔ ۲۸۔ متشابہ
 ۲۹۔ برہان۔ ۳۰۔ بشیر۔ ۳۱۔ نذیر۔ ۳۲۔ قیوم۔
 ۳۳۔ مہیمن۔ ۳۴۔ نور۔ ۳۵۔ حق۔ ۳۶۔ حوت
 الیقین۔ ۳۷۔ عزیز۔ ۳۸۔ کریم۔ ۳۹۔ عظیم
 ۴۰۔ مبارک۔ ۴۱۔ روح +

اسمائے صفات جو ایک ہی آیت میں ایک دوسرے کی ضد میں آئے
 اور جن کا نزول مختلف جگہوں میں متعدد بار ہوا۔

- ۱۔ انعام۔ غضب۔ ۲۔ ایمان۔ کفر۔
 ۳۔ صلح۔ فساد۔ ۴۔ سفہ۔ عالم۔
 ۵۔ ضلالت۔ ہدایت۔ ۶۔ ضیا۔ ظلمت۔
 ۷۔ قطع۔ وصل۔ ۸۔ موت۔ حیات۔
 ۹۔ تبدون۔ یکتمون۔ ۱۰۔ حق۔ باطل۔
 ۱۱۔ امر۔ نسیاں۔ ۱۲۔ ادنیٰ۔ خیر۔
 ۱۳۔ فضل۔ خسارہ۔ ۱۴۔ مسلم۔ شیت۔
 ۱۵۔ سر۔ اعلان۔ ۱۶۔ امام۔ ظالم۔
 ۱۷۔ شکر۔ کفر۔ ۱۸۔ یسر۔ عسر۔
 ۱۹۔ ابیض۔ اسود۔ ۲۰۔ دنیا۔ آخرت۔
 ۲۱۔ اثم۔ نفع۔ ۲۲۔ عزیز۔ حلیم۔
 ۲۳۔ امساک۔ سرح۔ ۲۴۔ ظلمت۔ نور۔

- ۲۵:- فقد - غنا - ۲۶:- صغیر - کبیر -
 ۲۷:- رشد - غنی - ۲۸:- آت - تنزع -
 ۲۹:- یل - نہار - ۳۰:- حنیف - مشرک -
 ۳۱:- طوعاً - کرہاً - ۳۲:- معروف - منکر -
 ۳۳:- وود - بغض - ۳۴:- حسنة - سیئة -
 ۳۵:- حقیق - ربو - ۳۶:- غنم - امن -
 ۳۷:- اشفا - تبدون - ۳۸:- بشارت - حزن -
 ۳۹:- خبیث - طیب - ۴۰:- قلیل - کثیر -
 ۴۱:- کراہت - خیر - ۴۲:- وسمح - غیر مسیح -
 ۴۳:- یطع - تولی - ۴۴:- امن - خوف -
 ۴۵:- قاعد - مجاہد - ۴۶:- نو - اعراض -
 ۴۷:- بشیر - تذیر - ۴۸:- عزت - ذلت -
 ۴۹:- غل - مبسوط - ۵۰:- قبض - بسط -
 ۵۱:- حلال - حرام - ۵۲:- تولو - بلاغ -
 ۵۳:- شدید العقاب - غفور الرحیم - ۵۴:- عذاب - مغفرت -
 ۵۵:- سر - جہر - ۵۶:- کشف - نسیان -
 ۵۷:- بر - بحر - ۵۸:- نفع - ضرر -
 ۵۹:- مستقر - مستودع - ۶۰:- ظاہر - باطن -
 ۶۱:- اول - آخر - ۶۲:- یدہب - یتخلف -
 ۶۳:- ثقیل - خفیف - ۶۴:- ضراً - نفعاً -
 ۶۵:- صعباً - آفاق - ۶۶:- تحمل - تترک -
 ۶۷:- خیر - سود - ۶۸:- وجہ - دبر -
 ۶۹:- نفق - کنٹر - ۷۰:- نکث - عہد -

- ۷۱: غیب - شہادت - ۷۲: صلیاً - سیاً -
 ۷۳: تاخیر - قدم - ۷۴: اعمی - بصیر -
 ۷۵: عالی - سافل - ۷۶: شفی - سعید -
 ۷۷: سمان - عجاف - ۷۸: رطب - یابس -
 ۷۹: اصل - فرع - ۸۰: فاصدع - اعرض -
 ۸۱: ذکر - انت - ۸۲: سموات - تحت الثری -
 ۸۳: طلوع - غروب - ۸۴: رغب - رهب -
 ۸۵: تحت - فوق - ۸۶: حصیاً - عظیم -
 ۸۷: یسرف - یغتر - ۸۸: علو - اسلم -
 ۸۹: نجات - غیر - ۹۰: شیعہ - عدو -
 ۹۱: لا - الا - ۹۲: بسط - قدر -
 ۹۳: عذاب - جسم - ۹۴: کذب - حق -
 ۹۵: خوف - طبع - ۹۶: قوت -
 ۹۷: فوق - سفلی - ۹۸: معنوقین - قائلین -
 ۹۹: رحیم - طہر - ۱۰۰: نکاح - طلاق -
 ۱۰۱: یح - یخرج - ۱۰۲: ید - خلف -
 ۱۰۳: یمین - شمال - ۱۰۴: ممسک - مرسل -
 ۱۰۵: عذب - ملح - ۱۰۶: ظل - مسرور -
 ۱۰۷: بین - خلف - ۱۰۸: محسن - ظالم -
 ۱۰۹: متقی - فاجر - ۱۱۰: کذب - صدق -
 ۱۱۱: ضال - ہاد - ۱۱۲: غر - عشا -
 ۱۱۳: مرض - شفا - ۱۱۴: آخرت - اولی -
 ۱۱۵: ضحک - بکا - ۱۱۶: فنا - بقا -

- ۱۱۷: بہتر - قاسق - ۱۱۸: بر - انم -
 ۱۱۹: تقوسے - عدوان - ۱۲۰: فخذو - قانتہو -
 ۱۲۱: جمیعاً - شتاً - ۱۲۲: عدو - ولی -
 ۱۲۳: طاعی - راعب - ۱۲۴: تنقی - تدر -
 ۱۲۵: شمش - زمہریر - ۱۲۶: سبات - معاش -
 ۱۲۷: قدرت - آخرت - ۱۲۸: حفی - جہر -
 ۱۲۹: شفیع - وتر - ۱۳۰: افلح - خاب -
 ۱۳۱: جن - النسر -

اسمائے صفات کی ترتیل سے کئی ایک صفات کا مشرکہ تینوں حقیقتوں میں
 آنا ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں تینوں حقیقتیں ایک ہی دعوے کے بے مثلی کا
 اعلان کرتی ہیں۔ ۱۔ لیس کہ مثلاً شیء (اللہ)۔ ۲۔ ایکو مثلی
 (رسول اللہ)۔ ۳۔ فاتو بسورۃ مثلاً (کلام اللہ) اور ہر سہ
 حقیقت کا خاصہ "اجتماع صدیقین" ہے اس لئے علیحدہ علیحدہ کسی ایک
 حقیقت کو لے کر کتاب کو کسی خاص ترتیب کے ماتحت پیش کرنا کاربے دارد +
 سعی بہر چند ہوگی لیکن تناقص کی معذرت ساتھ ساتھ رہے گی۔ حقیقت امر اور
 صورت امر کے بارے میں جو کچھ بیان ہوگا۔ انہیں کی تشریحات یعنی قرآن پاک
 اور حدیث پاک کی روشنی میں ہوگا۔

حقیقت امر۔ صورت امر۔ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ہر جہاں مماثلت
 اور موافقت کا ثابت کرنا اور ان کو ایک ہی حقیقت اعلیٰ کا عکس ماننا کوئی معتمد نہیں
 اس ماحول سے محفوظ رہی سی بھی دلچسپی رکھنے والے حضرات خوب واقف ہیں
 کہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث پاک کلام اللہ عزوجل یعنی قرآن پاک
 کی ہی تفسیر ہے۔ اور کلام اللہ عزوجل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی اخلاق
 اور انہیں کی ہی نعت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ عزوجل کی

ذات و صفات کے ہی مظہر اتم ہیں۔ اہل طریقت حضرات نے جو ان حقیقتوں میں موافقت اور برابری کے بول بولے ہیں یا تحریر کئے ہیں وہ بھی اسی پیش کردہ حقیقت کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ عامۃ الناس کو ان کے سمجھنے میں ایک مہلک مغالطہ لگا ہے۔ انہوں نے لباس کے جائے کو سامنے رکھا اور حقیقتیں طاق نسیاں رہیں۔ وہ ہمیشہ کوشاں ہیں کہ اللہ اور رسول اللہ کے درمیان فرق نکالیں اور چاہتے ہیں کہ بین ذلک کوئی سبیل مل جائے کلام اللہ اس کی تردید فرماتا ہے اور انہیں ”اولئک هم الکافرون حقاً“ کے الفاظ سے منسوب کرتا + برخلاف اس کے علما اور عرفا نے لباس پر نظر نہیں رکھی بلکہ امر کی حقیقت اور صورت کو ایک جانا۔ اُن کے لئے کلام اللہ نے وفائے احسرا کا وعدہ فرمایا +

باب استقامت کے آخر میں جو قول حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ استقامت یہ ہے کہ شرک نہ کرے۔ اس کو ہی لے لیں۔ آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و مودت کا کسی کو انکار ہے۔ اگر اس محبت کو ماسوا کا درجہ دیں تو (نعوذ باللہ) شرک لازم آگیا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ آپ کی محبت محمد ابن عبد اللہ سے نہیں بلکہ آپ کی محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نور من نور اللہ ہیں ان سے ہے۔ اور اسی بنا پر استقامت کے لئے آپ کے حکم اور مستقیم الفاظ کہ اللہ سے شرک نہ کرے کہنا ہی عین ایمان ہے +

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
لہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امر

یہ لفظ امر حقیقت اور صورت کا مضاف الیہ راقم الحروف نے بار اول

حضرت امام احمد غزالی رحمۃ اللہ کے کسی رسالہ میں دیکھا اس کا ہر پہلو سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ عالم موجودات کے اوپر اس ایک اکیلے لفظ کا تصرف ہے۔ جو کچھ ہے یعنی خلق صورت امر ہے اور اسی صورت امر کا اس میں یعنی خلق میں تصرف ہے۔ لفظ امر کوئی جسمانی یا مرنی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ یہ محسوس ہے اور نہ مبصر۔ یہ غیر مادی اور قدسی ہے۔ عناصر اور مرکبات عناصر سے منزہ۔ لفظ حکم اس لفظ امر کا کمزور ترجمہ ہے۔ تفہیم کے طور پر امر۔ حکم عرض۔ حقیقت اعلیٰ کی ایک صفت کا ہی افراط۔ توسط اور تفریط ہے۔ کلام الہی میں جہاں جہاں لفظ امر وارو ہوا ہے۔ ہر قسم کی علت سے بے نیاز رہا۔ امر جب پہنچتا ہے۔ تو ہو کر ہی رہتا ہے۔ یا بندہ کا اس میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔ مندرجہ ذیل چند مثالیں اس کی وضاحت کے لئے کلام اللہ سے پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ حتیٰ اذا جاء امرنا وفار التنور (سورہ ہود)۔
 ”یہاں تک کہ جب آیا امر ہمارا (ساتھ عذاب کے) اور جوش مارا (پانی سے) تنور سے“۔ یہ واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر گذرا + تنور سے پانی کا نکلنا عقل کے تحت محال ہو تو ہو لیکن ایسی ضدوں کا جمع ہونا امر کا ادا کرنے کا شائبہ ہے۔

۲۔ ولما جاء امرنا بنجينا هود والد بن امنوم معه برحمة منا۔ (ہود)۔
 ”اور جب آیا حکم ہمارا ساتھ اوس کے اور وہ چار ہزار آدمی تھے کہ سب کو ساتھ ہود علیہ السلام کے بچا دیا ہم نے عذاب سے اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور نجات دی ہم نے اُن کو گاڑ ہے عذاب سے“۔ یہ قوم عاد اولیٰ تھی۔ دوزخ کی ہوائے گرم اُن کے نتھنوں سے گھس کر شمر گاہوں سے نکل گئی اور ان کے تمام انداموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئی + اسی طرح عاد ارم کہ وہ عاد ثانیہ تھے قوم ثمود کے ساتھ ہلاک ہوئے جن کا نبی صالح علیہ السلام تھا

زاد المسیر میں ہے کہ تین دن جو وعدہ حیات رکھتے تھے گھروں میں بیٹھ کر قبریں کھودیں اور عذاب کے منتظر رہے۔ چوتھے دن آفتاب طلوع ہوا اور عذاب نہ آیا۔ گھروں سے نکل کر ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ ناگاہ حضرت جبریل علیہ السلام اپنی صورت اصلی پر ظاہر ہوئے زرو قدم سبز بال سفید دندان۔ پیشانی نورانی رخسارے چمکتے ہوئے۔ بال سرخ بزرگ مرجان افق چھپ گیا۔ ثمودی یہ دیکھتے ہی گھروں میں قبروں میں در آئے۔ جبریل علیہ السلام نے نعرہ مارا کہ ”موتو علیکم لعنتہ اللہ“۔ یک بارگی سب مر گئے۔ گھروں میں ان کے زلزلہ پڑا۔ چھتیس گر پڑیں + امر کے آگے عقل کے مہوش اڑ گئے۔

۳۔ فلما جاء امرنا جعلنا عاليها سافلها۔ (ہود) ”جب امر ہمارا آیا کیا ہم نے اوپر اس شہر کا نیچے اس کے یعنی الٹ دیا“ یہ لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ ہے جب امر الہی سے جبریل علیہ السلام نے اس قوم کے شہر کو اپنے پروں پر اٹھالیا یہاں تک کہ آواز سگ اور غروں مرغ اہل آسمان نے سنی۔ پھر اس کو الٹا کر کے گرا دیا۔

۴۔ ولما جاء امرنا نجينا شعيب والذين معه بحمة منا (ہود) اس آیت مبارکہ میں بھی قوم مدین کی تباہی اور ہلاکت کا ذکر ہے اور اس قوم کو قوم ثمود سے تشبیہ دی ہے کہ ہلاکت دونوں کی ایک طرح کے عذاب سے تھی کہ صیحہ جبریل علیہ السلام تھا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نہیں ہوئیں تباہ دو امتیں ایک عذاب سے مگر قوم شعیب اور صالح علیہم السلام ایک کو عذاب تحت سے ہوا ایک کو فوق سے +

۵۔ وكذا لک اوحینا الیک روحا من امرنا (سورہ النحل) اور اسی طرح وحی کیا ہم نے طرف تیرے قرآن کو امر اپنے سے یہاں سارے قرآن کو روح کہا گیا ہے اس واسطے کہ اس سے دل زندہ ہوتے ہیں جیسے کہ بدن روح

سے حیات پاتے ہیں اور اس روح (قرآن) کو صفت امر کا ہی منظر بنایا۔
جب کلام اللہ منظر امر ٹھہرا تو لامحالہ منظر اجتماع ضدین بنا۔ حقیقت کا خاصہ
منظر ہیں پایا جانا لازمی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ”قل الروح من امر ربی“ سے بھی امر
کی کار فرمائی کو فہم و ادراک کی رسائیوں سے بلند و بالا رکھا۔
۶۔ قلنا یا نار کو فی برد اوسلماً علی ابراہیم (سورہ انبیاء)
”فرمایا ہم نے اسے آگ ہو جائیٹھنڈی اور سلامتی والی اوپر ابراہیم علیہ السلام کے“
یہاں بھی امر کا تصرف ضد کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آگ آگ بھی رہے اور گلزار
بھی بنے

۷۔ امرأ من عندنا اناکنا صرسلین (سورہ الدخان)
”حکم کیا ہم نے حکم کرنا ساتھ فیصل کرنے قضایا کے اس شب میں نزدیک اپنے
سے“۔ یہاں بھی امر کے اعجاز شب برات کہ نصف شب شعبان ہے۔ کے
بیان میں ظاہر فرمائے۔ فرشتوں کا اترنا۔ دعائیں قبول ہوتی۔ حصہ موتی تقرر
پانا۔ رزق بٹنے وغیرہ یہ سب کچھ ایک رات میں طے پانا۔ اور سارے سال کا
بجٹ بیک وقت تیار ہونا۔ سال بھر کی ظہور صفات کو ایک رات میں اکٹھا
کرنا۔ امر کی بادشاہی سے بعید نہیں +

۸۔ اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے فرشتوں کی زبانی بچے
کی بشارت سنی تو حیرانگی سے پکارا عاۓ الد وانا عجوز وھذا البعلی
شیخاً۔ ان ھذا لشیء عجیب تو فرشتوں نے یہی جواب دیا۔ اتعجبین
من امر اللہ۔ ”کیا تمھے اللہ کے امر میں تعجب ہے۔ یعنی اجتماع ضدین
کو محال سمجھتی ہے۔ امر اللہ کے آگے یہ کچھ مشکل نہیں (سورہ ہود)

کلام الہی ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ جہاں کہیں لفظ امر وارد ہوا
اپنے ساتھ ایسے ہی اعجاز لایا۔ حقیقت امر ہو۔ صورت امر ہو یا صاحب امر

ہو ہر سہ کی ابتدا عقل کی انتہا سے شروع ہوتی ہے۔ ہر سہ اپنے اندر سنت کے علاوہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور ان کی یہی قدرت محال کو ممکن کر دیتی ہے۔ یہ حقیقتیں بیان کردہ ہر صفت کی بیک وقت حامل ہوتی ہیں۔ امر ہمیشہ اپنے ہمراہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ان کا عمل بھی قضائے امر کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ نے کہا کہ خلق تو عرش اور اس کے نیچے سب ہے اور امر اس سے اوپر ہے اور اس سے نکالا کہ کلام اللہ مخلوق نہیں + حکم اور عرض کا یہ درجہ نہیں۔ حکم جب پہنچتا ہے تو یا بندہ کا اختیار اس میں چھوڑے رکھتا ہے اور حکم اپنی قدرت اور طاقت کو روکے رکھتا ہے پھر تعزیر اور مواخذہ ہے۔ کلام اللہ میں معروف و نہی سب اس حکم کے تحت ہیں۔ جن کا حاکم حقیقت میں اللہ ہے اور صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کا درجہ سب سے نچلا ہے۔ اس میں نہ تو امر کی سی وجاہت ہے اور نہ حکم کی سی تعزیر۔ یہ صرف کسی شے کے روبرو کی جاتی ہے اور اس کا ماننا یا نہ ماننا اس شے کی مرضی پر چھوڑا جاتا ہے + حکم کا ابا کیا۔ شیطان جہیم ہو گیا۔ ابا و استکبر و کان من الکافرین آیہ انا عرضنا الامانتہ... انحر (سورۃ احزاب) میں امانت کا روبرو کرنا اور آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کا آبا ان کے لئے کچھ نقصان دہ نہ ہوا۔ اور نہ ہی ان سے کوئی مواخذہ لیا گیا۔

خلق و امر سب اسی کی قدرت کاملہ ہے اور ان میں وہی قادر مختار کسی کو ذرہ بھر تجاوز کا اختیار نہیں بلکہ ممکن نہیں کہ کوئی اس کے حکم قدرت عظیم سے سوائے مستحضر ہونے کے جنبش کر سکے + سب کو اپنی مشیئت پر اور نفاذ قدرت پر تفویض فرمایا + خلق اس کا مخل ہے اور امر اس کی صفت ہے۔ خلق تو اشباح میں جاری ہے اور امر اس کا ارواح میں

جاری ہے + نور خلق سے تمام عقول کو مبہوت فرمایا اور اپنی نشانیوں کے سمجھنے میں حیرت ناک کر دیا + ادھر امر کی تجلی سے دلوں کو صفات کی طرف جذب کیا پھر مخلوقات افہام اس کے وصف صفات سے عاجز ہوئے اور زبانیں اس کی مدح سے گونگی ہو گئیں تو خود اپنی ذات پاک کا وصف فرمایا - بقولہ تعالیٰ «تبارک اللہ رب العالمین» +

حقیقت امر کا انکشاف سوائے صاحب امر حضرات کے محال ہے - یہ اس لئے کہ اس حقیقت کا دوسرا نام اللہ ہے جو اسم ذات ہے اور معرفت اسم ذات غیر ممکن ہے کہ اس کو سوائے اسی حقیقت کے اور کوئی جانے + اولاً امر حضرات نے اس لفظ اللہ سے کئی ایک اشارات نکالے ہیں - اور ان کے حروف - الف - لام - لام اورہ کو کئی طرح پیش کیا ہے - باوجود اس کے تمام بندگان مقربین مقام حیرت کمال میں ہیں - اور یہ ان کی حیرت حیرت عوام کی سی نہیں جو نفاق و کفر ہے بلکہ حیرت مقربین ہے جو کمال معرفت ہے - شیخ شبلیؒ نے کیا کہ اللہ احد سوائے حق عز وجل کے کوئی نہیں والا نہیں - کیونکہ کمال عرفان بھی حفظ رزق ہے اور حقیقت کو حفظ کے ساتھ اور اک نہیں کہہ سکتے بعض علمائے کہا کہ اللہ ایسا نام پاک ہے کہ اس نام تک رسائی محال ہوگی جب نام تک رسائی محال ہو تو جس کا نام ہے اس کی کہہ ذات تک رسائی محال المحال ہو - پس مخلوق کو تنبیہ فرمائی کہ ذات حق کے واسطے شیطانی وسوسہ قبول نہ کریں جب کہ وہ نام حق سے عاجز ہیں + حدیث شریف میں آیا ہے کہ شیطان بندہ مومن کے پاس آکر کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا اور وہ کس نے پیدا کیا حتیٰ کہ کہے گا کہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا پس حیرت شیطان یہ وسوسہ لاوے تو لا الہ الا اللہ کہنا چاہیے یعنی حقیقت امر کو دور کر کے نور امر کو دل میں جگہ دے کہ

اس کی ذات و صفات اس سے اعلیٰ ہے کہ کوئی مخلوق بے حقیقت اس کا
 اور اک کر سکے + جب حال و قال سے اس کی توحید رسائی نہیں تو عین
 رحمت سے بندوں کا عذر قابل پذیرائی ہے + کتاب ہذا بھی اسی عذر
 سے وابستہ ہے۔ اور اجتماع ضدین کو بھی اسی عذر کا ہی عنوان دیا گیا
 ہے۔ نہ تو اس کتاب میں اپنے نفس کی کوئی خوشی پور ہی کی گئی ہے۔
 کیونکہ نفس کا ساتھ اخلاص سے دور ہوتا ہے اور نہ ہی مطالعہ کرنے
 والوں کو کسی ایک واضح اور مکمل نصب العین تک پہنچایا گیا ہے۔ کیونکہ
 یہ محال ہے جیسے کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

قابل غور یہ نکتہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ صورت امر سے پہلے کماکان
 میں محقق اور صورت امر کے بعد اللہ میں آئیں۔ اور ان دونوں کو جمع کر کے
 اپنے آپ کو اللہ کماکان کہلوایا۔ اور یہ کہلو کر خود کو زمان و مکان کی قید
 سے آزاد ثابت کر دیا۔ کسی شے کا ثابت ہونا ہر حال میں یا تو زمان کے
 ساتھ وابستہ ہوتا ہے یا مکان کے ساتھ اور خود زمان و مکان کا ثبوت
 فنا کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ جس شے پر فنا وارد نہ ہو اس کا ہونا بھی
 ثابت نہیں ہو سکتا۔ عالم خلق تمام کا تمام زمان و مکان کی قید میں ہے
 اور فانی ہے۔ لیکن عالم امر جس کا کہ یہ عالم خلق لباس ہے نہ کسی زمان
 و مکان کی قید میں ہے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی فنا وارد ہے حقیقت امر
 کی طرح امر بھی کسی قسم کے تناقص سے مبرا و منزہ ہے + اسی امر کو
 جو غیر فانی ہے لباس خلق پہنایا جو فانی ہے۔ اور اپنی دونوں صفات
 کو (یعنی امر و خلق) کو جو بالترتیب غیر فانی اور فانی ہیں اکٹھا کر دیا۔
 اور اپنی کمال قدرت سے اس اجتماع ضدین کو اس طرح نبھا رکھا
 ہے کہ شان امر رکھنے والے ہی جانیں ان دونوں ضدوں کی اجتماع اولین
 سے ہی باقی صفات کی ضدوں کا اجتماع بیان ہوگا۔ انشاء اللہ +

ہوا اول والاخر و الظاہر والباطن

”وہی سب پہلے اور سب کا بنانے والا قدیم ازلی کہ اول اس کے کی ابتدا ہی نہیں۔ اور وہی ہے سب سے پیچھے باقی ابدی کہ آخر اس کے کو انتہا ہی نہیں۔ اور وہی ہے سب سے ظاہر و لیلوں کے سبب چھپا ہوا کہ وہم اور خیال میں کسی کے نہیں آتا۔ اس آیت قدسیہ کو اگر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلا حصہ۔ ہوا اول والاخر زمان کے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ۔ ہوا الظاہر والباطن مکان کے ساتھ۔ لیکن چونکہ وہ ذات زمان و مکان سے پاک ہے جیسے کہ پیچھے الٹ کماکان کے تحت معلوم ہوا تو لازماً اس کا اول اس کا آخر ہوا اور آخر اول۔ اسی طرح اس ذات کا ظاہر اس کا باطن اور اس کا باطن اس کا ظاہر ہوا۔

اول آخر کے ساتھ ملا تو زمان اٹھ گیا ظاہر باطن سے ملے تو مکان نہ رہا۔ تفسیر بحر الحائق میں ہے۔ کہ اول ہے عین آخریت میں۔ اور آخر ہے عین اولیت میں۔ اور ظاہر ہے عین باطنیت میں۔ اور باطن ہے عین ظاہریت میں۔ شیخ ابوسعید خرازی قدس سرہ سے پوچھا کہ اللہ سبحانہ کو کس چیز سے پہچانا تم نے۔ فرمایا اس سے کہ خدین جمع فرمائی ہیں پھر یہ آیت پڑھی اور کہا کہ منظور نہیں ہے جمع اضداد و حیثیت واحدہ میں مگر اسی واحد میں اس کے علم میں اول و آخر برابر ہے اور ظاہر و باطن ایک ہے۔ یہ تھا مطالعہ حضرت ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ کا حقیقت نامہ میں۔ راقم الحروف کو ان کے بیان میں صورت امر اور صاحب امر کے متعلق کچھ نہیں ملا۔ داتا گنج بخش رحمۃ علیہ کی تصنیف کشف المحجوب

میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ پہلے صاحب ہیں جنہوں نے فنا و بقا کی تعریف الفاظ میں کی۔

اس کے جلوے کا تو کیا کہتے مگر
دیکھنے والے کو دیکھ چکا ہے

تفسیر شیخ ابن کثیر میں ہے کہ یہی وہ آیت ہے جو حدیث عربا ص بن ساریہؓ میں گزری کہ وہ ہزار آیت سے افضل ہے۔ شاید اس اجتماع ضدیں کے پیش نظر اسے افضل فرمایا گیا ہو۔ منطقی نقطہ نظر سے ابتدا اور انتہا کے درمیان ہر چیز محدود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ محدود ہو سکے اس لئے اس کا اوّل اور آخر بیک وقت ایک ہے۔ اوّل ایسا کہ اس سے پہلے کوئی شئی نہیں۔ آخر ایسا کہ اس کے بعد کوئی شئی نہیں۔ ظاہر ایسا کہ ایسے فوقہ شئی (اس سے اوپر کوئی شئی نہیں) اور باطن ایسا کہ ”ایسے دونہ شئی“ (اس سے دسے کوئی چیز نہیں ہے)۔

جیسے اوّل و آخر سے وقت اٹھا ایسے ہی ظاہر و باطن سے جبکہ مفقود ہوتی۔ جب زمان و مکان سے پاک ہوا تو شانِ عظمت الہی ظاہر ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ کی شان میں عقل فنا ہوئی تو واجب ٹھہرا کہ ذات میں غور نہ کیا جائے۔ صفات الہی عزوجل میں بھی عقلیں رسانی نہیں کر سکتیں۔ ہاں صفات میں فکر کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ عقل بالکل نوری ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپنی خودی کی نجاست سے خارج ہو کر عین نور ہو جاتا ہے۔ تفسیر ”مواہب الرحمن“ میں صاحب ”عرائس البیان“ نے جو اسرار اس آیت پاک کے لکھے ہیں ذیل میں درج ہیں۔
”اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ذات و صفات و لغوت و اسما کا بھید ظاہر فرمایا اور باطن غیب اور الغیب وغیرہ کو اظہار کیا تاکہ عارفین

کی ارواح اُس کے قدیم و بقا میں متحیر ہوں اور موعِدِ تین کے اسرار اس کی ذات و صفات میں فنا ہوں۔ اور ان اسرار سے کچھ اور اک نہیں ہوتا سوائے تخر کے کیونکہ اسرار کو ذکر سے کسی نے نہیں پہچانا۔ اور ابد تک کئے صفات کو کوئی نہیں پہچان سکتا ہے + اس واسطے کہ جملہ مخلوقات ہیں + اُن کے واسطے اولیت نہیں تو اولیت کو کیونکر پہچان سکتے ہیں + اور اُن کے واسطے آخریت نہیں ہے تو آخریت کو کیونکر پہچان سکتے ہیں۔ اور اُن کے واسطے ذاتی حقیقت نہیں ہے تو کئے حقیقت کیونکر پہچان سکتے ہیں۔ یہ بحرِ بے پایاں ہے۔ یہاں ادلیس و آخرین اس کے ایک قطرہ میں غرق ہیں اور عجب یہ کہ ابھی تک پیاسے ہیں۔ اور میری کیا مجال ہے کہ قدیم و ابد کو دریافت کرنے پر متوجہ ہوں کیونکہ آفتاب الوہیت کی شعاعیں عقل کے ابصار کو جلاتی ہیں اور اس کے اسرار میں اذکار متحیر ہیں۔ پس میری یہی راہ ہے کہ میدانِ ناپیدا کنار میں شیر کے سامنے سے بھاگوں۔ بھلا کہاں مشیتِ خاکِ تراب ہے اور کہاں رب الارباب ہے۔ آدلیت و آخریت سے بے انتہا دور زمانہ کا گھوڑا گر پڑا اور مکان کا نشان نہ رہا۔ سمجھ گم ہے اور عقل تھک کر حیران ہے۔ نہ وہاں زبان ہے نہ بیان ہے۔ نہ دلیل ہے نہ عرفان ہے۔ سبحان اللہ وہی ازل ہے جس نے ازل کے ازل پیدا کئے۔ اور وہی آخر ہے جس نے ابد کے ابد پیدا کئے۔ وہی ظاہر ہے کہ اس کے صفات و افعال میں کمال ظہور ہے۔ لیکن مخلوقات فانیہ پر ہزاروں پردے ہیں کیونکہ حق عزوجل کے واسطے کوئی چیز حجاب نہیں ہو سکتی۔ کیا اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے ہو کہ چیز و جاں کہاں پہنچ سکتی ہے۔ اور وہی باطن ہے کہ اس کی کئے اور اک مجال ہے۔ اشیا کی علت کون پہچانتا ہے جو اولیت پہچانے۔ اور دوام بے انتہا کی نہیں

کس نے دیکھی جو آخریت پہچانے۔ اور آنکھ کہاں ہے جو ظاہریت دیکھے
 اور ارواح و نفوس کو کون پہچانتا ہے جو اس کی باطنیت پہچانے پس
 عقل کا کمال یہی ہے کہ اس کو اصل الکل جانے۔ اور اس کی اولیت
 کے واسطے زمانہ کا شمار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زمانہ اسی سے پیدا فرمایا
 ہے۔ اور اس کی ظاہریت کے واسطے جو اس کا ظہور بے کار ہے کیونکہ
 یہ کمتر مخلوق اپنے دائرہ امکان میں ناپائیدار ہے۔
 یہ ہے جذب شوق میں الوہیت کے صفات کا بیان کسی
 صاحب امر کی زبان سے۔

والشفع والوتر (الفجر)

ترجمہ: قسم ہے شفع (جنت) کی اور قسم ہے وتر (طاق) کی۔
 اس آیہ مبارکہ سے بھی نفس مضمون کو کافی مواد ملتا ہے۔ یہ دونوں الفاظ
 شفع و وتر حقیقت میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور خود اپنے میں بھی
 اجتماع ضدین کا بحر بکیراں رکھتے ہیں۔ فقہائے عظام نے ان دونوں
 لفظوں کی تشریح میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کافی خواہی کی
 ہے۔ اور بڑے بڑے انمول مولیٰ نکالے ہیں۔ راقم الحروف نے
 اختصار کے پیش نظر مشتے از خروارے قارئین کرام کی خاطر پیش کئے
 ہیں جو ملاحظہ فرمائیں۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الوتر اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور الشفع
 تم لوگ ہو۔ اس روایت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شمار
 میں آتا ہے تو وہ طاق ہے۔ یہ معنی باطل ہیں اس لئے کہ شمار میں آنا اور
 طاق و جنت ہونا سب عوارض ہیں اور جس معروض کو عارض ہوں وہ
 اُن سے موصوف ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ شمار میں آوے۔

اسی واسطے امام ابو حلیفہؒ کی فقہ اکبر میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے لیکن عدد اور شمار کی راہ سے نہیں بلکہ اس معنی میں کہ وہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ جفت ہے۔ آسمان و زمین خشکی و تری اور جن و انس

ہے اور سورج و چاند ہے و علیٰ ہذا القیاس + بعض مفسرینؒ اس طرف گئے ہیں کہ جفت و طاق دو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور انہیں کے شمار سے مخلوقات پیدا کیں ایک وہ جو ظاہر و محسوس ہیں اور دو تم وہ جو روحانی آثار و آخرت سے متعلق ہیں۔

زیادہ تر مفسرین کا رجوع اس قول کی طرف ہی ہے کہ الشفع مخلوق کے صفات ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق میں کمال محال ہے تو ہر مخلوق میں دونوں ضد موجود ہونا ضروری ہے۔ جیسے علم و جہل یعنی مخلوق میں جو شخص عالم ہے وہ ضرور جہل بھی رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی روح کی حقیقت سے جاہل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بن طہمان ثقافت محدثین میں سے گزرے ہیں ان کی نسبت ایک مشہور حکایت ہے کہ کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ہر مہینہ اس قدر عطیہ لیتے ہیں اور ایک مسئلہ کا جواب نہیں جانتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ میں جو کچھ لیتا ہوں وہ تو اُسی قدر کا عوض ہے جو میں جانتا ہوں اور اگر میں اپنے نہ جاننے کے حساب سے لینا شروع کروں تو تمام بیت المال خرچ ہو جاوے اور جن کو میں نہیں جانتا ہوں وہ ابھی بہت باقی رہیں یعنی بے شمار مسائل جن کو میں نہیں جانتا ہوں ایسے باقی وہ ہیں جن کے لئے بیت المال میں کچھ باقی نہیں ہے۔ خلیفہؒ نے یہ جواب پسند کیا اور ابراہیمؑ کے واسطے انعام وافر بھیجا اور ان کی ماہواری رزق میں بڑھا دیا۔ علما متقدمین اس طرح کے سچے سچے تھے۔ اس بیان میں

علماء کے واسطے عبرت بھی ہے کہ وہ اپنے نفس کو جاہل سمجھتے رہیں اور عوام کو چاہیے کہ اپنے علماء کی تعظیم کریں اور اللہ تعالیٰ اجل جلالہ کی عظمت پہچانیں۔

خلاصہ اس قول کا یہ ہوا کہ مخلوقات میں سب صفتیں جفت یا تضاد میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً علم و جہل۔ قدرت و عاجزی حیات و موت بلکہ وہ تمام ضدیں بھی جو راقم الحروف نے کلام پاک سے جمع کیں ہیں اور پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

یہاں اس الجھن کو دور کر دینا بھی ضروری سمجھا گیا ہے وہ یہ کہ ضدین اوصاف مخلوق کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ افراد صفات الہی عزوجل ایسے ہیں جو تناقص سے پاک ہیں۔ مثلاً جناب باری تعالیٰ جل شانہ میں علم ہے اور جہل ندارد۔ قدرت ہے عاجزی ندارد۔ حیات ہے موت نہیں۔ نگہبانی ہے۔ غفلت۔ نیند اور اد نگہ کچھ نہیں۔ قوت ہے ضعف نہیں وغیر ذلک۔ تو معاً خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آخر یہ تناقص والی ضدیں کہاں سے ظہور پذیر ہوئیں۔ جب تمام صفات اسی کا۔ پرتو ہے تو ضعیف صفتوں کا وجود کہاں سے آیا۔ اللہ عزوجل توفیق فرمائے اس پیچیدگی کا حل یوں کریں کہ اللہ عزوجل وتر ہے اور اس میں صفات قدس کمال ہیں۔ تناقص اصل میں کوئی شے نہیں۔ صرف کمال کی ہی تفریط ہے۔ جو افراط و تفریط صفات کے عنوان میں وضاحت سے بیان کی جا چکی ہیں۔ عالم خلق سب کا سب اسی جال میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ ایک سر الہی ہے جو نہ کسی تفصیل اور نہ ہی کسی اجمال کا مقتنی ہے۔ عالم عقل خود مخلوق ہے۔ اس لئے عقل والے اس بھنور کی گرہ کھولنے سے عاجز ہیں۔ صاحب امر یا صورت امر ہی اس حقیقت کو جانے۔ یہ ایک باریک علم ہے اور بنظر دقیق اس میں

ہزاروں نکات پوشیدہ ہیں۔ کلام پاک سے ماخذ ضدوں کا بغور مطالعہ شاید توفیق الہی سے تیرے دل میں کوئی چمک پیدا کر دے۔ جس سے تو متحیر ہو جائے اور تیرا مقصد بر آئے، اسے حیرت زدوں کے مولا میری حیرت بڑھا دے !!!

کیا یہ عجب نہیں کہ ہر چیز جو موجودات سے ہے خواہ برعری ہو یا غیر برعری یعنی جس چیز کو بھی کہ نام دیا جاسکے، سب کی سب ایک دوسرے کا جوڑا اور ضد ہے اور یہ اشیاء افراد ہی حیثیت کے علاوہ یعنی افراد ہی اجتماع ضدیں کے علاوہ بطریق مخالفت یا بطریق شکل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ضدیں آپس میں بے شمار طرق سے رونما ہوتی ہیں۔ بیان کردہ اعداد کا مجموعہ جو کہ کلام الہی سے اخذ کیا گیا ہے اس کا مطالعہ یہ طرق واضح کرتا ہے۔ کہ کوئی ضد تو بحسب شکل ہے۔ کوئی بحسب مخالفت ہے۔ کوئی بطریق احصا ہے۔ کوئی بطریق ورود ہے۔ کوئی آگے پیچھے آنے والی ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں صرف چند بالترتیب پیش کی جاتی ہیں۔ مرد۔ زن۔ نور۔ ظلمت۔ تر۔ خشک۔ آسمان۔ زمین۔ بحر۔ بر۔ گرمی۔ سردی۔ جن۔ انس۔ علم۔ قہر۔ جن۔ شجاعت۔ جو۔ بخل۔ حق۔ باطل۔ کفر۔ ایمان۔ شقاوت۔ سعادت۔ جلو۔ مر۔ مرض۔ صحت۔ غنا۔ فقر۔ صحت۔ بکا۔ فرح۔ غم۔ موت۔ حیات۔ رات۔ دن۔

یہ سب اس لئے کہ تعدد ہر چند صفات ممکنات ہے۔ اگرچہ ظہوران کا واجب بالذات سے ہی ہے۔ اور واجب کسی حالت میں بھی تقسیم یا تعداد کا قائل نہیں ہو سکتا۔ یہاں عقل و علم کے ہوش کیوں نہ گم ہوں۔ علم و عقل خود ان تمام صفات والے بحر بکیراں کے دواونے قطرے ہیں افراد ہی طور پر دواشیاء کا آپس میں تضاد تو عقل نے پالیا

اور اُس کو کمال قدرت کا نام دے کر کچھ تسلی بھی کر لی۔ لیکن شے واحد میں تضاد بلکہ تضاد ورتضاد کو کونسی طاقت پہنچے، حضرت انسان کو ہی لے لیجئے اور ادھر موت و حیات ضدوں کو بھی خیال میں جگہ دیں۔ انسان کے ہر اندام میں روح زندگی رواں ہے۔ کسی ایک حصہ یا عضو کو تکلیف دینے سے حیات کا احساس ہوتا ہے۔ جسم کے لاتعداد بالوں میں سے ایک بال کا پکڑنا یا کھینچنا ثبوتِ احیا کے لئے کافی ہے۔ لیکن قدرت نے خود ان ہی بالوں میں موت پوشیدہ رکھی ہے۔ قہقہے سے کسی ایک بال کی یا سارے بالوں کی تراش و تقصیر بدن میں روانی حیات کو موثر نہیں کر سکتی۔

اس ظاہر ہی موت و حیات کے علاوہ انسان میں ایسی ہزاروں حیاتیں اور اُسی قدر اموات ہر آن جاری و ساری ہیں۔ اگر وہ ایک طرح سے زندہ ہے تو دوسری طرح سے مردہ۔ روح کے نور میں نفس کی اندھیریاں ہی لے لیجئے یا طبیعت کی اندھیریوں میں قلوب کی زندگی اور صفائی۔ جو لوگ اپنی طبیعت کی پرورش میں پڑے رہتے ہیں اور برابر پلے درپلے اس کی تاریکیاں بڑھاتے رہتے ہیں ان کے سرِ باطن کے انوار زائل ہوتے رہتے ہیں اور اس کے برعکس جن ابدان میں نور قدیم کی روشنی چمکتی شروع ہو جاتی ہے تو حد و کث شکستہ ہوتے جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو ارج و اعطاء مضحل ہو کر فنا ہو جاتے ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ حد و کث کے آثار ایسے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتے اور وہ جسم رکھتے ہوئے بھی لطیف ہوتے ہیں۔ انسان کے علاوہ بھی کسی چیز کو دیکھیں تو ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہر شے دوسرے کی ضد ہے۔ اگر آسمان اس قدر بلند ہے تو اس کی ضد زمین۔ اس قدر پست ہے اگر رات اتنی تاریک ہے تو دن ایسا روشن ہے۔

آفتاب میں حرارت ہے تو قمر میں برد و ست ہے اگر خشکی خالی پیدا
فرمائی تو اس کے مقابلے میں آبی سمندر بنایا۔ انسان کو مجبور ظاہر کرنے
کے واسطے تندرستی کے ضد میں بیماری پیدا کی۔ اور اس جیسی ہزاروں
ضدیں جمع فرمائیں جن کا احاطہ محال و ناممکن ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ اپنے بیٹے اسماعیل
علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ بیٹے سے رائے دریافت کی تو جواب
پایا ”یَا أَبَتِ الْفَعْلُ مَا تَوْمَرُ“ اسے باپ کو گزریں جو آپ کو
امر دیا گیا ہے۔ بچے کا ذبح۔ چھری کا کند ہونا۔ فدیہ کے طور پر ذبحہ
کا چھری کے نیچے آنا اور ذبح ہونا یہ تمام امور فہم و ادراک کے احاطہ
سے باہر تھے۔ لیکن عالم امر کے احاطہ میں تھے۔ اس حقیقت امر کے
عرش عظیم کو ملائکہ اربع (علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ حکمت) اٹھائے
ہوئے ہیں۔ اور ان چاروں کی حقیقت بھی عالم خلق سے پہلے رکھی
ہے۔ علم الہی ہو۔ یا قدرت الہی اور اوہ الہی ہو یا حکمت الہی یہ
چاروں حقیقت امر کے سپاہی ہیں۔ ان چاروں طاقتوں کا کم از کم حصہ
عالم خلق میں بھی ودیعت کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے حقائق اعلیٰ کو جو بالترتیب
۱۔ انکشاف۔ ۲۔ کمال بلوغ۔ ۳۔ تقدس اور۔ ۴۔ عدالت ہیں
کل من علیہا فان کے بعد میں رکھا۔ اور فرمایا کہ اس وقت حاملان
عرش بجائے چار کے اٹھ ہوں گے۔ حقیقت امر کے پیش نظر ہر کہ
دم پر قیامت کے دن ہر شے کا انکشاف ہوگا۔ ہر شے اپنے کمال
بلوغ پر ہوگی ہر ایک نے تقدس کا جامہ پہنے ہوگا اور عدل ہی عدل
نظر آئے گا۔ کثافت جو لطافت کی ضد ہے وہاں کا عدم ہوگی کیونکہ
وہاں جلوہ نما فی کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ انکشاف کے ماتحت نہ کوئی
حجاب دور کرنا ہوگا اور نہ کسی کثافت کو دھونا ہوگا۔ تقاضے حقیقت امر

سب کو عالم خلق کے عملوں کی پاداش میں گھیر لے گی۔ معذب اس طرح کہ ایک دوزخی کو دوزخ میں لے جانے کے لئے جو زنجیر اسکی ساق میں ڈالی جائے گی اس کی ایک کڑی کا حلقہ دنیا کا تمام لوہا اکٹھا کیا جائے تو ناکافی ثابت ہو۔ مقرب اس طرح کہ ادنیٰ بہشتی کے خیمہ کی بھالہ میں جو موتی پروئے ہوئے ہیں ایک موتی کی وسعت ساتوں آسمان اور زمینیں گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ ہوگا وہاں انکشاف اور کمال بلوغ اور یہ ہوگی وہاں عدالت اور تقدس +
 سے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی پائے کو کیا پائے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

یہ کلمہ جیسے کہ ظاہر ہے چار الفاظ سے مرکب ہے۔ اے۔ لا۔ الہ۔ الہ۔ الہ۔ اور۔ الہ۔ الہ۔ الہ۔ پہلے تینوں الفاظ اپنے اندر معانی رکھتے ہیں اور چوتھا لفظ شرمندہ معنی نہ ہو سکا۔ اور الہ آپس میں ضدیں ہیں۔ اور اس کلمہ میں نفی مقدم رکھی گئی ہے اثبات پر۔ اعمال کا مدار اکتسابِ اوامر اور اجتنابِ معاصی پر ہے دونوں کا ہونا ضروری سمجھا گیا ہے لیکن ترجیح ووا کی نسبت پر پیر کو دی گئی ہے۔ راہ معرفت میں سائریں کے لئے منازل اولِ نواہی اور پر پیر ہیں۔ تخلیق بہتر ہے تخلیق سے اور صفات سلبیہ مقدم ہیں صفات ثبوتیہ پر۔ الہ اسم صفت ہے لغوی لحاظ سے یہ لفظ اس اونٹنی کے لئے بولا جاتا ہے جس کا دودھ پیتا بچہ ہو۔ اور اسے اپنا دودھ دے کر اس کی حاجت روائی کرے چونکہ عبادات کا تعلق الوہیت سے ہے اور استعانت کا ربوبیت سے۔ جیسا کہ —

الحمد لله رب العالمين

ایاک نعبد و ایاک نستعین

لفظ اللہ دونوں کا جامع ہے یعنی حاجت روا بھی ہے اور تائب
پرستش بھی + اس کے پہلے لفظ لا لگانے سے اس کی نفی ٹھہری +
نفی ہمیشہ ضد کی ہوتی ہے اور اللہ ضد سے پاک ہے۔ اس لئے
نفی بے معنی ثابت ہوئی اور الا للہ کو ثبوت میں لگانا پڑا۔

لا الہ - الا للہ کے مساوی ٹھہرا۔ لفظ اللہ معنوں
سے پہلے ہی مترہ تھا الا پہلے لگانے سے اور چکر میں ڈالا گیا
جنہوں نے الا کے معنی سوائے لئے وہ اس طرح ڈوبے کہ سوائے
کے تصور نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ اور اسوائے ماوراء کے مجنوں
میں پھنس گئے انہوں نے اللہ اور اسوائے کو علیحدہ علیحدہ جانا اور حدود
کے چکروں میں ٹھوکریں کھائیں۔ دوسرے گروہ نے اللہ سے مراد
دگرہالی اور اس کلمہ کا یوں ترجمہ کیا کہ ”نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ“ یعنی
جن کو ایک گروہ اسوائے کہہ رہا ہے وہ وہی ہے۔ آگ۔ پانی۔ ہوا
درخت وغیرہ سے مدد و راصل اسی سے مدد ہے۔ غیر یا ضد کوئی
شے نہیں۔ یہ گروہ پہلے گروہ سے بالکل الگ تھلک ہو گیا۔ نہ
”گروہ سوا“ کسی منزل پر پہنچا اور نہ ”گروہ مگر“ کو کہیں سکوں ہوا۔ ایک
چار لفظی کلمہ نے جو حقیقت امر کے آغوش دہن سے پھوٹا۔ سارے عالم
کو متحیر کر دیا۔ حقیقت امر سے آیا تھا اور لغت غریب بن کر رہا
اللہ کی نفی نے دعوت اس کی دی اور طرف اس کے بلا یا جو پکاروں
اور اطراف سے پاک اور فہم و ادراک سے ورہ آقا اور ورہ
ایک طرف تو اللہ ہی کوئی نہیں اور اگر دوسری طرف کوئی
(اللہ) ہے تو وہ سمجھ سے باہر۔ مجہلا عالم خلق کا پتلا اس حقیقت

کی رمر کو کیا پائے۔ اگر تجملہ موجودات کو اسی کا نام دے تو پھنسے اگر
اس کا غیر جلنے تو مارا جاتے۔ اسے قعر دریا میں چھوڑا گیا ہے اور
تر دامنی سے اعراض کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ آخر یہ کیوں نہ اپنی بے بسی
اور حیرت کو بروئے کار لائے اور اس حیرت کے ماتحت اپنی زبان
سے لا الہ الا اللہ کہہ کر دخول جنت کا اہتمام کرے۔ یقیناً
حقیقتِ امر اس کا کلمہ قبول فرمائے گی۔ و باللہ التوفیق۔

الصَّلَاةُ

سمجھ لیجئے کہ کلمہ کے بعد صلوٰۃ کا درجہ ہے۔ یہ عالمِ امر کا تحفہ
عالمِ خلق میں اولی الامر گروہ کو صورتِ امر کی معرفت ملا۔ تاکہ حدوث
خلق سے نکل کر اپنی معراجِ عالمِ امر میں کریں۔ اس کی تاکید قرآن پاک
میں متعدد بار آئی ہے۔ زیادہ تر اقامتِ صلوٰۃ، کہیں حفاظتِ صلوٰۃ
اور کہیں مداومتِ صلوٰۃ کا فرمان ہے۔ اہل امر کے نزدیک اقامت
صلوٰۃ۔ محافظتِ صلوٰۃ اور مداومتِ صلوٰۃ سوائے ادائے ارکان
اور آدابِ نماز کے جو عالمِ خلق سے وابستہ ہیں یہ بھی ہے کہ ستر ہر ایک
کا دریافت کرے اور قصد کرے کہ اپنے آپ کو اس ستر کے ساتھ
متحقق کرے اور ان اسرار کی تحقیق بحسب استعداد اور مراتب
مختلف ہے عرفانے فرمایا ہے کہ نماز میں طہارت نجاستِ حکمی اور
نجاستِ حقیقی سے اس واسطے مقرر کی ہے تاکہ علائقِ عالمِ خلق سے
کہ سب کے سب حادثات اور نوپیدا ہیں اور خبثت سے بھی خالی نہیں
پاکیزگی حاصل ہو۔ اور ایک طرح کی مناسبتِ حقیقتِ امر جو جناب
مشرکہ ہے حاصل ہو۔ اور قابلیتِ حضور کی بیچ جناب مقدس کے پیشتر

آوے۔ کیونکہ حضور مئی قلب کے بغیر یہ صلوٰۃ ہی نہ ہوگی۔ مصلیٰ کے لئے سب سے پہلے قبلہ کی طرف ظاہر کی توجہ دلالت کرتی ہے کہ باطن کو بھی متوجہ جناب حق کہ منشاء وجود آدمی ہے کیا چاہیے + تکبیر تحریمہ اشارہ ہے کہ میں نے دونوں عالم (عالم خلق اور عالم امر) سے ہاتھ اٹھائے اور حقیقت امر کو جمیع اکوان سے بزرگتر جانا اور اپنے اس عقیدہ کی سند میں دعائے استفتاح (سبحانک اللہ) ہے۔ مصلیٰ کا کھڑے ہونا راہ معرفت میں استقامت پر کھڑے ہونا دلالت کرتا ہے۔ اور سورہ فاتحہ کی قرات کہ سنائے زبانی ہے اور زبان ترجمان دل ہے دلالت کرتی ہے کہ دل میرا بالکل اس کی طرف مائل ہے اور اسی صورت میں خطاب کے الفاظ اور عبارت اور استقامت کی تخصیص اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ میں نے رتبہ مشاہدہ اور مخلطے کا پایا۔ اور سوال ہدایت کا اور فرار اہل غضب اور ضلالت اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ میرا نقص۔ میل اور میری نفرت سب تیرے تقدس کا تابع ہے۔

اسی طرح رکوع دلالت کرتا ہے کہ عظمت الہی کے مشاہدہ کے سبب میری پشت خم ہوئی۔ پھر قومہ دلالت کرتا ہے کہ میں نے اس انکسار میں بھی استقامت برتی۔ پھر سجود کہ کمال تذلّل ہے کمال تقرب کے اوپر اشارہ کرتا ہے کیونکہ بمقدور بشر تقرب اس قدر ہے کہ اپنے اجزا کو یہاں تک پست کرے کہ اپنی اصل یعنی خاک کے ساتھ پیوست کرے دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کی تکبیر کو دفع کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ پھر قعود اشارہ کرتا ہے بحصول اعزاز و اکرام اور جناب سے کہ مجرا قبول فرما کر پر وائیگی بیٹھنے کی دی پھر سلام دلالت کرتا ہے اوپر رجوع کے اس سفر باطنی سے

اور ہر موضوع ان اسرار کا لحاظ چاہتا ہے۔ پس یہ ہے اس تحفہ امر کا کمال و افراط۔ اور مرتبہ اس کا جمیع عبادات سے بلند تر ہے کہ یہ ہمیت جامع عبادات بدنی اور نفسی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل اعمال سے افضل ہے تو فرمایا الصلوٰۃ لوقتها۔ یعنی نماز وقت پر پڑھنا۔ جب یہ تحفہ عالم امر سے عالم خلق میں بطور امانت آیا تو ایک گروہ نے سرے سے ہی اس میں خیانت کی ایک گروہ نے اس امانت کو ضائع کیا اور صرف صاحب امر گروہ نے اس امانت کی حفاظت کی۔

صلوٰۃ چونکہ عالم امر سے متعلق تھی۔ مانند دیگر امور کے اعداد کی حامل ہوئی اور اپنی تفریط میں یہاں تک پہنچی کہ یہی نماز ریاکاروں منافقوں اور غافلوں کے لئے ویل بنی اور کلید دوزخ ہوئی۔ اور یہ گروہ باوجود عاملۃ ناصبۃ کے تضحلی ناراحامیہ ہوئے کتاب ازلی سبقت کر گئی اور ان کے عمل بیکار و بے فائدہ ثابت ہوئے خشوع و خضوع اور کثرت نوافل ان کا حظ نفس رہا۔ نہ کبھی وادعی امر میں حیران و ششدر ہوئے اور نہ سعادت و اربین حاصل کی۔ اس تحفہ امر کا کمال تو عاجز ہی تھا جس سے شایدہ امر ہونا تھا۔ عامۃ الناس نے اس عمل کو ایک پریکٹس (Practice) اور معمول کا درجہ دیا اور صاحب امر ان اوقات میں ایسے فنا اور گم ہوئے کہ باقی سارے احساسات منقطع ہو گئے ایک طرف یہ نماز شایدہ حق کداتی ہے تو دوسری طرف یہی نماز خوارج و روافض میں داخل ہو کر انکو دوزخ کی آگ سے بچا نہیں سکتی۔ صورت امر صلیم نے انہیں گروہ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم لوگ ان کی نماز کے آگے اپنی نماز کو حقیر جانو گے

اور ان کے روزے کے آگے اپنے روزہ کو حقیر سمجھو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیگے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ یہ حدیث پاک نماز کی ادنیٰ حیثیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نماز ہی ہونے کا زعم آپ کو کسی ساحل پر نہ لگا سکے گا۔ اور ادھر ترک صلوٰۃ کی وعیدیں بھی نمایاں ہیں۔ اور اس کے عہداً ترک کرنے کو کفر تک کا درجہ دیا۔ یہ گیسوئے امر اپنی ابتدا سے انتہا تک بے شمار مراتب رکھتا ہے۔ اور یہ شان امر اپنے ارکان میں بھی تفریط و افراط سے وابستہ رہی۔ تفریط یہ کہ اشاروں سے بھی حالت مجبوری و معذوری میں روا رکھی گئی اور افراط یہ کہ سارے انداموں کا اپنی اپنی وضع پر نسبت پر رکھنا واجب ٹھہرا حتیٰ کہ سجدہ میں پاؤں کی دس انگلیوں سے ایک انگلی کا زمین پر چسپاں رکھنا فرض ٹھہرا۔ دو کا واجب اور کم از کم تین کا سنت + اس گیسوئے امر نے تخلیق آدم سے لے کر صورت امر تک کئی سنگار بنائے اور کئی زمان و مکان بدلے صورت امر نے اسے موجودہ لباس پہنایا اور اس امر کو امر کی حیثیت میں ہی رکھا۔ ساری روئے زمین اس کی ادائیگی کے لئے مقرر کردہ ہیں جس سے مکان کی قید اٹھ گئی۔ اور ”وہم علیٰ صلوٰۃ ہم دائمون“ نے اسے مداومت بخشی جس سے زمان کی قید بھی اٹھ گئی۔ معراج سے یہ امر ظاہر ہوا تھا اور اس کی وابستگی کو بھی اولی الامر کا معراج ہی ٹھہرایا۔ اس طرح اس کا اول بھی آخر اور آخر بھی اول ہوا جو اس شان امر سے مشابہہ حق میں عرق ہوئے انہوں نے اس امر کی صورت بھی دیکھی اور اس کی حقیقت کی جانب بھی راہ پائی اور اس راہ میں اپنے آپ کو ایسا عاجز پایا کہ سلام کے بعد ہی عقل نے انہیں اگر سلام کہا۔ جملہ عبادات اسی لٹ کے بال ہیں۔ صوم۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ

صلوٰۃ ہی ہیں۔ غیر صلوٰۃ کے کسی ایک عبادت میں صلوٰۃ نہیں لیکن صلوٰۃ میں سب عبادات آجاتی ہیں۔ تلاوت۔ تسبیح۔ حمد۔ استغفار۔ دُعا و درود کے علاوہ صلوٰۃ صوم کے معنی میں یوں مشتمل ہے کہ مشتبہات سے نفس جس میں رہتا ہے۔ بلکہ نماز میں بہ نسبت صوم کے زیادتیاں بہت ہیں اس واسطے کہ آنکھ کو بھی التفات غیر سے نگاہ رکھنا ہے اور زبان کو بھی سوائے اس کے نام کے ذکر کے اور اس کے کلام کی تلاوت کے بند رکھنا ہے۔ اور پاؤں کو بھی کسی دوسرے مقصد کی طرف حرکت سے مٹھرا نا ہے۔ اور ہاتھوں کو بھی داد و ستد سے کھینچنا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قوت فکر یہ اور خیالیہ کو بھی محرّمات سے بچانا ہے۔ اور یہ معنی صوم میں تحقیق نہیں۔ صلوٰۃ معافی حج کو اس طرح مشتمل ہے کہ تکبیر تحریمہ اُس کی بجائے احرام ہے اور استقبال قبلہ کا بجائے طواف اور قیام بجائے وقوف عرفات ہے۔ اور رکوع۔ سجود اور باقی حرکات مثل سعی کے ہے۔ کہ درمیان صفا اور مروہ کے بجالاتے ہیں۔ صلوٰۃ اوپر معافی زکوٰۃ کے اس طرح شامل ہے کہ بذل مال برائے سیر عورت اور تحصیل آلات طہارت اس میں واجب ہے۔ علاوہ ازیں صلوٰۃ عبادات جہادات عبادات چرندہ اور عبادات جانوراں کو بھی متضمن ہے۔ جیسے بیٹھنا۔ رکوع کرنا اور ذکر و تلاوت اسمائے الہی یہی صلوٰۃ عبادات حشرات۔ عبادات اشجار نباتات اور عبادات جمیع فرق ملائکہ اور عبادات کروہیں کو بھی شامل ہے۔ جیسے سجود۔ قیام اور استفراق مشاہدہ عام نظریہ کے ماتحت اور بعض مفسرین کرام کے اقوال کی بناء پر بھی یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ کلام الہی میں صلوٰۃ کا بار بار ذکر اس کی تاکید کا موجب

لیکن یہ اسلوبِ کلامِ الہی کے خلاف ہے۔ کلامِ الہی جیسے کہ کہیں پہلے ذکر ہو چکا ہے عالمِ امر سے ہے اور عالمِ خلق کے سامنے بطریق اجمال آیا ہے۔ اس کا ہر لفظ دوسرے لفظ سے اور ہر آیت دوسری آیت سے بقول ایک صاحبِ امر کے ہزار کوس کا فاصلہ رکھتی ہے اور اس کا ایک نقطہ اپنے اندر بحرِ بیکراں سمٹے ہوئے ہے۔ تفہیم کے پیش نظر بھی اجمال میں تنگ آ رہے معنی ہے۔ تکرار ہمیشہ تفصیل کا تقاضہ کرتا ہے نہ کہ اجمال کا۔ کلامِ الہی کا کسی حکم کو صرف ایک بار ہی فرما دینا اپنے اندر بے پناہ قوت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا اشارہ اور استنباط بھی درجہ و وجوب سے کم نہیں رہتا اور اس کی نفی موجب عذابِ نار بن جاتی ہے۔ لفظِ صلوٰۃ کو قارئینِ کرام اس زاویہ کے ماتحت مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ شانِ امر کس کس لباس و رنگ میں اور کون کونسی ہیات میں عالمِ خلق پر نمودار ہوئی۔ کبھی صورتِ امر کی ادواؤں کا مجموعہ بن کر ہمارے سامنے آئی کبھی صورتِ امر کے جمالِ جہاں آرا کا تماشا کرانے کا بہانہ بنی کبھی مستقبل میں وصالِ حق کا پیش خیمہ ہوئی کہ غرضیکہ عامی سے لیکر صدیقیت تک کسی ایک سے زائد کے لئے ایک ہی کیفیت میں نہ ٹھہری۔ کبھی اس کو بے حضور دے سرور کہا گیا اور کبھی اسے حضور ہی اور معراج کا بلند مرتبہ دیا گیا۔ حتیٰ کہ صورتِ امر نے اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی فرمایا۔ اور عالمِ خلق کے لئے اس تحفہ کو پسند کیا۔ انسانوں کے علاوہ باقی تمام کائنات بھی اسی صلوٰۃ کی مرہونِ منت ہے۔ جہاں انسانوں کو محافظت صلوٰۃ کا ذکر فرماتے "قت" و قومو للہ قانتون" کا حکم دیا تو دوسری تمام کائنات کے لئے بھی "کلّٰ له قانتون" فرمایا

عزت

قرآن پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ امر ہر جگہ باوقار رہا۔ جس شے سے وابستہ ہوا اسے بھی باوقار کر گیا جو ہر امر فوق العقل ہونے کی حیثیت سے بھی معظم ٹھہرا۔ عقل منکسر اور امر متکبر + عقل عام و دلیل امر عزیز + عقل پابند۔ امر آزاد + عقل چراغِ راہ۔ امر منزل + عقل کی انتہا۔ امر کی ابتدا + عقل ثبوت کی بیعت۔ امر سلب کا بادشاہ + عقل کی رسائی موجودات تک۔ امر کی تقویم میں ہر دو موجودات و معلومات اور ایسے زمن بھی جو مرہون نام نہیں۔ حقیقت امر رب العزت **إِنَّ الْحَيَاةَ دَلَّةٌ جَمِيعًا**۔ اور ساتھ **لِلَّهِ الْعِزَّةُ وَالرَّحْمَةُ** و **لَا الْمُؤْمِنِينَ**۔ یہ اس لئے کہ مومن صاحب امر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم صورتِ امر۔ اور اللہ حقیقتِ امر ان تینوں میں امر کا پایا جانا باعثِ عزت ہو۔ باقی جملہ مخلوق اس سے محروم۔ اور ان کا معیار عزت تمام تر بوجہ اور کاغذی۔ والی الامر منکم والی آیہ مبارکہ میں بھی اطاعت و فرمانبرداری اسی امر کے تحت ہے۔ نہ کہ دنیاوی جاہ و جلال کے باعث۔ اس کو سمجھنا چاہیے کہ درحقیقت تمام عزت حقیقتِ امر کے پاس ہے + کیا انسان ضعیف البیان اور کیا اس کی عزت! عزت تو خدا کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے سر بلند کرے جس کو چاہے رسوا کرے اور یہ سر بلند ہی اور رسوائی بھی دنیوی سر بلند ہی اور رسوائی نہیں بلکہ صفتِ امر کی عطا اور اس کا فقدان درحقیقت سر بلند ہی اور رسوائی ہے۔ جیسے امر تمام تر اس کی یشا اور ارادہ کا نام ہے۔ ایسے ہی عزت تمام تر اس کی یشا سے متعلق ہے۔ **وَتَعَزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتَذِلُّ مَنْ تَشَاءُ** اسی معنی میں ہیں۔ پس عزت اس میں ہے کہ حقیقتِ امر کے طاعت گزار بندے بنے

رہو اور ہر جماعت اولی الامر کی ہی ہے۔ اگر امر نہیں تو بجائے عزت
 کے ذلت ہے۔ فقط لفظ "معز" یا "سُعز" لفظ نبیؐ کی طرح ہر
 دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے نبیؐ کے معنی "خبر یافتہ" اور "خبر
 دہندہ" دونوں میں ایسے ہی معز کے معنی "عزت یافتہ" اور "عزت دہندہ"
 ہیں۔ واللہ العزۃ اللہ کے واسطے عزت ہے اور اللہ کے
 ہاں عزت ہے۔ اسی طرح صورت امر کے لئے عزت ہے اور
 صورت امر کے ہاں عزت ہے۔ ایسے ہی اولی الامر حضرات
 صاحب عزت بھی ہیں اور عزت بخشے والے بھی۔ اور سوائے ان
 کے اور کسی کو نہیں مل سکتی۔ یہ حضرات صاحب امر ہونے کی حیثیت
 سے توحید پرست ہیں اور صورت امر کی راہ شریعت کی پابندی سے
 ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں عزت اور غلبہ ہے۔ جن کی توحید
 کامل نہیں اور ایمان واقعی نہیں ان کو یہ استحقاق نہ ہوگا۔ اس صفت
 امر کا بلند ترین معیار وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلعم کے
 نزدیک پسندیدہ ہو۔ کچھ مال و دولت وغیرہ سے عزت نہیں ہے
 ہاں دنیا میں بوجہ اوہام شیطانی کے اسکو عزت قرار دیا جاتا ہے۔ جو
 لوگ پابند نفس ہیں وہ عزت کو ایسی جگہ سے طلب کرتے ہیں جہاں
 ذلت ہے۔ اس واسطے کہ عزت صفت ازلی ہے اور جو شخص
 بصفیت ازلیہ موصوف نہیں وہ اگر عزت چاہتے ہیں تو ایسی ذات
 سے چاہیں جس کو حقیقت امر نے اپنی عزت سے عزیز فرمایا ہے یعنی
 صورت امر صلعم اور آپ کے صحابہ و اولیاء کے پاس سے عزت ڈھونڈیں
 کیونکہ اُن پر عزت حق کی چادر ہے جس نے حقیقت امر سے عزت
 ڈھونڈی وہ عزیز ہوا اور جو غیر پر مغرور ہوا وہ ذلیل ہوا۔ جو عارف
 ہے وہ حقیقت امر سے ہی عزت دیکھتا ہے جو قلب اس خواہش

میں پڑا کہ اس کو عزت حاصل ہو تو اس پر خراجی چھا جاتی ہے جیسے چاند کو کہن
 لگ گیا کیونکہ یہ نفس کی رعونت ہے۔ دنیاوی عزت چاہتے ہیں اگر منہ
 سے کلمہ اسلام بھی ظاہر کریں تو بھی کافر بلکہ دومنہ والے کافر۔ کسی کی
 اطاعت یا بندگی یا فرما برداری بھی اسی شانِ امر کے تحت ہوتی ہے۔
 اطاعت کا پہلا مرتبہ حقیقتِ امر کے لئے رکھا۔ دوسرا مرتبہ صورتِ امر
 کے لئے اور تیسرا مرتبہ اولی الامر کے لئے۔ حالانکہ دراصل وہ ایک ہی
 ہے یعنی اللہ عزوجل۔ اور وہی سب کا مرجع ہے اور مقاماتِ دلالت
 میں سے ایک ایک مقام کے ساتھ یہ طاعت مخصوص ہے چنانچہ جو
 شخص ایسا ہے کہ بساطِ قرب کی صلاحیت رکھتا ہے اور بلا واسطہ
 فہم خطاب کے لئے لائق ہے تو وہ بلا واسطہ مراد حق کا مطمح ہے اور یہ
 مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اسی طاعت کے ماتحت ہم سب پر
 واجب ٹھہرا کہ اگر ہم میں سے کوئی فہم خطاب صورتِ امر کی صلاحیت
 رکھتا ہو وہ اس صورتِ امر کی طرح رجوع کرے اور جو شخص اس
 درجہ کو نہیں پہنچا کہ خطاب صورتِ امر کو سمجھے اور اس سے استنباط
 کرے اور اشارہ کو جان لے تو وہ اولی الامر حضرات کی طرف رجوع
 کرے۔ وہ اول تو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر ان کے بعد تابعین
 رحمہم اللہ۔ پھر ائمہ اہل علم۔ صالحین اولیاء و عارفین ہیں کیونکہ ان بزرگوں
 نے صورتِ امر کے خطاب کو جو جوامع الکلم ہے۔ سمجھ کر ظاہر کیا ہے۔
 اور یہ بھی حقیقتِ امر ہی کی طاعت بواسطہ اولی الامر کے بواسطہ
 صورتِ امر کے ہے۔ کیونکہ ہر دو اولی الامر اور صورتِ امر
 حقیقتِ امر کے سایہ پڑنے کی چیزیں ہیں اور جو شخص بہارِ حقیقتِ امر
 اور آثارِ عظمتِ صورتِ امر دیکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ اولی الامر
 حضرات پر نگاہ کرے۔ جو کوئی امر کے لباس سے آراستہ ہے اس کا

حکم وہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور اسی کو اشارہ عین الجمع کہتے ہیں یہ حضرات فہم خطاب خاص کے مقام پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور علوم مشغلہ مجہولہ جانتے ہیں۔ اگر عوام بھی اپنے اختیار نفسانی کو اولی الامر کے حوالے کریں جن کو ملک و ملکوت کا عرفان حاصل ہے۔ تو انہی حقائق مفہوم خطاب کو سنیں اور اپنی باطل رائے کی وجہ سے نجات پا کر فیض علوم ربانی پائیں۔ اور حقائق سے واقف ہو کر عزت پائیں۔ لیکن اس میں بھی امر اپنے اصول سے باہر نہیں جائے گا ان اکرامک عند اللہ اتقا کمر میں عزت و کرامت کا معیار تقویٰ ہوا اور اتق اللہ حق تقا تہ میں تقویٰ کا معیار اللہ عز و جل کے حق پر ٹھہرا۔ نہ اللہ عز و جل کی انتہا اور نہ ہی اس کے حق کی کوئی انتہا۔ جب اس کے حق کی کوئی انتہا نہ ٹھہری تو تقویٰ کا بھی کوئی معیار نہ ٹھہرا کہ کس مقام پر کون شخص کس وقت تقویٰ کی منزل پر ہے۔ عامی سے لئے کمر صدیقیت تک تقویٰ اپنے اپنے مقامات پر حسب مراتب ظاہر ہوگا۔ اور ایسے ہی اس کے ساتھ عزت بھی۔ حتیٰ کہ اس کی انتہا اللہ جمیعاً پر ختم ہوگی۔ پھر حکمرانی اپنے انداز میں صورت امر میں ظاہر ہوگی۔ اور ان کی اتباع میں اولی الامر میں۔

یہ بھی گیسوئے امر کے اس بال کی افراط اور امور کی طرح اس کی تفریط کا انداز بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ لفظ عزت اپنی تفریط میں سرکہ و مہ کے ساتھ ہے۔ سب مدعی میں کہ ہم اشارہ اللہ عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ منکرین بھی اخذ تہم العزۃ بالاشعر میں سرشار ہیں۔ اور اپنی اس عزت کے نشے میں اس قدر سرکشی کرتے ہیں کہ قیامت میں ذق انک انت العزیز الکریم

کا متارکتا نہ خطاب حاصل کرتے ہیں۔ تفریط میں عزت۔ ۱۔ مال و دولت
 ۲۔ طاقت اور ۳۔ عقل عام سے وجود میں آتی ہے۔ اگرچہ افراط
 میں اس کا معیار تقویٰ ہے۔ عقل۔ طاقت اور مال تینوں سے مرثین
 عزت دنیا کے ہر گوشہ میں رواں و دواں ہے۔ اس کا تقویٰ یا دین
 سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسی عزت کا استقبال کرنے والے بھی معززین
 کہلاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ معززین عند اللہ بھی مکرم ہوں۔ اس
 شان امر کی تفریط کا ظہور بھی کچھ ایسے انداز سے ہوتا ہے کہ عقل عام
 متحیر ہو جاتی ہے۔ ایک بادشاہ جسے تقویٰ کی وادہی میں کبھی رسائی نہیں ہوتی
 پوشا پوش کی صداؤں میں اور اور توپوں کی دھن دھن میں اعزاز حاصل
 کرتا ہے۔ اسکے اعزاز میں کبھی رات کو سرک پر دو لوہیہ درختوں میں مقیم
 روشن کئے جاتے ہیں اور اس کی سواری کے آگے پیچھے محافظتی دستے تعین
 ہوتے ہیں۔ عقل عام اس کے سامنے خمیدہ سر ہوتی ہے۔ اور اس کے
 اعزاز میں طرح طرح کے ایثار و قورع پذیر ہوتے ہیں۔ اور اس عمل کو
 مہمان کی عزت کے الفاظ دئے جاتے ہیں۔

کبھی یہ شان امر اہل دنیا سے ذلت خوردہ نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ بے
 خطر دار تک اپنے آپ کو لے جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی معزز کہلاتی ہے۔
 اور اسے عند اللہ مکرم کا نام دیا جاتا ہے۔ نہ اس شان امر کا معیار خوشحالی
 ہے نہ بدحالی۔ نہ دنیاوی عزت نہ دنیاوی ذلت مقیاس عالم کا کوئی
 زاویہ ایسا نہیں جس میں یہ شان ثابت نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا زاویہ
 ہے جس میں اس شان کی نفی ہو۔ کسی کے حق میں ظاہری عزت ذلت
 اور کسی کے حق میں ظاہری ذلت عزت بن جاتی ہے۔ شان امر جو ٹھہری
 اپنی افراط میں تفریط اور اپنی تفریط میں افراط رکھتی ہے۔ اور ہر قسم
 کی بندش سے آزاد ہے۔

فضل و رحمت

عزت و کرامت کی طرح فضل و رحمت والی صفت امر بھی عالم خلق میں اس سرعت سے سراقت کئے ہوئے ہے کہ پیمانہ عقل کی وسعت اسے بھی احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ عز و جل کا فضل اس کی ایک شان امر ہے۔ اس کا تذکرہ حقیقت امر نے اپنی کلام پاک میں متعدد بار فرمایا ہے۔ اور ہر جگہ یہ لفظ فضل اپنے اندر اعجاز و حقائق کے سمندر پنہاں کئے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ راقم حروف اس لٹ کے بال میں یوں الجھنے کا ارادہ کرتا ہے کہ پہلے کلام پاک میں جہاں جہاں لفظ فضل وارد ہوا ہے اس کی مختصر تفسیر جو اولی الامر حضرات نے کی ہے بیان کی جائے اور اگر بعدہ کوئی نتیجہ نظر آئے تو وہ مطالعہ کرنے والوں پر ہی چھوڑا جائے اپنا دخل تو گیسوئے امر کے ہر بال میں حیرت ہی ہے اور حیرت ہی رہے گا ہاں کچھ ترتیب بمطابق تحریر کلام پاک دی جائے گی۔ و اللہ التوفیق۔

وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ (سورہ بقرہ)

آیت نمبر ۷ اپنے زمانہ کے عالمین پر فضیلت یہ عطا ہوئی کہ انہیں میں انبیاء و رسول بھیجے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی۔ بنی اسرائیل میں انبیاء بکثرت ہیں اور توریت۔ زبور اور انجیل تین کتابیں ان کو ملیں تو اس راہ سے ان کو سب پر فضیلت ہے۔ پھر چونکہ باپ دادوں کی فضیلت سے اولاد کو فضیلت ملتی یا موجود ہیں یہود کو اس پر فخر تھا ان کو یہ نعمتیں اور فضیلت یاد دلا کر تنبیہ و تہدید فرمائی۔

۲۔ فضل بمعنی رزق جو خرچ کئے ہوئے قائم مقام اللہ تعالیٰ کی

طرف سے عطا ہو۔ فضل یہ ہے کہ جو خرچ کیا ہے اس سے افضل عطا کرے پس دنیا میں رزق میں وسعت دے اور آخرت میں ثواب جمیل عطا فرمائے فضل اس کا وسیع ہے۔ بشر کے قیاس سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ عقل و سمجھ اس کی ادنیٰ مخلوق ہے۔

فضل اس کا یہ ہے کہ اپنا مشاہدہ عنایت کرتا ہے اور اپنی درگاہ میں تقرب دیتا ہے اور اپنی معرفت اور توحید سے سرفراز کرتا ہے اور اسرار کشف کر دیتا ہے۔ بعضوں کے نزدیک فضل یہ کہ حکم ازلی پر رضا مندی حاصل ہوتی ہے اور وصال ملتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ وعدہ دیتا ہے فضل کا یعنی قناعت۔ اور وہ یہ ہے کہ سوائے جناب باری کے سب سے استغنا ہو۔ بہترے لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ راہ خیر میں خرچ کرنے کی حالت میں محتاج ہیں اور بے جا صرف کرنے کے وقت مال دار ہیں۔ مہلا کسی کو دیکھا گیا کہ اس نے خیرات کرنے کے واسطے قرض لیا ہو اور ایسے بہت ہیں جنہوں نے شادی بیاہ اور طعام اموات کی دھوم کے واسطے ہزاروں قرض لئے۔ تاہم فضلنا بعضہم علی بعض (سورۃ بقرہ آیت ۲۵۴) بعض کو بعض پر فضیلت دی اس طرح فضیلت دی کہ بعض کو مخصوص کیا ایسے منقبت سے جو دوسروں کے لئے نہیں ہیں اور اس کا جاننا ہر پیغمبر میں سوائے اللہ تعالیٰ کے ناممکن ہے۔ یہ فضیلت تعصب کی حالت میں منع ہے اور اگر ایسی حالت نہ ہو بلکہ تحقیق سلامتی کی حالت ہو تو تفصیل میں مضائقہ ہیں۔

وکان فضل اللہ علیک عظیماً (سورۃ نسا آیت ۱۱۳) بیان دنیا و آخرت حلال و حرام سکھا کر خلق پر حجت کیا اور اس حجت و برہان کو فضل کا لفظ دیا۔ اسی آیت مبارکہ سے پہلے جو فرمایا

ہے کہ 'لولا فضل الله عليك ورحمته' اس میں فضل سے مراد تفسیر میں کرام نے آپ کا معصوم و محفوظ ہونا لکھا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (سورۃ المائدہ ایت ۵۴)

یہاں فضل انھوتِ اسلامیہ - اعدائے دین سے مقابلہ اعلانِ توحید اظہارِ حق میں بے باکی کے معافی میں آیا ہے۔ فضل کو کسی کا استحقاق نہیں رکھا اور ساتھ ہی فضل سے کوئی محروم نہیں رکھا۔ جسے چاہتا ہے اس شانِ امر سے سرفراز فرماتا ہے اور ساتھ ہی اس کی یشا ہر ایک پر محیط ہے۔ اس امر کی عطایں ہر ایک کی اہلیت۔ قابلیت مصلحت و حکمت علیحدہ علیحدہ ہے۔ جہاں جس میں اور جس قدر یہ صفات پائی جاتیں اس مقدار کے مطابق شانِ فضل ملتی ہے۔ ورنہ حقیقتِ امر پر نہ کوئی چیز بالذات واجب ہے اور نہ کسی کے اعمال اس کے موجب ہیں۔ وہی صاحبِ ارادہ۔ مالکِ مختار اور صاحبِ فضل ہے۔ اس کا فضل کامل ہمہ گیر اور دقیق ترین ہے۔

وَأَنْ خِفْتُمْ عِيلَةً فَسَوْفَ يَغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (سورہ بوبہ ایت ۱۷)

یہاں فضل بمعنی اغنی ہے یعنی اللہ تمہیں غنی (مالدار) بنا دے گا اور تمہارا فقر دور کر دے گا۔ کیونکہ علم و حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تمہارے اخلاص کو دور کرنے کے جو طریقے اُس نے مقرر کئے ہیں ان سے بھی بخوبی واقف ہے۔ لہذا تم بے چوں و چہرا اس کے حکم کی تعمیل کرو اور غریبی کا کچھ اندیشہ نہ کرو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے بارشیں برسا دی غلہ زیادہ ہوا

اور دیگر بلاد و اسلامیہ سے رسد کا سامان بکثرت آیا پھر رفتہ رفتہ ٹھوڑی ہی مدت میں شام و روم ایران اور دیگر ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ کیونکہ تو نگری اور فارغ البالی بھی اسی کی حیثیت پر موقوف ہے۔

قَالَ رَحِمَنَا اللَّهُ سَيُوتِنَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ (سورۃ توبہ آیت ۵۹)

مفسرین کرام نے آیت سے فضل کے معنی ہر اس عطا کے لئے ہیں جو حقیقت امر یا صورت امر کی طرف سے ہو خواہ وہ عطا بشکل مال ہو یا حکم صورت امر کی خوشنودی کو اپنا مرکز توجہ اور مال زندگی قرار دینا فضل ہے دنیاوی عطیات کی طرف راغب ہونے کی بجائے حقیقت امر کا طالب اور اس کے قرب کا متمنی ہونا چاہیے جو کچھ بھی اس کی جناب سے عطا ہو اسے فضل سمجھے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ عِنْدَ اللَّهِ لَيُنَازِلُنَا مِنْ فَضْلِهِ لِنَصَّدَّقَ
وَلَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۖ فَلَمَّا أَتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ
بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا هُمْ مَعْرِضُونَ (سورۃ توبہ آیت ۵، ۶)

ان دونوں آیتوں میں فضل سے مراد مال و دولت ہے اور اشارہ ہے کہ عامۃ الناس فضل (مال و دولت) مانگنے میں اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ عز و جل مال عطا فرمائے تو وہ اللہ کی راہ میں خیرات بھی کریں گے اس حق میں سچے بھی رہیں گے۔ اس کی تصدیق بھی کریں گے اور صالح بنے رہیں گے لیکن جب ان کو فضل (مال) میں سے مل جاتا ہے تو بخل کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے حق میں سے کمی کرنے لگتے ہیں۔

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ۖ هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ (سورۃ یونس آیت ۵۸) اس کے متعلق سلف کا اعتقاد یوں ہے کہ اللہ کا فضل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ کی رحمت قرآن کما قال اللہ تعالیٰ "وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا"

یہ بھی احتمال ہے کہ فضل و رحمت صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں یا فضل و رحمت قرآن کریم۔ بعض نے فرمایا کہ اللہ کا فضل قرآن اور رحمت حضور علیہ السلام ہیں وما ادبرناک الا رحمتہ اللعالمین اس طرح اس کی چار تفسیریں ہیں۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فضل قرآن ہے اور رحمت دین اسلام حسن و ضحاک۔ مجاہد اور قتادہ رضوان اللہ علیہم کا قول ہے کہ فضل ایمان اور رحمت قرآن حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ فضل الہی قرآن سے اور رحمت یہ ہے کہ تم کو ان میں سے (یعنی اہل ایمان میں سے) کر دیا۔

امام کوثرؒ نے اس آیت کی ایک تفسیر تصوف آمیز نہایت بہترین کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ صاحب امر حضرات کے درجات متفاوت ہیں ظاہری شریعت کے پابند۔ باطنی طہارت کے دلدادہ۔ نور حق کے منظر اور صدق و یقین میں حد کمال تک پہنچنے والے اور یہ تمام خوبیاں فضل و رحمت ہیں۔

صاحب تفسیر رومیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ فضل قرآن ہے اور رحمت یہ کہ ہم کو اس کا اہل کیا یا فضل قرآن ہے اور رحمت ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا فضل توفیق ہے اور رحمت عصمت۔ یا فضل معرفت ہے اور رحمت توفیق دریافت اس کے کی۔ یا فضل نعم ظاہری اور رحمت نعم باطنی یا فضل دخول جنت ہے اور رحمت نجات دوزخ یا فضل پردہ انحصار ہے اور رحمت ویدار دیکھنا۔ اسی آیت کے تحت راقم الحروف نے کسی تفسیر میں ایک واقعہ پڑھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ہے۔ کسی ملک سے

مال غنیمت اونٹوں کی شکل میں آتا ہے۔ آپ مسجد نبوی صلعم میں کسی خادم کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں کہ قاصداً اس مال کی خوش خبری دیتا ہے۔ آپ اٹھتے ہیں اور اونٹوں کی بے شمار تعداد جو دورویہ پہاڑوں کے درمیان دور تک نظر آتی ہے ملاحظہ فرماتے ہیں اور خادم سے ان کو گننے کا حکم دیتے ہیں۔ چندیر تک گنتی کرنے کے بعد خادم شمار کرنے سے عاجز آجاتا ہے اور بے ساختہ کہہ دیتا ہے ”ہذا من فضل ربی یوتر من الیشا“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر فرماتے ہیں کہ یہ فضل ربی نہیں ہے یہ تو زمرہ یجمعون میں آتا ہے کیا ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا۔ ”قل بفضل اللہ وبرحمته... الخ“ اس واقعہ میں بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ (جمع جمعاً۔ وھن دولت یعنی مال و دولت یا ساز و سامان یا عالم موجودات کی کوئی بھی شے فضل نہ ٹھہری اور اسلئے صحابی رضی اللہ عنہ جو آپ کا خادم تھا، کے نظریہ کے مطابق مال غنیمت یعنی وہ اونٹ فضل اللہ میں شمار کئے گئے۔ اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق دونوں کا کلام راست آیا۔ شانِ اتر ہونے کے لحاظ سے فضل حسب استعداد اپنی افراط و تفریط میں نمایاں ہوئی اور اس نے نانِ شعیر سے لے کر مشاہدہ حق تک اپنے لا تعداد پہلو بدلے۔

وَلَفَضْلٍ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْكَأْكُلِ (سورۃ الرعد آیت ۴)۔ اور پھلوں میں ہم ایک دوسرے سے بہتر کرتے ہیں۔ یہاں پھلوں یا کھانے کو صراحتاً فضل کے ساتھ لگایا ہے اور فضل بمعنی افضلیت یعنی بڑائی اور بزرگی کے لئے ہیں۔ زمین میں پیداوار کا ذکر فرماتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ایک زمین ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہے لیکن پودے مختلف ہونے کے باعث کوئی پیٹھا پھل دیتا ہے کوئی کڑوا اور

میوؤں کے رنگ و روپ میں بھی بعضوں کو بعض دوسروں کے بزرگی ہوتی ہے۔ زمین پر مختلف قسم کے درخت ہیں باغ میں طرح طرح کی کھیتاں ہیں ایک جڑ سے دو شاخہ نکلتا ہے۔ کبھی تنہا ایک ہوتا ہے اوپر چل کر دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ہر شاخ کی شکل جدا رنگ علیحدہ اور ضخامت مختلف ہے۔ پھلوں کی مقدار۔ نوعیت اور کیفیت میں بھی فرق ہے کوئی خوشبودار اور لذیذ ہے کوئی بدبودار اور بد مزہ۔ لذیذ ہونے میں بھی درجات کا اختلاف ہے باوجودیکہ غذا سب کی ایک ہے۔ ایک ہی پانی سے سب کو سیراب کیا جاتا ہے۔ زمین بھی ایک ہے پھر اتنی کھلی ہوئی بیگانگی کیوں ہے۔ یہ سب حقیقت امر کی شان امر و فضل کی ہی وجہ سے ہے جو ایک ہمہ گیر طاقت ہے۔

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (سورہ النحل آیت ۱۷)
اس آیت میں فضل رزق سے متعلق ہے اور رزق ایک ایسا وسیع اور جامع لفظ ہے کہ اس کے احاطہ میں مال۔ حال۔ قال۔ سب آجاتے ہیں۔ ظاہری آیت کا شان نزول عالم موجودات سے ہے جس کو اختلاف احوال پر مبنی کیا ہے کسی کو امیر بنایا کسی کو غریب کسی کو آقا کسی کو غلام۔ نظام کائنات کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ عزوجل نے دولت و مال میں کمی بیشی رکھی۔ کسی کو زیادہ مال دیا اور کسی کو کم۔ زیادہ مال رکھنے والے کو افضل گردانا۔ کبھی اس فضل سے بندے کا امتحان اور آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ رزق کی مساوات سے نظام عالم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی خادم رہے نہ مخدوم۔ نہ آقا نہ نوکر۔ نہ پیشواں کا اختلاف باقی رہے گا نہ کوئی محنت کرے گا۔ اس لئے تنظیم عالم کی بقا کے لئے تفاوت رزق ضروری ہے۔ رہا استحقاق رزق تو یہ سب کو برابر ہے۔ کسی کو اپنے خادم یا غلام سے اچھا کھانے یا پینے کا حق نہیں ہے۔

املاک و تصرفات میں اگرچہ کمی بیشی ہے مگر فوائد حاصل کرنے کا سب کو برابر حق ہے۔ یہ فضل رزق اپنی عقل و علم سے میسر نہیں آتا۔ بڑے بڑے احمق جاہل مالدار ہیں اور بڑے بڑے عاقل و دانا نادار۔ وجعلنا آیتہ
النَّهَارِ مَبْصُرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ
(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۲)۔ یہاں کسب معاش
کو فضل کا لفظ دیا۔ ملازمت۔ زراعت۔ تجارت اور دیگر ذرائع
معاش سب فضل میں داخل کر دئے کہ رات کی تاریکی سے نکل کر دن
کی روشنی میں یہ کام بآسانی سرانجام ہوتے ہیں۔

رَبِّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفَلَكَ فِي الْبَحْرِ لَتَبْتَغُوا
مِّن فَضْلِهِ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۴)
یہاں اس آیت میں بحری سفر اور جہاز رانی کو فضل کے ساتھ لگایا۔
طلب معاش تجارت ملکی فتوحات یا دوسرے کاروبار کے لئے بحری
سفر فضل اللہ محض ہے۔

اَلَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا
(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۷) اس آیت کے پہلے روح
کا بیان ہو چکا۔ اسے عالم امر کی چیز کہہ کر ختم کر دیا۔ کیسی ہے کون بتا
سکتا ہے اور کون سمجھ سکتا ہے۔ مختصراً اس کا ذکر پچھلے صفحوں میں کر دیا
گیا ہے۔ اب اس آیت میں قرآن پاک کو اللہ کی رحمت کہا۔ اور اس
کی عطا کو اپنا فضل عظیم بتایا گیا کہ احکام قرآنی اور تعلیم و بانی قابل غور اور
واجب العمل میں یہ درس گاہ عمل ہے۔ عملی زندگی کو سنوارنے کی
ضرورت ہے اور یہی فضل اللہ ہے۔

(سورۃ نور)

ا:۔ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ

تو اب حکیم (ایت ۱۰)

۲۔ ولولا فضل الله عليكم ورحمته في الدنيا والآخرة لمتكم في ما آفضتم فيه عذاب عظيم

(ایت ۱۳) -

۳۔ ولولا فضل الله عليكم ورحمته وان الله رؤوف رحيم (ایت ۲۰)

۴۔ ولا ياتل اولوا الفضل منكم والسعة (ایت ۲۱)

۵۔ ان يكونوا فقرا يغنيهم الله من فضله

(ایت ۳۲)

۶۔ حتى يغنيهم الله من فضله ط (ایت ۳۳)

۷۔ ويزيدهم من فضله ط والله يدرق من

يشاء ويخبر حساب (ایت ۳۸)

ان آیات مبارکہ میں جو سورۃ نور کی ہیں فضل کا ذکر بار بار آیا ہے۔

اور مختلف معافی میں استعمال ہوا ہے۔ گناہوں کی معافی نصیب

کے بچنا۔ لعان وغیرہ کے احکام معلوم ہونے پر یہ سب اللہ کا فضل

ہے۔ وہ لوگ جو تہمت میں شریک ہو گئے تھے یا تردّد کرتے ہوئے

خاموش رہے ان کو توبہ کی مہلت اور توبہ کرنے پر معافی کا وعدہ

اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تھی۔ بے نظیر بنی کی بے نظیر طبیعت طاہرہ

عفیہ محفوظہ وجہ کو بہتان لگانا بے نظیر عذاب کا مقتضی تھا۔ اور اس

کا ٹل جانا عین فضل اللہ اور اس کی رحمت تھی۔ اس سورہ میں حضرت

ابوبکر صدیقؓ کو بھی اولی الفضل کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپ دین و دنیا

کی خوبیوں کے حامل اور محاسن کا گہوارہ تھے۔ اس سورہ میں فضل کو غنی

سے بھی متعلق کیا ہے۔ اور نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے کہ کبھی

غنا کا سبب ہو جاتا ہے اگر عورت خوش نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مرد فقیر کو امیر بنا دیتا ہے۔ اور اسے اپنے فضل سے مقدور والا کر دیتا ہے۔

استحقاق کے علاوہ جو بھی اللہ عزوجل کی طرف سے ملتا ہے اسے فضل کا نام دیا گیا ہے۔ جیسے جنت اور دہاں کی نعمتوں کو کئی بار ہما کا تو بیکسوں کا یعنی اعمال کا بدلہ کیا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کا دیدار۔ اس کا انعام یا ایک کا بدلہ سات سو تک یا اس سے زیادہ انعام یا جو ہمارے دم و گمان سے باہر ہیں یہ سب اللہ عزوجل کا فضل شمار ہوتا ہے۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ مٹی سب اس کا فضل ہے۔ نہ کہیں انسان کا حق ثابت ہو سکا اور نہ اللہ کے فضل کی نفی وجود میں آئی۔ فضل عالم امر کی شے محض کسی شرط سے مقید نہ ہو سکی۔ عالم موجودات میں سے کون سی شے ہے جو فقدان فضل کا دعویٰ کر سکے۔ بے پروا بال کیڑے کو زمین کی تہ میں روزی دینا اس کا فضل ہی ہے۔ فضل نہ ہو تو کسی ہستی کا وجود نہ ہو۔ اشیاء کا قیام اس کا فضل۔ کائنات کا نظام اس کا فضل۔ اشیاء کا ثبات تغیر سب اس کا فضل۔ اس شان امر کی حد کو استحقاق سے آگے شروع ہوتی ہے لیکن جب کسی شے کو استحقاق ہی حاصل نہ ہو تو پھر وجود کائنات سب فضل کا ہی طفیل ہوا۔ ان هذا اللہ الفضل المبین (سورہ الاحمل آیت ۱۷)۔ اس آیت میں اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم منطق الطیر کو اپنا فضل کہا جو اسے دیا گیا اور ایسے ہی اونیٹیا من کل شیء کو بھی فضل مبین فرمایا کہ تخت اس کا ایسا تھا کہ کسی بادشاہ کا نہ تھا۔ موضع القرآن میں ہے کہ داہنی طرف تخت کے دو لاکھ کرسیاں بھی رہتی تھیں اُن پر آدمی آدمیوں کے بیٹھے تھے اور بائیں طرف دو لاکھ کرسیاں بھی رہتی تھیں

ان پر شرفا جنوں کے بیٹھتے تھے اور جانب دست راست سلیمان علیہ السلام کے پتلیس^{۳۵} منبر رکھے ہوئے تھے اس پر علما اُنس بیٹھتے تھے اور جانب دست چپ اُن کے پتلیس^{۳۵} منبر رکھے رہتے تھے اُن پر فضلاء جن بیٹھتے تھے اور یہ تمام علماء فضلاء سخن حق کہتے تھے اور سب جن و انس کو سیوں پر بیٹھے سنتے تھے اور سلیمان علیہ السلام تخت پر ہوتے تھے اور طیور ہوا پر کھوکھرا برابر برابریا کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ فضلِ مبین تھا۔

قال هذا من فضل ربي (سورة النمل آیت ۲۷)
اس آیت کا محل جو قرآن میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قصہ سے ہے جس میں انہوں نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ پتلیس کا تخت کون لائے۔ تو اصف بن برخیا جو وزیر سلیمان علیہ السلام تھا نے جواب دیا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے سے اُسے لاسکتا ہوں چنانچہ آگیا۔ پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے نزدیک ٹھہرا ہوا پایا تو زبان شکر سے کہا 'هذا من فضل ربي' اُس ولی کی کرامت کو اپنے لئے فضل اللہ جانا کہ اللہ عزوجل نے میرے ماتحت اتنی اتنی بڑی کرامت والے بندے کئے ہیں۔ ادھر آج کل بڑی بڑی عمارات پر جو ہذا من فضل ربي کا اشتہار دیکھا جاتا ہے انہوں نے کس بے دردی سے آیت کے محل کو بگاڑا ہے۔ ہاں لفظ فضل کے استعمال میں اپنی استطاعت کے مطابق شاید حق بجانب ہوں۔ واللہ اعلم۔

ومن آياته منامكم بالليل والنهار وابتغواكم من فضله (سورة روم آیت ۲۳) اس آیت میں تلاشِ رزق کو فضل الہیہ کہا گیا ہے۔ جس کا کچھ بیان پہلے گذر چکا ہے

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

من فضله (سورہ روم آیت ۲۵)

یہاں فضل بمعنی کرم ہے جس پر کہ عمل کی جزا موقوف ہے۔ عمل جزا کا سبب ہیں علت نہیں۔ علت فضل ہی ہے۔

وَلِتَجْزِيَ الْفَلَاحُ بِأَمْرِكَ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

لِحُكْمِكُمْ تَشْكُرُونَ (سورہ روم آیت ۲۶)

یہاں بھی فضل بمعنی رزق ہیں روزی اگرچہ ہمارے کسب سے حاصل ہے۔ پھر بھی الہ کے فضل سے ہے۔

لِيُوفِّيَهُمْ أَجْرَهُمْ وَبِزِيلِهِمْ مَنْ فَضْلِهِ (سورہ

فاطر آیت ۳۰)

یہاں فضل اپنے معنوں میں استحقاق سے زائد پر بولا گیا ہے۔ کہ ایک سویا سات سو کروڑے۔ یا اپنا دیدار دے جو ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہ ہوگا۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۖ إِنَّ اللَّهَ ذَلِكُ هُوَ

الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (سورہ فاطر آیت ۳۲)۔

صاحب امر حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں اچھی خاصی غواصی کی ہے اور لفظ فضل الکبیر کو گروہ سابق بالخیر نزدیک رکھا ہے۔ اور اس گروہ کی تعریف یوں کی ہے۔

۱۔ بے حساب جنت میں جانے والے۔ ۲۔ جہاد کرنے والے

۳۔ وہ جو پہلے ہجرت کے ایمان لائے۔ ۴۔ عالم

۵۔ متوجہ مولیٰ۔ ۶۔ عبادت کرنے والا اللہ فی اللہ

۷۔ بیگناہ۔ ۸۔ نائب ثابت۔ ۹۔ وہ جو صرف معاد پر مہم

۱۰۔ صبر کرنے والا بلا پر۔ ۱۱۔ متوجہ طرف مذکور کے

۱۲ :- متقی - ۱۳ :- واحد - ۱۴ :- وہ جس کی حسناات سیات پر غالب آئیں - ۱۵ :- جس کا باطن ظاہر سے اچھا ہو - ۱۶ :- دینے والا فقط - ۱۷ :- دیکھنے والا حق سے طرف حق کے - ۱۸ :- جو منعم سے منعم کو دیکھے - ۱۹ :- بیدار -

اس سب صفات کو فضل الکبیر کہا -

لهم ما يشاءون عند ربهم ط ذلک هو الفضل الکبیر (سورہ شوریٰ آیت ۲۲) -

یہاں فضل بمعنی اکرامت جو کہ بہشتیوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے ملے گی اور جس کے سامنے نعمتیں خانہ دنیا کی کچھ نہیں -

وجنت عرضها كعرض السماء والأرض ط أعدت للذین آمنوا باللہ ورسوله ط ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ط واللہ ذو الفضل العظیم (سورہ الحدید آیت ۲۱)

یہاں فضل بمعنی اجنت جس کا مختصراً ذکر پہلے گزر چکا ہے -

یعلم اهل الکتاب الذی قد رون علی شیء من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ط واللہ ذو الفضل العظیم (سورہ الحدید آیت ۲۹)

اس آیت میں فضل اللہ کا اہل کتاب کے حق میں فقدان ظاہر کیا گیا ہے - اور اس کو صرف اہل ایمان کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے -

واتبعوا من فضل اللہ واذکروا کثیراً لعلکم تفلحون (سورہ جملہ آیت ۱۰)

یہاں مراد فضل اللہ سے رزق دنیا اور تہیہ اسباب معاش ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ پھیل جانا بھی زمین مسجد میں ہے واسطے

سننے و غلطی کے اور مجلس علماء میں بیٹھنے کے اور بعضے کہتے ہیں کہ عیادت مریض کی ہے اور حضور جبارہ اور زیارت مومنان اور طلب علم اور اسی طرح سکے جو نیک کام ہیں کیونکہ دعوتِ خدا فضل الہی کا ایسے ہی اعمال میں ہوتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (سورۃ جملہ ایت ۴۷)

یہ فضل (زیادتی کرم) نبوت اور بعثت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کو چاہے دیتا ہے۔ یا ہدایت۔ ایمان صحابیت اللہ کے فضل سے نصیب ہوتی ہیں۔ یا حضور کی غلامی نصیب دروں کو نصیب ہوتی ہے۔

بدیں نازم کہ ہستم اُمرت تو

گہنگارم لیکن خوش نصیبم (جامی)

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهْجَرِينَ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَآمُوا إِلَهُمْ يَلْتَمِعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرَضُوا أَنَا (سورۃ حشر ایت ۸)

یعنی ہجرت اُن کی واسطے تجارت اور اعراض دنیوی کے نہیں بلکہ طلب رحمت اور رضا سے الہی میں اور محبت خدا اور رسول میں ترک دیا گیا ہے + یہاں طلب رحمت اور رضا سے الہی کو فضل کا لفظ دیا گیا ہے۔

مندرجہ سطور جو کلام پاک کی روشنی میں لفظ فضل کی تفصیل میں بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ صفت بھی اپنے اندر کسی معین و مقرب معیار کی منت کش نہیں۔ بلکہ ہر شے اس کی مرہون منت ہے۔ اور کیوں نہ ہو استحقاق ہمیشہ مالک و خالق کو پہنچتا ہو۔ نہ کہ مملوک و مخلوق کو۔

ایک قطعہ زمین کا عارضی مالک اس قطع میں تمام تر تصرف کے اجزا کا حق رکھتا ہے۔ اُسے جوتے۔ بونے یا عمارت کے کام میں لائے اور وہاں چاہے کسی حصہ کو بیت الخلا بنائے اور کسی حصہ کو مصلیٰ مقرر کرے۔ یہ سب مالک کے رحم و کرم پر ہے۔

اس شانِ امر کی ضد غضب و وبال ہیں جن کو اس صفتِ فضل کی تفریط کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ تفریط مقدار کی بجائے مرتبہ پر منحصر ہے۔ ایک شخص کے لئے نان جویں اور چند کھونٹ پانی فضل کا نام پاسکتے ہیں اور کسی شخص کے حق میں لعل و گوہر بھی وبال ہوتے ہیں۔ حقیقتِ امر ہو یا صورتِ امر دونوں کی رضا ایک ہے اور اس رضا کا حصول اس شانِ امر کی افراط ہے۔ علاوہ ازیں ہمہ تفریط اور اس میں سب کائنات شامل لیکن اپنی اپنی استعداد و صلاحیت پر۔ عالم موجودات عالم اسباب و اثرات ہے۔ ہر اثر اپنے لئے ایک سبب رکھتا ہے۔ لیکن جملہ اثرات کی علت یہی شانِ امرِ فضل ہے۔ اگر فضل شامل حال نہیں تو سبب بے کار اور اثر زائل۔ ذرہ سے لے کر آفتاب تک سب فضل کے رہن ہیں۔ اور فضل ہمہ گیر ہے۔ یہ شانِ امر نہ ہو تو دوا میں اثر نہیں۔ آگ میں گرمی نہیں اور تیز دھار میں کاٹ نہیں۔ فضل کی وابستگی ہر آن امر سے ہے۔ جہاں امر نہیں وہاں فضل مفقود۔ راقم الحروف نے اپنے محملہ کی ایک عبارت پر مندرجہ ذیل الفاظ کا کتبہ پایا۔

۱:- ہذا من فضلِ شاہِ قلندر

۲:- ہذا من فضلِ محمد رسول اللہ

۳:- ہذا من فضلِ ربی۔

میرے ساتھی نے پہلی دو سطروں کو قابلِ اعتراض جانا حقیقتِ امر

کے فضل کو تو فضل مانا لیکن پہلے دونوں کو شرک کا فتویٰ دے دیا۔ یہ نہ سمجھا کہ پہلا صاحب امر ہے۔ دوسرا صورت امر اور تیسرا حقیقت امر اور فضل امر کی وجہ سے لکھا گیا ہے نہ کہ کسی شخصیت کی وجہ سے۔

حقیقت امر کا کلام

شان امر کا یہ گیسو مثل امور دیگر کے نہ اپنی ابتداء رکھتا ہے نہ انتہا۔ ازلی بھی ہے اور ابدی میں اور عالم خلق میں بحیثیت خلق داخل ہے۔ سکوت و صوت دونوں کو اپنا لئے ہوئے ہے۔ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوتے۔ بار بار تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اپنی تفریط میں ہر کہ و مہ کا حصہ ہے اور اپنی افراط میں قرآن کے اوراق میں محفوظ ہے۔ اسی کو ذکر حکیم اور صراط مستقیم بھی کہا گیا ہے۔ کسی دوسرے کلام کو قرآن پاک سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ جیسے حقیقت امر کی بزرگی تمام مخلوق پر اس طرح اس شان امر (کلام) کی بزرگی جملہ کلاموں پر حقیقت امر کے کلام میں اعجازِ بلیغ یہ ہے کہ ایک ہی خطاب قدرت میں ہر درجہ کی تعلیم موجود ہے جتنے کہ عامی سے لے کر صاحب امر حضرات تک ہر درجہ کا آدمی اپنی استعداد کے لائق معافی و معارف سمجھ لیتا ہے۔ پس عامی ابتدا میں یہ جانتا ہے کہ اس میں صرف یہی معافی ہیں جو میں نے سمجھ لئے پھر جب اس پر عمل سے وہ نور مزید حاصل کرتا ہے تو عجب دیکھتا ہے کہ گویا میں نے یہ آیت ہی نہیں پڑھی تھی۔ اسی واسطے حدیث علی رضی اللہ عنہ میں وارد ہوا کہ لا تنقضي عجائبہ۔ (اس کے عجائب کبھی منقطع نہیں ہوتے) اور بھید یہ ہے کہ اسرارِ معارف غیر قنا ہی ہیں پس کسی حد پر انتہا نہیں۔ جس سے معلوم

ہوا کہ یہ اعجازِ معترف بشری سے خارج ہے اور ابتداء کے خطاب
 ایسے طور پر ہے کہ ہر عام اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ برعکس اس کے
 اس کی بلاغت و فصاحت کے مقابلہ میں تمام عرب چپ ہو گیا +
 ایک طرف ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر
 فرمایا اور کہیں تدبر نہ کرنے پر توبیح فرمائی اقلایند برون القرآن
 اس کلام کے بارے میں کوئی مجتہد یہ نہیں کہہ سکتا کہ کلام کے یہی معنی
 ہیں۔ ہر ایک کی تفہیم علیحدہ اور حقیقتِ امر کے پیدا کرنے سے۔ جتنا
 کسی نے اس میں جہد کیا اتنی ہی اسے راہ کی ہدایت فرمائی اور بسا
 اوقات تفہیم کی حد یہاں تک گئی کہ سمع کلام سے مومن کی روح نے حالات
 ولدت پائی اور پرواز کر گئی۔ سبحان اللہ لاله الاہوا لہی القیوم +
 اس کلام کا ظاہر باطن میں اور باطن ظاہر میں گم ہے۔ بعض نے
 کہا کہ اس میں سوائے تفسیر کے بہت کچھ موجود ہے۔ جو شخص اولین
 و آخرین کا علم چاہے وہ اس کلام سے متور ہو۔ مبتدی پہلے ظاہر
 تفسیر کا حفظ اور اس پر مستقیم ہوتا ہے اس واسطے کہ ظاہر کو محکم
 کرنے سے پہلے باطن تک پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہے بدلیل حدیث پاک
 کے کہ جس نے عمل کیا اس پر جو جانا + اس سے متحقق مستفاد ہوا
 جس نے ظاہر تفسیر پر عمل کیا اس کو تاویلات باطن کا علم حاصل ہوتا
 ہے۔ اور صورتِ امر کے کلام (یعنی حدیث) کی روایت بھی اس
 حقیقتِ امر کے کلام (یعنی قرآن) کے واسطے ظہر و بطن ہے۔
 جس شخص کو اوّل درجہ بطن پر علم ہوا تو یہ بطن اس کے حق میں ظاہر تفسیر
 ہو گیا پس جب وہ اس بطن پر مستقیم رہا و عمل کیا تو آئندہ اس کو
 درجہ دوم جو اس سے اعلیٰ ہے ظاہر ہوا اور بعد ظہور کے وہ بھی
 اس کے حق میں ظہر ہو گیا و علیٰ ہذا القیاس + اور مراتب کی کوئی انتہا

نہیں ہے۔ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا معنی باطن بھی اُس
 شخص کو مفہوم ہوتے ہیں۔ جہاں تک ابتدائی عام فہم ہدایت مقصود
 ہے وہ عام کے واسطے آسان کر دیا گیا ہے۔ اور ہر آیت پر جو
 علوم الہی عزوجل مضمون ہیں اُن پر نظر عام نہیں پہنچی حالانکہ عامی نے جس
 کلمہ کو عمدہ خیال کیا تھا اُس سے اُن معانی میں خلل ہو جاتا ہے اگر
 عامی کی رائے ہوتی تو علمائے ربانی کو آئندہ ان علوم سے محرومی
 ہوتی + کیونکہ حقیقت امر میں عجز و جہل محال ہے اس لئے قطعاً
 معلوم ہوا کہ جو کلمہ و طرز بیان آیت ہے وہ نہایت اعلیٰ کمال
 پر ہے۔ عالم ربانی مانند تقدیرات الہیہ کے خوب سمجھتا ہے کہ تمام
 جن و انس ملائکہ میں کوئی نہیں جو اس کلمہ کی بجائے اس سے عمدہ
 لاسکے اور حق یہ ہے کہ ترجمہ بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتا
 بعض علماء نے کہا کہ جو کچھ صورت امر نے فرمایا وہ قرآن میں
 موجود ہے جس نے سمجھا اس نے سمجھا ورنہ اپنا قصور ہے اور
 اُسی قدر ملتا ہے جس قدر اس کی کوشش اور سمجھ ہو۔

پھر صاحب امر حضرات اس علم کے وارث ہوتے پھر اس
 کے بعد ہمیشہ کم ہو گئیں اور عزم آخرت میں فتور آ گیا اور عامی
 اس کے اٹھانے سے عاجز ہوتے گئے اور بجائے اس کے جہل
 پیدا ہوتا گیا الحال قرآن میں جمیع علوم موجود ہیں لیکن جاہل کا
 انکار بوجہ اپنے جہل کے ہے۔ جس کے دل میں دنیا کی محبت یا
 بدعت یا تکبر ہو یا گناہ پر مصر ہو یا ایمان محقق نہ ہو یا کسی گمراہ
 یا بدعتی کی رائے پر اعتقاد ہو یا عقل عام یا حواس پر بھروسہ
 کرے وہ علوم و اسرار کلام سے محجوب ہو گا۔ اعجاز قرآنی میں
 ہر فہم کے لائق معانی و اشارات دیگر ہیں جن کو ہر متقی اپنے درجہ تقویٰ

کے موافق سمجھتا ہے اور لطف یہ کہ وہ ہرگز ان احکام ظاہر
کے خلاف بھی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ تخریفات و تحویل ہے۔
تجربہ شاہد ہے کہ آغوش دہن سے یا کسی دیگر آلہ سے جو
کلام نکلتا ہے وہ غیر فانی ہوتا ہے۔ اور وقت کی قید سے بھی آزاد
ہوتا ہے۔ عقل عام کی رسائی جہاں تک تو ہو گئی کہ کمرۂ ارض پر ایک
آواز کسی آلہ کے ذریعہ سے نکلتی ہے اور یہ آواز آلہ دیگر سے اسی وقت
اس کمرۂ ارض کے ہر گوشہ میں سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز پھر کہاں جاتی
ہے اور دوبارہ کیسے سنی جاسکتی ہے ابھی تک عقل عوام اس کی تسخیر
سے قاصر ہے۔ لیکن بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ اس شان امر (کلام)
کی تفریط میں کس قدر قوت ہے۔ اسی سے اس شان امر (کلام)
کی افراط کا اندازہ لگائیے کہ حقیقت امر کا کلام کتنی زبردست طاقت
لے ہوئے ہوگا۔ حقیقت امر کی طرح یہ شان امر بھی اللہ کا کان
ہے۔ اور اس پر اولی الامر حضرات کے اقوال گواہی دیتے ہیں جب
وہ فرماتے ہیں کہ ہم اب بھی کن اور الست بدیکم کی صدائیں سن رہے
ہیں۔ وعلیٰ ہذا لقیاس سارا قرآن اپنی صوت سے جملہ موجودات میں
گوںج رہا ہے۔ الحمد سے لے کر والناس تک یہ گیسواپنی افراط میں
ہے اور اسی طرح صورت امر کی احادیث اور صاحب امر کے
اقوال کو گوش امر سن رہے ہیں۔ حقیقت امر کا کلام صوت سے خالی
نہیں لیکن اور اصوات کی طرح نہ یہ کسی مخرج کا منت کش ہے۔ اور نہ
اپنی شنید میں کسی گوش کا مرہون ہے۔ اسے الفاظ کا ہمارہ صورت امر
سے ملا تاکہ عالم خلق اس کی متحمل ہو سکے اور آسانی کے پیش نظر پھر اس
تفریط سے افراط کی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اُسی صوت کو حاصل
کرے جسے صورت امر نے اشارۃً گھنٹی کی آواز سے تشبیہ دی تھی

شنید کا مدار ایک طرف تو قوتِ مخرج پر ہوتا ہے اور دوسری طرف قوتِ سماعت پر۔ جتنی زور سے آواز نکلے گی اتنی دور سنا دی دے گی اور جس قدر کان درستی پر ہوں گے اسی قدر شنید میں آسانی ہوگی حقیقتِ امر کے کلام کی طاقت اور قوت تو معلوم ہو گئی اور اس میں کسی قسم کے انکار کی گنجائش نہیں رہی لیکن اس گوشِ سماعت کے تناقص نے بے بسی ظاہر کی۔ جس قدر یہ تخلیق شانِ امر سے بے بہرہ رہی اسی قدر صلاحیتِ سماعت سے دور ہوگی۔ صاحبِ امر حضرات اس

صوت سے لذت پاتے ہیں وغیرہا محروم ہیں + عالمِ خواب میں جب ایک شخص عالمِ بیداری سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تو وہ انواعِ اقسام کے مناظر مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ چلتا پھرتا ہے۔ آوازیں سنتا ہے۔ لیکن وہ چلتا پھرتا نہ ان ٹانگوں سے ہے اور نہ اس کا بولنا اس زبان سے ہے اور نہ سننا ان کانوں سے۔ بعینہ جو حضرات عالمِ بیداری میں رہتے ہوئے اس عالم سے مستغنی ہیں وہ ان اصوات کو سن رہے ہیں۔ گوشِ خلق سے نہیں بلکہ گوشِ امر سے۔

حقیقتِ امر کے کلام نے چند گنتی کے حروف کا لباس پہنا اور حقیقتِ کلام کو کچھ اس طرح سمٹا کہ عالمِ موجودات میں کوئی اور شے اسے اپنانے کے لئے عاجز آگئی اور سب نے اس کا انکار کر دیا۔ یہ حقیقت ہر طرح کے جملوں میں بند کی گئی کسی کو جمالی رنگ دیا اور کسی کو جلالی۔ باوجود اس کے اپنی کبریائی اور اپنی تخلیق کو اس طرح چکڑ دیا کہ خود حروف چکڑ میں آ گئے۔

سورۃ المائدہ میں آیت یک فکتر مندرجہ ذیل حروف کو شامل ہے۔

ر - ب - گ - ف - ک - ب - د

جس کو اگر الٹا پڑھا جائے تو بھی یہی حروف - یہی آیت اور یہی معانی نکلتے ہیں -

اسی طرح سورہ یسین میں آیت کلُّوا مِمَّا قَلْبُکُمْ میں یہاں شمس و قمر اور ستاروں کی تخلیق کا بیان ہے اور ییل و نہار کا دورہ بیان کیا گیا ہے مشد بہ ذیل حروف ہیں -

ک - ل - ف - ی - و - ن - ل - ک -
جن کا الٹ بھی وہی معانی نکالتا ہے - کمال تو یہ ہے کہ عالم کا چکر بتانا مقصود تھا حروف کا چکر بھی اسی طرح دے دیا - دنیا کی کوئی زبان یا کوئی کلام ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا جس کا الٹ بھی وہی معانی رکھتا ہو -

ہر کلام حروف پر مشتمل ہے - ہر حرف اپنے اندر کلام کی طرح معانی رکھتا ہے لیکن بڑے دقیق - انہیں حروف کے اشکال متغیرہ سے ہی زمانہ بھر کی زبانیں نہیں اور قیامت تک بنتی رہیں گی - چونکہ یہ حروف عام انسان کے بھی حصہ میں آئے تھے - ان کی بڑاگلی بنیاد سے علیحدہ کر دی سو اسے حروف س کے کہ درمیان زبر و بیات اس کی کے کوئی فرق نہ رکھا اور اسے سو بیت اعتدالیت اور ^{فقت} بھی تختی اور صورت امر کے ساتھ مختص کر دیا - جب فرایا یلس (سبحان اللہ العلیٰ العظیم) - حرف سے آیت تک جو جو کلمات یا الفاظ بنے ہر ایک نے اپنے اندر لاتعداد معانی چھپائے اور ان معانی کا ظہور مراتب کی حیثیت سے ہوا - مقام و مرتبہ چونکہ ازلی تھے ان میں کچھ فرق نہ آیا - ہاں ان کے ساتھ جو جو الفاظ لگے انہوں نے مرتبہ کے مطابق معانی ظاہر کئے کلام پاک میں ان کی مثالیں ظاہر ہیں - حقیقت امر = مکر و مکر اللہ و اللہ خیر انما کرین

صورتِ امر = انک میت و انہ میتون
 اولی الامر = ولقد ذکرکم اللہ بیدروا نثر ادلہ
 یہاں مومنین کو ذلیل ہے سر و سامانی کے معنوں میں کہا گیا ہے
 نہ کہ عامۃ الناس والی ذلت :

میت - وقم - خنزیر کا حرام ہونا - ماں - بہن - بیٹی کا حرام ہونا
 حرم پاک - شہر الحرام - مسجد حرام - بیت الحرام - ان سب میں
 حرمت جیسے جیسے مراتب کے ساتھ لگی ویسے معافی دئے۔

صورتِ امر والے ضال نے اپنے معافی جو لئے وہ ایک فاسق
 و فاجر ضال سے الگ رہے اور اسی طرح ایک کافر کا ضال ہونا اور
 زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ضال ہونا جداگانہ معافی
 رکھتے ہیں۔ عزیر و کریم کتنے مقدس الفاظ معلوم ہوتے ہیں ہی الفاظ
 جب قیامت کو ایک کافر کو خطاب کرتے ہوئے کہے جائیں گے انک
 انت الحزین الکریہ تو الٹ اور مخالف معافی رکھیں گے۔
 صاحبِ امر حضرات ان الفاظ کی سیر سے واقف ہوتے ہیں اور انکی
 نگاہ ہر آنے والے کے اذلی مرتبہ پر بھی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی
 تلقین ہر راہرو کے لئے جداگانہ ہوتی ہے۔ جو جو الفاظ و کلمات یا
 آیات مبارکہ جس جس مرتبہ کے انسان کو موزوں ہوتی ہیں وہی ان کو
 تلقین فرماتے ہیں۔ اس لئے ہر وظیفہ ہر انسان کے لئے اس نہیں آتا۔
 بلکہ اس کا اثر مخالفت بیٹھتا ہے۔ اور اس کا تجربہ شاہد ہے۔ کلام چونکہ
 گیسوے امر کی ایک لیٹ تھی سننے والوں کے لئے ہدایت کا کام بھی
 دے گئی اور گمراہی کے کڑھے میں بھی ڈال گئی۔ فیصل بہ کثیراً
 و یھدی بہ کثیراً۔ کسی کو سارے قرآن سے کچھ نفع
 نہ پہنچا اور کسی کو صرف مقطعات ہی حقیقتِ امر سے شناسا کر گئے

عالم خلق تمام کا تمام ایک ہی کلمہ کا ظہور ہے جس میں صورت امر اسم صاحب امر فعل، اور ان کے علاوہ جملہ مخلوقات و حروف، ٹھہرے اسی طرح حقیقت امر کا کلام بھی ایک ہی کلمہ ہے جو نہ ابتداء رکھتا ہے نہ انتہا۔ جس طرح کلمہ کن، کائنات میں بکھر کر اسم۔ فعل اور حرف بنا۔ اسی طرح یہ کلمہ قرآن کے اوراق میں پھیل کر۔ اسم۔ فعل اور حروف بنا۔ اسماء نے امر کی صورت اختیار کی اور عامی ان کو نہ پاسکے۔ افعال نے بھی متنازعہ موضوعات کا لباس پہنا اور مختلف مذاہب و اعتقادات کے محل بنائے۔ حروف ویسے کے ویسے رہے اور ہر ایک کی نظر میں ایک جیسے ہو کر نمودار ہوئے۔ صاحب امر حضرات جب حروف کی وادی سے گزر کر افعال و اسماء میں گم ہوئے تو سارے قرآن کا ختم کرنا ان کے لئے ایک آن واحد میں ہوا۔ چنانچہ اس کی مؤید حضرت علی کریم اللہ وجہہ کی روایت ہے جب انہوں نے فرمایا کہ میں سارا قرآن گھوڑے پر سوار ہوتے وقت ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پاؤں ڈالنے تک ختم کر لیتا ہوں + زمین۔ پہاڑوں۔ سمندروں پر بھی اسی کیفیت کا نزول گراں گذرا۔ اسی کیفیت کا نزول ہی یکبارگی لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ہوا۔ اس کیفیت کا نزول ہی صورت امر کی جبرئیلی قوت نے ہر رمضان کی لیلة القدر میں دوہرایا۔

کلام میں شان امر سزاوت کر گئی اور موثر ٹھہری لیکن انداز یہ رکھا کہ متاثر میں بھی یہ شان امر موجود پائی۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ آنکھ اکیلی نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ سامنے روشنی موجود نہ ہو۔ قوت بصارت ہے لیکن روشنی نہیں۔ اندھیر ہوگا روشنی ہے قوت بصارت نہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح کلام نرّم و نازک سے اور شان امر سے بھرا ہوا ہے لیکن سننے والا بے امر ہے کچھ فائدہ نہ ہوگا

بلکہ برعکس خسارہ میں رہے گا و ما یزید اظہار میں الا خسارہ۔
 ہاں اپنی شان اجتماع ضدیں کے پیش نظر کبھی یہ کلام عامۃ الناس کے
 جوہر کو بھی اوجا کر دیتا ہے اور اگر اس کلام کی ایک آیت یا ایک لفظ
 بھی دل میں اتر آئے تو سننے والے کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز بنا
 دیتا ہے۔

صورتِ امر

احدیث - وحدت - وحدیت - ہویت - غیب - ذات
 بحت - احدیت ذاتیہ - احدیت مطلقہ - چشمہ کافور - لا تعین
 ذات بے اسما و صفات یہ سب نام و مقام اسی ذات یکتا کے ہیں
 جن کو راقم الحروف نے حقیقتِ امر کا نام دیا ہے۔ صفات میں سب
 سے پہلے ظہور چونکہ امر کا ہوا اور حقیقتِ مطلق - بے چون اور بے نام
 و نشان رہی اور اس تک علم و ادراک اور خیال و فکر کی رسائی نہ ہوئی
 امر اس حقیقت کے ظہور کا شوق ٹھہرا۔ تو مرتبہ احدیت سے مقام
 محمد صلعم میں تنزل فرمایا اور سب سے پہلے اسے نور ذات کا پیر بنایا۔
 وحدت اور وحدیت کی نسبت اپنی طرف رکھی اور اللہ اکماکان رہا۔
 اور باقی تین نسبتوں کو یعنی عالم ارواح - عالم مثال اور عام اجسام
 کو اپنی صفت امر کے تحت کیا۔ اور اس طرح اپنے شوق و ارادہ
 کو مرتبہ نزولی و یکرا اپنی مخلوق کے لئے اپنے تک پہنچنے کی دعوت دی +
 اور دائرہ عروجی کی طرف بلایا۔ لیکن اتنی رعایت سے کہ عام اجسام
 کے لئے ایک انسان کامل تک کی رسائی کو اُن کی انتہا اور اُن کا عروج
 گردانا۔ اور وحدت و وحدیت پر یقین رکھنے والوں پر اس صورتِ امر

سے احسان کیا۔ یقین نہ رکھے والوں نے اس صورت کو اپنی ہم شکل صورت سمجھا اور تمیز و تفاوت کو نظر انداز کر دیا۔ امر اور خلق کی بحث پہلے اوراق میں ہو چکی ہے۔ کاشش یہ اتنا ہی جان لیں کہ یہ انسان کامل صورت امر ہے اور باقی تمام صورت خلق ہیں + امر تضاد کا حامل اور قدسی۔ خلق پابند سنت اور فانی + امر عالم ارواح سے اور خلق عالم اشباح سے۔ امر علم اجمال اور خلق عالم اجسام اور اعیان خارجہ امر کی صورت بھی امر اور اس سے وابستگان بھی صاحب امر اس حد تک کہ فرمایا آپ نے ”نہ لگے گی آگ اس مسلمان کو کہ دیکھا جھکویا دیکھا ہے۔ اس کو کہ دیکھا ہے مجھ کو“، عالم اجسام سے جس کسی کی بھی نسبت اس صورت امر سے ہوتی اپنے میں اس امر کے اثرات پائے اس اجمال کی تفصیل ظاہر کرنے کا شوق و انگیزہ ہے اور اس کی تمہید ظاہری چہرہ مہرہ سے کی جاتی ہے تاکہ ”ہم جیسا“ کی رٹ لگانے والوں پر قدرت امر عیاں ہو۔ خدا کی پناہ کس سادگی اور بیوقوفی سے عوام کو دھوکا دے رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ آپ کی مماثلت اور عدم مباہنت کا کوئی پہلو اگر ہے تو وہ صرف اس گروہ انسان کے لئے ہے جو شریک زمرة لایومنون ہیں کیونکہ صفات کی تفریط انہیں سے ہی شروع ہوتی ہے + اور صورت امر میں جملہ مخلوقات کا بقدر و بسط نصیب ہر آن و ہر لحظہ موجود ہے + انسان کے ظاہری چہرہ مہرہ میں سے بالوں کی حیثیت بہت کم رکھی گئی ہے۔ زمرة کی بول چال میں بھی کسی ادنیٰ شے کی تشبیہ دینے وقت کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کی قدر تو بال برابر بھی نہیں۔ لیکن دائرہ امر میں یہی بال اپنی جداگانہ حیثیتوں کا مالک ہے۔ صورت امر کا موزن مبارک اگر ایک جانب عام بالوں کی طرح قطع

دبرید و افتاد کی قید میں تھو دوسری جانب یہی موسے مبارک کسی
 کے کلاہ میں پیوستہ باطل کو نیست و نابود کر دینے کا مشرودہ سنار
 ہے۔ کسی کو اپنی حفاظت کے عوض مقام ولایت سے سرفراز فرما رہا
 ہے۔ کوئی بادشاہ اپنی ساری بادشاہی کے عوض اپنی نجات
 کے لئے اسے کفن میں رکھنے کی وصیت کر رہا ہے۔ کبھی اس موسے
 مبارک کے احترام کی خاطر ایمان والے اپنی جانوں پر کھیل جاتے ہیں۔
 اور تو اور خود حقیقت امر اس صورت امر کے بالوں کی سوگند کھا رہی
 ہے۔ اور ان کی شان اذ یغشے اذ مسجیا کی صفات میں ظاہر
 فرما رہی ہے۔ افتاد سے لے کر لامکان تک اس کی سیر ہے اور
 کائنات کی حقیقت اس ایک بال کے آگے بال برابر بھی نہیں تقریب
 سے لے کر شان امر تک عالم اجسام میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام
 و مرتبہ کے مطابق اس کو اپنے ادراک میں جگہ دے رہا ہے۔ لیکن
 اس کی حقیقت اذ مسجیا اور اذ یغشے فرمانے والا ہی جانے۔ آپ
 کی نورانی پیشانی بادی النظر والوں کے لئے ایک وضع کی پیشانی ہی
 ہے۔ عرق آلود بھی ہوتی ہے اور سجدہ ریز بھی۔ یہاں تک کہ
 بوالہبی اور بوالجہلی طبائع اس پیشانی کی روت کو اپنے عقائد میں
 نحوست کا درجہ دیتے ہیں۔ اور بوجہ نفیریں اس پر نگاہ ڈالنے
 سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہی ماتھا شفاعت کا
 سہرا لئے ہوئے مجرموں کے صفائے و کبار پر خط نسخ کھینچ رہا ہے۔
 یہی جبین مبین اس نور کی حامل ہے جس کی جبریل علیہ السلام نے
 ستر بار ہر ستر ہزار سال کے بعد تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے
 زیارت کی اور حقیقت امر نے جسے والفجر کا نام دیا۔ اور جسکی شان
 اذ یغشے فرمائی۔ صورت امر کی پیشانی میں تضاد حضرت عمر بن عاص

کی روایت سے ملاحظہ فرمائیں جب اُن سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رخ انور دیکھا تو نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ جب زمانہ جہالت کا تھا تو نفرت کی وجہ سے اُن کی طرف نگاہ نہیں کرتے تھے۔ جب ایمان نے دل میں جگہ لی تو جہاد و شکوہ سے بھرپور پیشانی آقدس نے ہماری نگاہوں کی جرات متدب کر لی اور ادھر نگاہوں نے بھی ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چہرہ انور کا رخ نہ کیا۔ صورت امر نے بہر حال تضاد ہوتا۔

نہ گس بارغ امر یعنی آپ کی چشم مبارک جو سوتی بھی ہے اور جاگتی بھی ہے۔ جو صفائی اور سرمہ کی بھی محتاج ہے اور جس کی اغمی القلوب کے لئے پس دیوار تک بھی رسائی محال ہے۔ جو اوروں کی طرح غم میں پُرنم بھی ہوتی ہے۔ اپنی تفریط بشریہ سے نکل کر افراطِ صفتِ امر کی طرف کچھ اس لوح سے پہنچتی ہے کہ قیامت تک ہونے والے احوال مثل کف دست دیکھتی ہے + اور تضاد کے پیش نظر آگے۔ پیچھے دائیں۔ بائیں یکساں معائنہ فرماتی ہے۔ اس چشم پاک نے غیب تو درکنار غیب الغیوب کو بھی دیکھا۔ اور وہیں سے مازاع و ماطغی کی اسناد حاصل کیں جن سے جملہ مخلوقات کی آنکھیں بہرہ یاب نہ ہو سکیں۔ اور اس چشمِ امر کو بھی زارغ و طغی کے چکر میں ہی دیکھا + صفاتِ زارغ و طغی اس آنکھ کی تفریط ٹھہری اور صفاتِ مازاع و ماطغی اس کی افراط۔ گردۂ لایومنون تفریط پر اڑے رہے اور یقین کرنے والوں نے اپنے اپنے مقام کے مطابق اس چشمِ حق بن کو نام و مقام دیئے اور اپنے نصیب حاصل کئے + صاحبِ امر میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک ایسی وادی سے گذر رہے تھے کہ پہاڑ کے دامن سے صوتِ سنی حضور علیہ السلام نے اپنی

انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں لے کر فرمایا کہ جب یہ آواز بند ہو جائے تو ہمیں بتانا۔ آواز ختم ہونے پر ارشادِ امر کی تعمیل کی تو فرمایا کہ یہ شیطان کی آواز تھی۔

مندرجہ بالا حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آپ کے گوش مبارک عامۃ الناس کی طرح سنتے بھی ہیں اور بند کر لینے سے نہیں بھی سنتے اُدھر شانِ امر کی صفتِ شنوائی اُس پتھر کی افتاد کو سن رہی ہے جو ستریز ارسال کے بعد جہنم کے آخری درک میں گرا۔ اور ان کانوں کے سامنے قُرب و بُعد کی تمیز اٹھ گئی۔ بیک وقت اپنے غلاموں کی بھی سن رہے ہیں اور جبریل علیہ السلام کی بھی۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ (حدیث شریف راوی ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مثلیت کے دعویداروں نے ہاتھوں چیسے ہاتھ دیکھے۔ اور انگلیوں جیسی انگلیاں پائیں + لیکن یدِ اکلا فوق ایدِ یھرا اور مارصیت اذ رمیت کی تفسیر سے اور والشیق القمر کی تفسیر سے اندھے رہے ذرا ایک لمحہ کے لئے اپنی مماثلت کو فرعوں والو جہل کے چہرہ اور ہاتھوں سے وابستہ کہیں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں کہ کسی حد تک حضور علیہ السلام کی مماثلت کے دعوے میں حق بجانب ہیں۔ قرآن کی بے مثلی کے تو قائل ہوں اور صاحبِ قرآن کی بے مثلی پر معترض۔ حالانکہ سیاہی۔ الفاظ اور رائق جو قرآن کا ظاہری جامہ ہے ہر کتاب ان کی حامل ہے + قرآن نے اپنے کو نور اور حدی کہا ہے اور صاحبِ قرآن کو بھی۔ نور اور حدی کے الفاظ دئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایک بے مثل ٹھہرے اور دوسرے کو ”پیمو مثلی“ ”پیمو مانی“ کے ناموں و خطبات دئے جائیں ہیں۔

بہنِ عقل و دانش ببايد گر يست

سمجھ لیجئے کہ عالم مخلوق اسباب سے وابستہ ہے اور تفہیم کے لئے
تمثیل کا عادی ہے۔ عالم امر اسباب کا پابند نہیں اور تفہیم سے
بے نیاز ہے۔ حقیقت امر ہے جب عالم خلق میں عالم امر کو رکھا
اور پھر عالم خلق کو اپنی دعوت دی تو یہ دعوت عالم خلق کے لئے
ایک معنی بن گئی تفہیم و تمثیل کے عالم کو بھلا یہ رسائی کیونکر نصیب
ہو کہ ایک تفہیم سے بالا اور تمثیل سے اوپر والے امر کو پالے نتیجہ بے بسی
نکلا۔ صفت رحمت موجزن ہوئی تو صورت امر کا ظہور فرمایا جس میں
تمثیل و تعقل کی جھلک رکھی تاکہ عالم خلق اپنے ان دونوں وصفوں سے
منازل معرفت میں گامزن ہو + نہ یہ مثل اصل تھی اور نہ یہ عقل
عقل خلق۔ ایسی لئے اسے ”مشدک“ ہی فرمایا بعض مخلوق کو اس
مثال اور اس عقل کل نے استفادہ بخشا اور انہیں حقیقت میں ڈھانپ
لیا۔ بعض اس سے سرے سے ہی غافل رہے اور مقصد تخلیق نہ
پائے اور بعض اس پر متق مثل کو جو دراصل انہی کے فائدہ کو تھی
اپنی اصل پر منتج کرنے لگے اور لفظ ضلال ”مبین کا طوق
ڈال کر ننگ و عاری دین بنے۔ عیاذ باللہ۔ انہوں نے یہ نہ
سوچا کہ علت مماثلت تو معرفت امر کے لئے تھی نہ اس لئے کہ
اس کو زیر بحث مضمون بنایا جائے کلام پاک نے جہاں کہیں اس
مماثلت بشریہ کا ذکر فرمایا فوراً ساتھ ہی یوحی الہی کی ضد سے
مباہنت فرمادی تاکہ پڑھنے والے مشدکوں میں ہی نہ ٹھہرے
رہیں بلکہ جان لیں کہ وحی الہی جو عالم امر سے ہے۔ بشریت جو عالم
خلق سے ہے، اس کی مشمل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ بشریت اسے
اور اک کر سکتی ہے۔ صورت امر میں مماثلت خلق تو دعوت حق
کے لئے تھی نہ خود صورت امر کے لئے + اور اس مماثلت الہی جھلک

کی مثال خود قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرمائی ہے۔ جب اللہ عزوجل نے طور کے ایک درخت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کے رنگ میں جھلک مار کر اسے اپنی طرف بلایا۔ جب وہاں پہنچ گئے تو فرمایا اِنِّی اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ نہ وہاں کوئی آگ تھی نہ آگ کا نشان۔ عالم خلق پابند اسباب اور متمنی امثال تھا اس لئے اسی کے رنگ میں صورتِ امر نظر آئی اور اپنی صفت تضاد کے ماتحت اس عالم خلق کو کفر و ایمان کے دو گروہوں میں منقسم کر گئی۔ جو جملہ تضاد کے سرچشمہ ٹھہرے۔

سے اب جو نہ مانے آپ سقر گیا تیرا نور بار و دھار ہے۔

آپ کے افعال۔ اقوال۔ احوال اور کمال جن کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر انشاء اللہ ہوگا تو بے مثل ہی ہیں۔ یہاں پر صرف آپ کے وجود پر وجود کو بے مثل ماننا ہے اور عقیدہ مثلیت کو باطل ثابت کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اکثر جگہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اقوام نے بھی اپنے اپنے نبی کو انتہا بشر ٹھٹھنا کہہ کر ہی وبالِ عذاب چکھا۔ ظاہری چہرہ مہرہ کا پایا جانا مثلیت کے ثبوت میں ناکافی اور ناتمام ہے۔ ہم بھی موجود اور اللہ عزوجل بھی موجود تو نعوذ باللہ کیا یہ ہمارے ہی موجودگی اللہ عزوجل سے کسی قسم کی بھی مماثلت میں دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ اسی طرح اللہ عزوجل مومن۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومن اور ایک مثلیت کا وعیدار بھی مومن تو کیا یہ تینوں مومن آپس میں مماثلت رکھنے لگے۔ حضور علیہ السلام منظرِ احدیت ہیں۔ اگر احدیت بے مثل تو منظر بھی بے مثل جیسے آپ کی حقیقت بے مثل ویسے آپ کا جسم بے مثل۔ جیسے آپ کی حقیقت برزخ کبریا ویسے ہی آپ کا جسم اقدس بھی برزخ کبرا

صورت امر نہ خالق نہ مخلوق نہ واجب نہ ممکن۔ نہ ہم جیسے نہ خدا جیسے
 اگر واجب مانیں تو عبودیت جاتی رہی جو ثابت + اگر ممکن جانیں تو قدرت
 سے انکار جو محال + نہ آپ ممکن الوجود نہ واجب الوجود۔ آپ دونوں
 ضدوں کا اجتماع اور اللہ کی شان امر کی صورت۔ انہما انا منتشر
 مشدکھ آپ کی ادا اور قاب قوسین ادا دہی آپ کی انتہا۔ اور ان
 دونوں مقامات کے درمیان درمیان ساری کائنات کی راہ۔ یہی وجود
 اگر ابو جہل دیکھے تو جو بگو اس کوسے اللہ کی پناہ۔ اور اسی چہرہ کو اگر جہنم
 صلیق دیکھے تو فوراً زبان سے سبحان اللہ۔ ماشا اللہ کی تسبیحات
 نکلیں آپ کا شرف اتنا بلند کہ نسبتیں تھک کر سدرہ تک ہی رہ جائیں
 اور دوسری طرف آپ کا کرم اتنا وسیع کہ کائنات کا ذرہ ذرہ فیض بابت
 ہے۔ اگر یاس ڈگمگائے تو فوراً اس اس کا دامن پکڑے۔ اگر اس
 اترے تو یاس سے منہ کی کھائے +

اس اجتماع کا ایک اور منظر غزوہ احد کے دن دیکھیں عالم اسلام
 میں شاید ہی زیادہ تنگ وقت اس دن سے آیا ہو۔ قوم نے آپ کا مبارک
 زخمی کیا داہنی طرف کے نچلے دانت مبارک کا کچھ حصہ بھی شہید ہوا۔
 دو کڑیاں کھود کی رخسار مبارک میں بیٹھ گئیں۔ آپ گھوڑے سمیت
 کافروں کے کھودے ہوئے گڑھے میں بھی گر گئے۔ اس سراسیمگی میں
 طلحہ رضی۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اور مالک ابن سنان رضی جیسے اہل الامر صحابہ
 نے آپ کی ظاہری معاونت بھی کی۔ صفت امر کی تفریط اس سے زیادہ
 کیا ہو سکتی تھی + اگر آپ کی کیفیت یہی رہی پھر تو مماثلت کے دعوے
 داروں کی بن آئی۔ لیکن اسی واقعہ کی احادیث مبارکہ میں جن کی زیادہ
 تر روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس صورت امر
 کی شان افراط بھی لکھ کر ظاہر کر دی۔ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور

علیہ السلام کو کٹھڑے سے نکالتے ہیں تو ان کو ۱ وجیبہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ
 (واجب ہوئی جنت طلحہ رضی اللہ عنہ) کی بشارت دی جاتی ہے۔ ابو عبیدہ
 بن جراحؓ کھڑکی کڑیاں رخسار مبارک سے اپنے دانتوں سے کھینچتے ہیں اور
 ان کو بھی یہی الفاظ کہ جنت تم پر واجب ہو گئی فرمائے جاتے ہیں۔
 علمبردار اُحد مالک بن سنانؓ نے رخساروں سے خون پاک چوسا تو فرمایا
 "جس نے خون چوسا واجب ہوئی اس کے لئے جنت" اسی کیفیت
 میں آپ جیل اُحد کے ایک پتھر سے ٹیک لگائے کٹھڑے ہیں کہ حضرت
 جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوتے ہیں اور اللہ عزوجل کا سلام
 دینے کے بعد عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ سامنے والے درخت
 کو اشارہ کریں کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ کے پاس آئے اور
 سلام کر کے واپس اپنی جگہ چلا جائے چنانچہ اسی طرح ہوا ایک
 طرف اکمل المکنات کی حیثیت سے آپ کی ظاہری بے بسی اور بے چارگی
 نظر آ رہی ہے تو دوسری طرف منظرِ واجب کی حیثیت سے آپ کی
 قدرت اور خود مختاری ملاحظہ ہو + صورتِ امر بہانِ خلق ہے جو حقیقتِ امر
 کا احسان ہے۔ اور دلیل ہے سالکوں پر کہ امر بہ حال میں حصولِ یقین
 اور رفعِ غم اور حزن کے لئے موثر ہے۔ اور دلیل ہے اس پر کہ جس کو
 تقرب اور بزرگی درگاہِ امر میں ہو اگرچہ کچھ غم اور حزن خلق سے پہنچے تو
 صبر کرنا چاہئے اور اجر بقدر مشقت اور رنج کے ہوتا ہے۔ اصل میں
 نہ عقل غوام کی آپ تک رسائی ہے اور نہ عقل شرعی کی۔
 سے حیرت نے جھجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں۔
 آپ کے جسمِ اقدس کا ہر ہر اندام اپنے میں تفریط و افراط اور
 تضاد کا حامل ہے۔ آپ کا ہر عضو نور کا ٹکڑا ہے اور آپ کا جسم
 عین نور ہے۔ آپ کی طرف گمانِ مماثلت کرنا ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔

آپ تو آپ کی نعلین مبارک کی معراج عرش اعظم ہے، آپ کے مسئلہ معراج میں اختلاف کفار مکہ سے لے کر آب تک چلا آرہا ہے کوئی آپ کے جسد پاک کو جسم کثیف کہہ کر اس کا صعود الی السما محال جان رہا ہے۔ کوئی اس معراج کو خواب کا نام دے کر پیش کر رہا ہے۔ کوئی اس معراج کا سرے سے ہی انکار ہی ہے۔ ادھر دوسری طرف اہل ایمان اس عروج کو مع الجسد ثابت کر رہے ہیں اور اپنے ثبوت میں کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ سے عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ دو نو طرف ایک گرم معرکہ آرا مسئلہ ہے طرفین سے بحثیں ہو رہی ہیں لیکن آج تک نہ تو سارے جسمانی معراج کے معتقد ہوئے اور نہ سارے منکر۔ سیاح لامکان نے سب سے پہلے امر کی حدیث ابو جہل کو سنائی جو اتفاقاً صحیح ہوتے ہی حرم پاک میں موجود تھا۔ خبر تمام کی تمام عالم امر کی تھی اس لئے فوراً عند اختیار کر گئی۔ چنانچہ ابو جہل نے اس کی خبر کو فوراً اپنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے لیکن صدیق اکبر کا اس خبر کو بغیر پس پیش کے مصدقہ جاننا مقصد ابو جہل کو ناکام بنا گیا۔ ناچار اس نے اپنے چمنواؤں سے یہ خبر کہی اور اس دن سے صورت امر کا یہ غارق اسباب فعل تنازعہ فیہ ہوا۔ یہاں واقعہ معراج کا تفصیلی ذکر مقصود نہیں۔ اور نہ ہی کسی شے کا ثبوت درکار ہے۔ اس واقعہ کی ابتدا سے لے کر انتہا تک بھلا عقل کی کیسے رسائی ہو۔ جب کہ اس کی ابتدا اور انتہا ایک ہو جائے۔

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سر عرش گئے آئے محمدؐ

عالم خلق۔ عالم اشباح۔ عالم اسباب اسے محال جانیں تو جانیں

لیکن عالمِ امر میں ایسے ہزاروں اجتماع ممکن ہیں۔
حقیقت امر اگر بیک وقت اول بھی ہے اور آخر بھی تو صورت امر
سیرِ اقصیٰ (پرسے سے پرسے) میں سترہ سال گزار آئے اور پھر
پلک جھپکنے سے پہلے ہی اس این و آن کی وادیوں کو عبور کر کے واپس
بھی آجائے تو عقل نارسا کیوں خون تھوکنے لگے۔

حدیثِ معراج کے تحت راقم الحروف امر کی قدرت کا ایک
واقعہ درج کرتا ہے۔ ذرا صورت امر کی بینائی کی وسعت ^{ملاحظہ فرمائیے} جب
آپ نے فرمایا کہ حاملانِ عرش دیکھے جن میں سے ایک فرشتہ کا
ذکر فرمایا کہ اس کے ایک بال میں سات سمندر موجزن تھے۔ جن
میں پھیلیاں تھیں اور ایک پھلی کی مسافت دم سے لے کر اس کے منہ
تک حدِ نظر تک تھی + عقلِ زمان۔ مکان اور وقت سب امر کے تحت
ہوتے ہیں اس لئے کہ ان سب کی تخلیق امر سے ہی ہوئی جز کل کو کیسے
گھیرے اور خلق امر کو کیسے پائے + یہ عبدیت بھی صورت امر ہے
اور امر متحمل قدرتِ نہا بریں بندہ کا حضرت قادر کو ملنا محال نہ ٹھہرا۔
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

آپ کا جسدِ اطہر۔ آپ کی حدیثِ مبارک آپ کے افعال تمام تر
عالمِ خلق کے واسطے حجاباتِ نور ہیں اگر ظہور ہوں تو سب سوخت
ہو جائیں۔ یہ ظاہری کثافت جو آپ میں نمایاں ہیں دراصل اسی
لطفِ عظمیٰ کا جلوہ نہ و نما کر رہی ہیں جس کا دوسرا نام امر ہے +

صورت امر کی روح یا نور سب سے پہلے اور صورت امر کا بدن
مبارک سب سے۔ آخر۔ (نحن اخرون سابقون) صورت امر
کے متعلق میثاقِ اولیٰ اور اس کا عملد آمد۔ ابدی۔ صورت امر جو جامع
الکلم۔ یتیم۔ کافۃ الخلاق۔ خاتم النبیین۔ رحمت العالمین صورت امر

سے سب اور صورت امر کا سب۔ سب طالبِ رضا کے مولا اور
اُدھر طلبِ رضا کے مقدس۔ و لَسَوْفَ لِيُطِيعَاكَ
رَبُّكَ فَتَرْضَى۔

سب حقیقتِ امر کی قسم کھائیں لیکن حقیقتِ امر صورتِ امر کی
قسم کھائے۔ اللہ عز و جل سب کو بنامِ علامت اور آپ کو بنامِ کرامت
یا دُعا فرمائے۔ اور وہ غلط علیہہ کا پیغام دے کر آپ کی رافت کی
تلافی فرمائے۔ کیونکہ صورتِ امر میں غلطت اور رافت دو نوصدیں بیک
وقت ہیں۔ صورتِ امر پر اعتراض کا جواب حقیقتِ امر خود دے اور
باقی پیغمبروں کا ان کی زبانی۔ خطاب و کلام میں جملہ مخلوق سے تفصیرِ زلات
پہلے اور معافی بعد میں۔ لیکن صورتِ امر میں معافی و مغفرت پہلے اور ذکر
تفصیر بعد میں۔

۱۔ عَفَى اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُو۔

۲۔ يَخْفَرُ لَكَ اللَّهُ مَا تَقْدُمُ مَا تَأْخُرُ۔

وجودِ مخلوق آب و گل سے اور صورتِ امر جان و دل سے پیدا فرمائے۔
سب سائے رکھیں لیکن صورتِ امر سب سے بلند اسی لئے آپ بغیر
سائے کے۔ شبِ تاریک میں نورِ آپ کا ایسا روشن جیسا چراغِ خواب
و بیداری میں اور اک آپ کا یکساں۔ تخمیرِ طینتِ آدم علیہ السلام چالیس ہزار
برس تک رہی اور نورِ آپ کا تین سو پچاس ہزار برس قبل خلقتِ آدم نور
احدیت اپنے سے پیدا کیا۔ آدم علیہ السلام کے لئے آبِ جنت
استعمال کیا اور صورتِ امر کے لئے آبِ رحمت۔ آدم علیہ السلام کے
لئے نفخت فیہ من روحی اور صورتِ امر کے لئے و کذا لک
اوحینا الیک روحاً من امرنا۔ آدم علیہ السلام کو سما تعلیم
فرمائے اور اُدھر صورتِ امر کو علم القرآن خلق الانسان سے پہلے ہی عطا

فرمایا۔ آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ تو صورت امر مقتدا سے فرشتگان و پیغمبر
اور جملہ عالمیان۔ ادھر آدم علیہ السلام کو روزِ اول ایک سجدہ تھا لیکن ادھر
صورت امر قیامت تک کے لئے مقامِ محترم اور قیامت کے بعد مقامِ
محمود پر فائز ہوئے + آدم علیہ السلام کو آسمان سے گزار کر بہشت
میں لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہشت دکھا کر مقامِ قدس
مکانِ قبابِ توسین ادا فی اتک سیر کرائی۔ آدم کو شیطان کے ڈگمایا
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شیطان مسلمان ہو گیا۔

آدم مبتلا سے بذلت ہوئے یہاں تک کہ خلق کو پتہ لگ گیا اور عتاب
پہلے۔ ادھر لیغفر لک اللہ ما لقدم و ما تاخر سے سند
مغفرت بھی مل گئی اور خلق بے خبر رکھی۔ آدم علیہ السلام کا قالب غالب
آیا اور انہیں اوپر سے نیچے زمین پر لے آیا۔ صورت امر ولایتِ خاک
سے عالمِ پاک کی طرف روانہ ہوئے + و علی ہذا لقیاس جمیع انبیاء علیہ السلام
کو جو جو آیا گیا اس سے کہیں بلند و بالا صورت امر نے پایا۔

کلامِ پاک کی تفاسیر جو جو تفادات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ
مبارکہ میں ملے راقم الحروف ان کو اختصار کے طور پر بیان کر دیتا ہے
تاکہ پتہ چل جائے کہ ہم وادراک صورت امر کے پانے میں قاصر ہیں۔
۱۔ ادیس علیہ السلام : آپ فرطِ درس کی وجہ سے آسمانوں پر
اٹھائے گئے ہر جگہ کی سیر کی۔ جب بہشت میں داخل ہوئے تو اسے پسند
فرمایا اور واپس آنا نہ چاہا ادھر صورت امر جب سیرِ سماوات وغیرہا کو تکملے
سب کا معائنہ فرمایا اور حقیقتِ امر کے سوائے کسی کو پسند نہ فرمایا۔
یہاں تک کہ مازاع و ماطفی کی ڈگری ملی + ادیس علیہ السلام کو سیر کو اکب
کرائی اور ادھر صورت امر کا قدم فرق کو کب پر رکھا + ادیس علیہ السلام
کو علمِ خیاطت کا دیا اور حضور کو علمِ معرفت اور نورِ محبت۔ ادھر علمِ کتابت

و معرفت لوح و قلم و فی اُدھر لوح و قلم سے گزار کر کتابت سے مخاطب کو پہنچایا۔

۱۲۔ نوح علیہ السلام :- کشتی بخشی کہ سیر کریں اُدھر براق بخشا کہ ہوا میں آڑیں۔ کشتی کے سفر میں بلا و طوفان سے نجات بخشی اُدھر لطف الہی اور فضل اللہ تھا ہی سفر معراج میں دامنیگر ہوا + ایک طرف تو قوم کے لئے عذاب چاہا۔ دوسری طرف کافروں کی ہدایت چاہی۔

۱۳۔ ابراہیم علیہ السلام :- آپ کا مقام مقام سخاوت اور صورت امر کا مقام مقام مجود۔ آپ اگر خلیل ہیں تو صورت امر حبیب۔ آپ امام عوام امام۔ انی جا علیک للناس اماما اور اُدھر معراج میں آپ امام انبیاء۔ ابراہیم علیہ السلام کو اگر قوت یقین دی تو صورت امر کو ”لی مع اللہ وقت لا یسفی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل“۔ یعنی وقت بالیقین + ایک طرف تو جبریل علیہ السلام پوچھے۔ ہل لک حاجت؟۔ دوسری طرف اندر عجز میں کہے کہ اگر آگے جاؤں پر حل جائیں + اُدھر آتش نمرود کو بردہ سالم کیا تو دوسری طرف صورت امر سے وابستگان پر آتش دوزخ بردہ سالم کی اور صراط پران کے لئے آتش افسردہ اور تیج بستہ کر دی۔ ایک کی نظر آفتاب ماہتاب سیاروں پر رکھی۔ اُدھر صورت امر کا قدم سب سے اوپر لے جا کر وہو بالافق اعلیٰ فرمایا۔ ایک طرف تو نبی ابراہیم ملکوت السموات والارض سے وسعت نظر دی تو دوسری طرف دنی افتدلی سے وسعت قرب دکھائی + ایک در ماندہ ہو کر جسی اللہ کہتے تو دوسرے کو ارشاد حسبک اللہ ہو + ایک طرف تو اتنی ذاہب الی ربی سید پر کھلائے۔ تو دوسری طرف سبحان الذی اسر ابعبدا وہ خود فرمائے ایک

طرف فرمان ہو رہا ہے کہ بندوں اپنیوں کو کہہ کہ ثنا میری کریں۔ اور صورت امر کے بارہ میں ارشاد ہے کہ تو نہ تھا کہ قیدی ثنا کی گئی۔
 ورافعنا لك ذكرک۔ ایک نے عالم ملکوت کی سیر کی اور بلاکت عاصیاں چاہی۔ دوسرے لفائف کبریا سے مشرف ہوئے تو عاصیوں کی مغفرت چاہی۔ ایک کو حکم ہوتا ہے واذن فی الناس بالحق دوسری طرف محبوب کے لئے خود پکاریں اٹھتی ہیں۔

ربنا اننا سمعنا منادی ینادی لا ایمان... الخ
 ایک کہے فمن تبعنی نأمن منی۔ دوسرا فرمائے شفاعتی من اهل کبابر من امتی + ایک کو اولو تو من اسے عتاب امیر خطاب دوسرے کے لئے امن الرسول بما انزل اللہ من ربه والمؤمنون... الخ + واسطے پسرخیل کے ایک کو سفند قدیہ بھیجا اور واسطے پدر حبیب صلعم کے سو گو سفند قدیہ دئے۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام کہیں کہ مجھے سب عالم سے حق سبحانہ بس۔ اور ادھر حق سبحانہ، فرمائے مجھے کونین سے میرا حبیب صلعم بس۔ لولاک لما خلقت الجن والانس۔
 ۴: حضرت یوسف علیہ السلام۔ آپ کوتاویل حدیث اور تعبیر خواب کا علم عطا فرمایا۔ تو صورت امر کی امت کو تحصیل موارث اور تفسیر کتاب دی ایک طرف حسن دیا اور زنان مصر نے اپنی انگلیاں کاٹیں۔ ادھر جمال دیا۔ کہ زنار توڑے۔

سے سرکٹاتے ہیں ترے نام پر مردان عرب

ایک طرف وجعلنی خزا من الارض تو دوسری طرف مفتاح کنوز رحمت اور خزائن رموز مغفرت + ایک نے والد کو تخت پر بٹھایا۔ دوسرے سر عرش تخت نشین ہوئے +

۵ :- حضرت موسیٰ علیہ السلام :- کوہ طور پر کلیم اللہ بنے ۔ ادھر حرم نماز میں فاوجی علی عبدہ ما اوحی سے نوازے گئے ۔ ایک تو ید بیضا لئے واپس آئے ۔ دوسرے طبت بیضا اور دین بیضا سے نوازے گئے ۔ اعجاز عصا سے اگر ساحران نابود ہوئے تو ادھر شفاعت سے گہنگار مٹ گئے ۔ ایک کو پیغمبر می بنی اسرائیل کی ملی تو آپ کے لئے جبرئیل علیہ السلام جیسے خدمت گزار اور اسرافیل علیہ السلام جیسے حاشیہ بردار ۔ ایک خود گئے ۔ فلما جاء موسیٰ ۔ دوسرے بلوائے گئے ۔ ایک کا کلام کوہ طور پر دوسرے کا کلام کرسی نور پر ۔ ادھر چالیس دن تک آب و نان نہ دیا پھر کلام کیا ۔ ادھر ہر رات ابیت عند ربی ہو یطعنی و یسقنی کا پروگرام ہے ۔ ادھر جگایا ۔ ادھر سلایا اور رات کے ایک حصہ میں سراغ ایں و متی مٹا دیا ۔ جو آپ جائیں ممکن ہے کہ یار پائیں یا نہ پائیں اور جو بلائے جائیں ممکن نہیں کہ دخل نہ پائیں ۔ ایک طرف توجوش لن تراخی اور دوسری طرف تقاضے وصال کے ۔ (الحق تراخی ریک) ایک دریا پار کرے تو دامن تر نہ ہو اور دوسری طرف کمال یہ کہ صراط سے گزرے اور دامن خشک نہ ہو ۔ ضرب عصا سے چٹے پھوٹے اور ادھر انگلیوں سے نہریں جاری ہوئیں ۔

۶ :- حضرت سلیمان علیہ السلام :- آپ کے لئے ہوا مسخر کی تو صورت امر کے لئے ملائکہ مسخر کئے ۔ و یمد د کوریکو یخمسۃ الاف من الملائکۃ ۔ ایک کا تخت دن رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کرے اور ادھر براق بیک وقت پلک چھپکنے سے پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے ۔ ایک طرف مرغ سایہ کرتے تھے اور باتیں کرتے تھے تو دوسری طرف الحق تراخی ریک کیف مد اخل کا سایہ ہے ۔ اور سب باتیں کرتے ہیں ۔

ایک کو ساری دنیا کی مملکت بجا ریت۔ اور ساری عقیقی اپنی اور ہمیشہ کے لئے + اور اگر انگشتری مملکت تھی تو اور خاتم نبوت۔
 ۷:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام:۔ آپ کا مقام آسمان چہارم پر اور امت اپنی کو محروم کر دیا۔ اور صورت امر عرش پر دولت وصال رکھتے ہوئے امت کو یاد فرما رہے ہیں۔ ایک بن باپ کے اور صورت امر بے واسطہ نور احدیت سے۔ ایک مردہ زندہ کرے۔ دوسرا پتر مردہ دلوں کو زندگی بخشنے۔ افا من کان متیاً فاحیناء ایک کا مائدہ آسمان سے اترے۔ اور رکھنے سے گلنے سڑنے کا اندیشہ ہو۔ صورت امر کا مائدہ پتر فائدہ قرآن۔ لا رطب ولا یابس الا فی کتب المبیین + پہلا مائدہ سبب غذائے قوم ہوا۔ دوسرا مائدہ وهو شفاء ورحمته للمومنین بنا۔ مندرجہ بالا سطور کا مطالعہ آپ پر واضح کر گیا کہ جنہوں نے صورت امر کو یہاں تک رکھا کہ ”انچہ ہمہ خواباں دارند تو تنہا دار ہی“ وہ اپنی بے بسی کے تحت ایک مقام پر رُکے ہوئے ہیں + عالم خلق کی خوبیاں عالم امر کی خوبیوں سے کیسے مشابہت رکھ سکتی ہیں۔ گراۃ انبیاء و ہویا مرسلین۔ مقربین ہوں یا واصلین سب صورت امر کے طفیلی ہیں اور سب آپ کا دروازہ دکھانے والے ہیں۔ راہ حقیقت امر صرف آپ ہی ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ہمنوائی میں یہی کہن پڑے گا۔

۸:۔ بسیار خواباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگر ہی اجساد و عالم خلق مقید اور صورت امر کے جسد شریف کی تجلی سے نہ زمانہ خالی نہ مکان۔ نہ محل خالی ہے نہ امکان۔ نہ عرش خالی ہے نہ لوح۔ نہ کرسی خالی ہے نہ قلم نہ بحر خالی ہے نہ بر نہ نرم زمین خالی

ہے نہ سخت - نہ برترخ خالی ہے نہ قبر - صورت امر اپنے مقام
اعلیٰ و ارفع میں تشریف فرمائیں - اور ہر مندرجہ بالا مقامات پر حاضر
ناظر ہے - صورت امر کی نورینری سے ہی آفتاب و ماہتاب بلکہ تمام
عالم روشن و منور ہے ۔

صورت امر باعث تکوین کائنات اور فائت جملہ موجودات ہے -
یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ ہر کام کا آغاز تلقین 'بسم اللہ' سے ہے -
نہ کہ 'باللہ' سے - اسم اور ذات جس کا کہ وہ اسم ہو دو علیحدہ چیزیں
ہیں - ایک شخصیت اور ہستی ہے اور دوسرا اس کا نام (اسم) جو کہ
اس ذات - ہستی یا شخصیت کی نشاندہی کرتا ہے - شے اپنی جگہ قائم
ہے لیکن اس کا نام (اسم) زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے - کائنات
کی تمام اشیا میری ان سطور کی تصدیق کرتی ہیں - لفظ زید ابلیس زید
کی شکل اور جس قدر معلومات آپ کی زید کے متعلق ہیں فوراً سامنے آجائیں
گی - ضرور ہی نہیں کہ زید کی ذات بھی اس کے اسم کے ساتھ حاضر یا
سامنے ہو - لیکن ایسی ذات جس کا دعویٰ 'دلیس کمثلہ شئی'
ہو - پہلے تو اس کا کسی طرف سے بھی احاطہ کرنا دشوار ہو کیونکہ مثل
کو پہچانتی ہے - اور جب اس کی مثل کچھ نہیں تو رسائی کے تمام آلات
کٹ گئے -

دیگر ایسی ذات اور ہستی کے نام کی تلاش بھی عالم خلق کے لئے
ایک معجزہ بن گئی وجہ اس کی یہ بنی کہ ذات تو موجود حقیقی اور موجود ہے
لیکن اس کا نشان کہیں نظر نہیں آتا تھا - عالم اجساد مقید - مثال کا
عادی بھلا پکارے تو کس کو اور ابتدا کرے تو کس سے + لفظ اللہ پہلے
سے ہی معانی سے پاک تھا لیکن ساتھ ہی اپنی معرفت کا بھی چاہنے
والا تھا - ادھر مخلوق بغیر کسی نشان کے اور بغیر کسی نام کے اس کو پانے

سے یا اس تک یا اُس میں جانے سے رہی۔ حقیقت امر نے اپنے نام کو (ذات کو نہیں) صورت سمجھتی اور اس صورت امر کو اسم اللہ فرما کر ہر شے کی ابتدا اس سے کراتی۔ مثل کے عادی کو مثال مل گئی اور مثال نے حقیقت بھری بے مثلی کی طرف توجہ دلائی۔ مثل کی بنا پر قصر بے مثلی نظر آیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسم اللہ ہوئے۔ بنا بریں من رانی فقہ راہ الحق کا نعرہ بلند ہوا۔ اسم اللہ اور اللہ کے درمیان فصل اور ان کا آپس میں وصل وقت ذبح بسم اللہ اور اللہ اکبر کے کلمات نے اس طرح واکیا۔ کہ آیہ کریمہ و ذکر اسم اللہ علیہ کے تحت بسم اللہ پڑھ لیا۔ چونکہ اسم اللہ کہا اللہ نہیں کہا اور اسم اللہ اللہ نہیں۔ اِحل بہ لغیر اللہ کا تقاضہ قائم رہا۔ اسم اللہ اللہ نہ ہونے کے معنوں میں غیر اللہ ہے۔ اس حرمت کو دور کرنے کے لئے کلمہ اللہ اکبر کہنا پڑا۔ جس سے اِحل بہ بغیر اللہ کا مقصد بھی برآیا۔ اپنے امر کی صورت یا اپنی ذات کے اسم کو سب کا مبدا ٹھہرایا اور یہی صورت امر کی اور یہی اسم اللہ کا جملہ موجودات کا مزج ہوا۔ خود ماکان وما یکون سے دنا الودار رہا۔

اب شبه الرحمن اور الرحیم کے الفاظ میں پڑا۔ اللہ الرحمن اور رحیم تو تھا ہی اسم اللہ الرحمن ورحیم (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کیسے بنا۔ رحمن صفت عام ہے اور رحیم صفت خاص + کلام الہی نے اس کی یوں وضاحت کی کہ صورت امر کی شان میں۔

- ۱:- وما ارسلناک الا رحمتا لالعالمین اور
- ۲:- یا لمومنین روف رحیم فرمایا کہ اسم اللہ کو بھی ان دو صفات سے نوازا لیا۔ جس سے شبہ کا ازالہ ہو گیا۔

ختم شریف و احکام

سلسلہ عالیہ سہروردیہ رحمہ اللہ

- ۱:- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (۸۶ مرتبہ)
- ۲:- دو وود شریف حضری :- صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ و اصحابہ و سلمو (۱۱۵ مرتبہ)
- ۳:- سورۃ فاتحہ :- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْذُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۝ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّالِّیْنَ ۝ آمین (۱۱۱ مرتبہ)
- ۴:- سورۃ الم نشرح :- اَلَوْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَ وَضَعْنَا عَنَّا وَ ذَرَّکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذَکْرَکَ ۝ فَاَنْ مَعَ الْعَسْرِ یَسِّرْ ۝ اِنْ مَعَ الْعَسْرِ یَسِّرْ ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝ وَ اِلَیَّ رَجَّکَ فَارْعَبْ ۝ (۱۱۱ مرتبہ)
- ۵:- سورۃ اخلاص :- قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ (۱۱۱ مرتبہ)
- ۶:- دو وود شریف ہزارہ :- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ اَصْحَابِ سَیِّدِنَا

وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةِ أَلْفٍ أَلْفٍ مَرَّةٍ وَبَارِكْ
وَسَلِّمْ (۱۱ مرتبہ)

۷: یا قاضی الحاجات (۱۱ مرتبہ) - ۸: یا کافی المهمات (۱۱ مرتبہ)

۹: یا شافع الامراض (۱۱ مرتبہ) - ۱۰: یا حل المشکلات (۱۱ مرتبہ)

۱۱: یا ملج المناجات (۱۱ مرتبہ) - ۱۲: یا مجیب الدعوات (۱۱ مرتبہ)

۱۳: یا مسبب الاسباب (۱۱ مرتبہ) - ۱۴: یا مفتح الابواب (۱۱ مرتبہ)

۱۵: یا ارحم الراحمین (۱۱ مرتبہ) - ۱۶: واللہ غالب علی امرہ (۱۱ مرتبہ)

۱۷: یا حی یا قیوم برحمتک استغیت (۱۱ مرتبہ)

۱۸: لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من

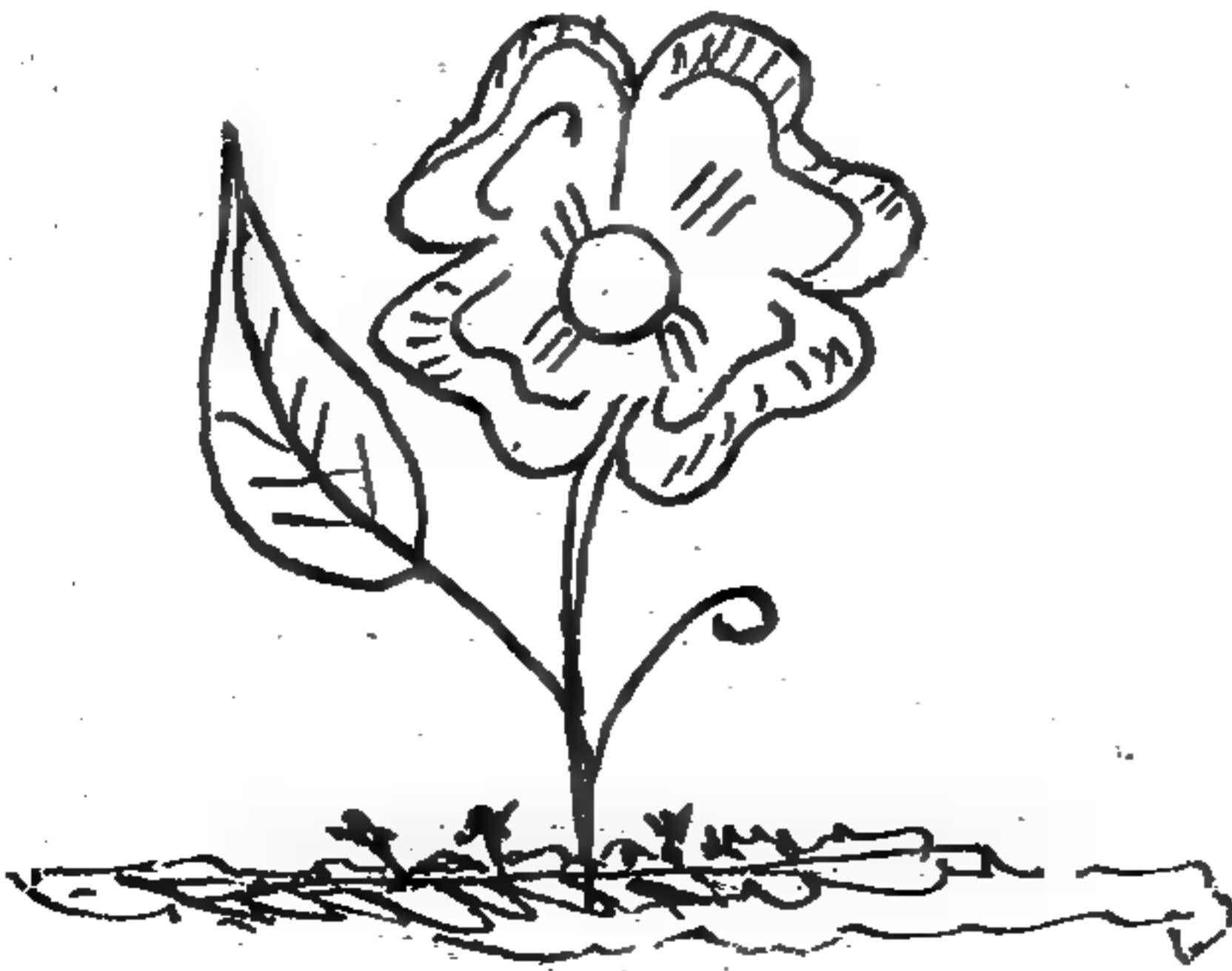
الظالمین (۳۳ مرتبہ) -

۱۹: - حال ماخضہ دلال للبتدر

المدر شیخ شہاب الدین عمر

سُبْحَانَكَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ

عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط

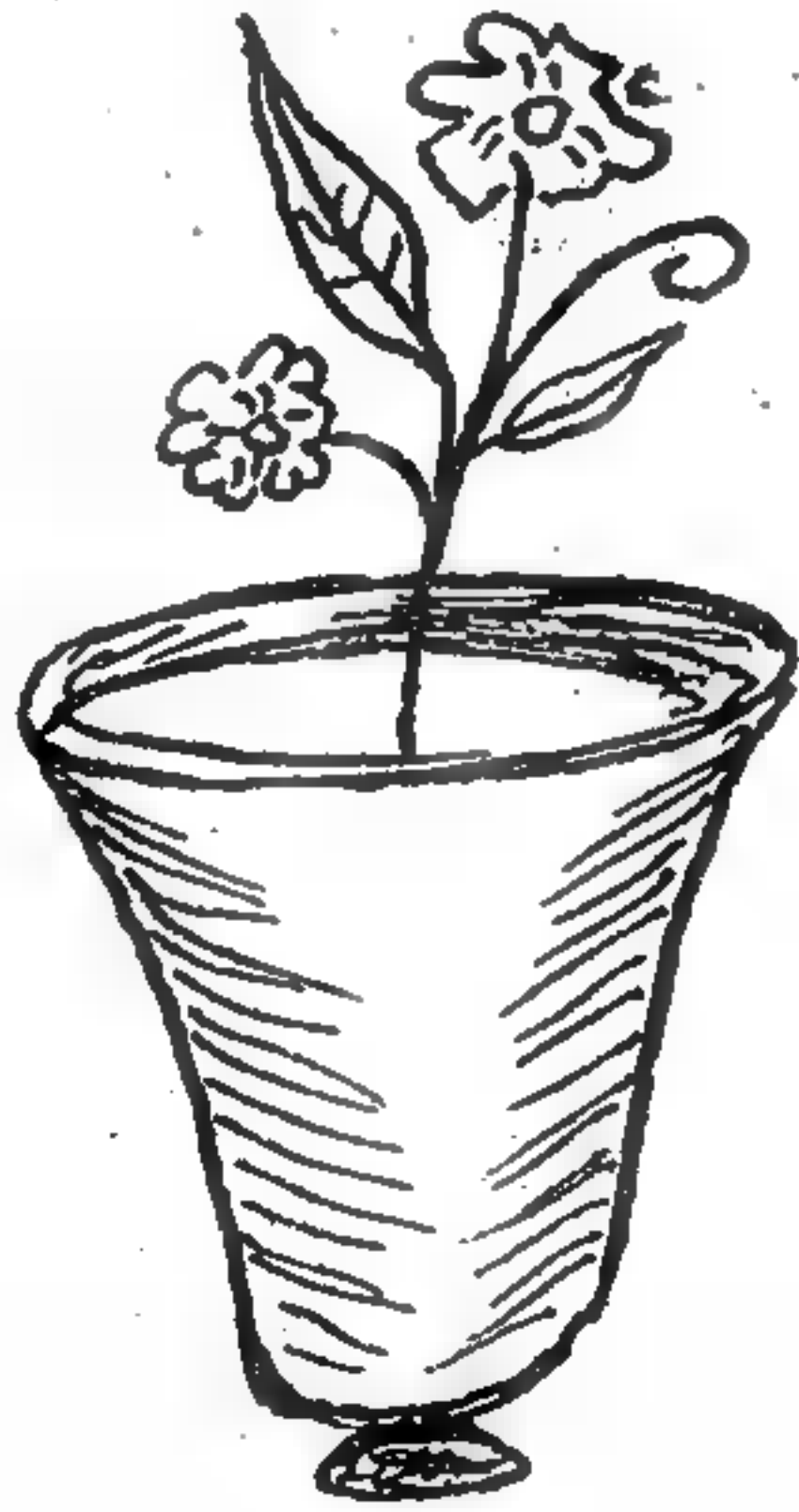


بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

در مدح شیخ حضرت علیہ السلام

اللہ کی رحمت کا عنوان قلندر ہے
 فردوس میں جانے کا سامان قلندر ہے
 اللہ تعالیٰ کا فرمان محمد ہے
 سرکارِ دو عالم کا فرمان قلندر ہے
 گوارِ بے عناصر سے یہ جسم مرکب ہے
 پر حق تو یہ ہے اس کی لبس جان قلندر ہے
 یہ فیض محمد ہے بوالفیض کے سینے میں
 محبوبِ الہی کا احسان قلندر ہے
 انسان کو انسانی اسرار جو سمجھاوے
 انسانوں میں اک ایسا انسان قلندر ہے
 ہاتھوں میں نہ کیوں اپنے مضبوطی سے میں تھاموں
 اُس رحمتِ عالم کا دامان قلندر ہے

دیتا ہوں پتہ تم کو میں شان رسالت کا
 شانوں میں محسوس کی اک شان قلندر ہے
 یہ عشق کے مذہب میں جائز ہے اگر کہدوں
 دین اپنا قلندر ہے ایمان قلندر ہے
 بشرے سے ہی ظاہر ہے محتاج بیاں کیونچ
 اللہ کے جلووں کی پہچان قلندر ہے
 جس در پہ شہنشاہ بھی جھکتے ہیں ریاض اگر
 سلطانوں میں اک ایسا سلطان قلندر ہے



شان قلندر رحمتیہ

مکتبہ

محمد یوسف سہروردی

اسم بامسنى

اجتماعِ صندین کے تحت جو کچھ ابھی تک تحریر کیا جا چکا ہے۔ وہ سب کا سب اُس تمنا کی تمہید ہے۔ جو شانِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ میں دکھائی جانے والی ہے۔ تمہید کے نکات کی روشنی میں تمنا والے واقعات کا مطالعہ انشاء اللہ رُوح افزا ہوگا۔ اس اعتراف و یقین سے کہ راقم الحروف کی ممد نظر صاحبِ امر ہے۔ جرأت ہوئی کہ اپنے ہادی و رہنما حضرت قبلہ قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ذات گرامی ہی اسم بامسنى ہے۔ کے حالاتِ زندگی بھی اس کتابچہ میں تحریر کر ڈالوں۔ یہ اس لیے کہ صاحبِ موصوف اس امر والی لٹ کے ایک حلقہ ہیں۔ اولی الامر منکم کی روشن دلیل۔ دانشخون فی العلم کے ستراج اور اہل الذکر کے پیشوا۔ انا بشر مثلكم کا جامہ اوڑھے یہ صاحبِ امر عالمِ خلق میں آیا اور یہ اتباعِ سنتِ نبویؐ بشارت کے ساتھ یہ آفتابِ عالم تاب موضع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ سرزمینِ پنجاب سے طلوع ہوا۔ آپ کے دادا جان ایک دن گاؤں کے باہر مویشیوں کے لیے چارہ کاٹ رہے ہیں۔ کہ ایک صاحبِ اجنبی انہیں سلام کے بعد بشارت دیتا ہے۔ کہ اے شامزادے آج شام آپ کے گھر ایک بچہ پیدا ہوگا۔ آپ کا پوتا جو زمانہ کا قلندر ہوگا۔ آپ اس کا نام بھی قلندر علی رکھیں۔ یہ ٹھہری وجہ تسمیہ و سلام علیہ یوم ولد

لفظ قلندر اپنے میں صفاتِ امر چھپائے ہوئے ہے۔ دیگر اصطلاحات میں یہی لفظ کبھی فرد کبھی غوث الاعظم کبھی قطب الاقطاب وغیرہ کے اسمائے حسنہ سے تحریروں اور تقریروں میں آتا ہے۔ نام کچھ بھی دیا جائے۔ فی الواقع جو ہستی اس نام سے ملقب ہے۔ وہ اولی الامر حضرات میں یگانہ ہوتی ہے۔ صورتِ امر صلعم

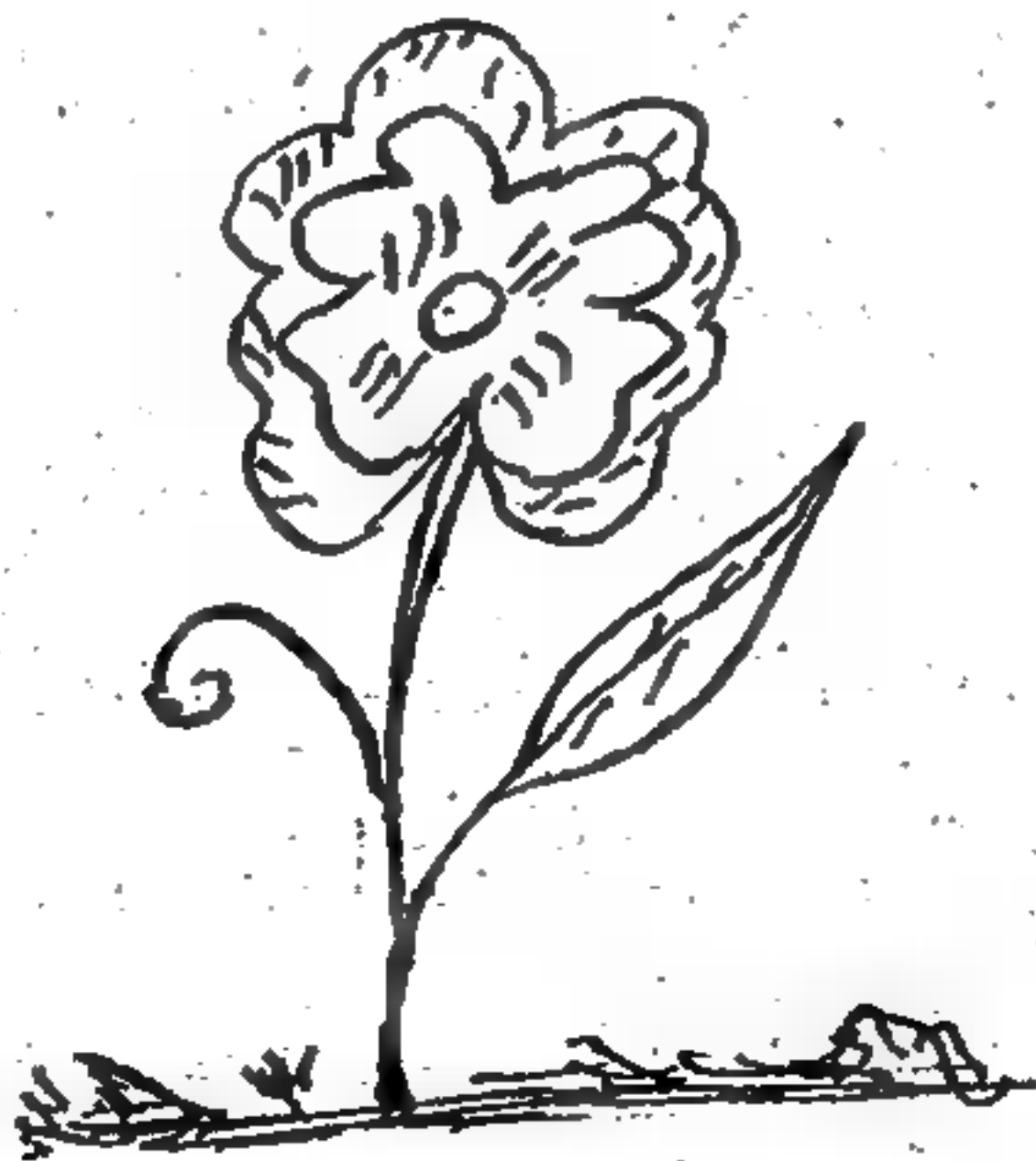
کی خلّت پر مہرتی ہے۔ اور اپنے زمانہ میں کوئی شریک نہیں رکھتی۔ اس گروہ کے باقی حضرات دیگر انبیاء علیہم السلام کی جبلتوں پر مہرتے ہیں۔ اوتے بدلتے رہتے ہیں اور رضائے حقیقت امر کے تحت اس یگانہ ہستی کے زیر سرپرستی کائنات میں کار فرمائی کرتے ہیں۔ امر کی فراستگی اس ہستی کو خلق سے ایک گونہ علیحدہ رکھتی ہے اور مخلوق اس کے احوال افعال اور اقوال کے سمجھنے میں ماہر ہار کھاتی ہے۔

مندرجہ بالا تحریر کی سند حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ شریف کا یہ شعر ہے۔

وکل ولیّ له قدم وائی

علی قدم النبی بدر الکمالی

یعنی ہر صاحب امر کا اپنا درجہ اور قدم جداگانہ ہے۔ اور میں صورتِ امر کے مرتبہ کے ظلّ میں ہوں۔



شجرہ شریف خاندان عالیہ سہروردیہ



حضرت علی کرم اللہ وجہہ

امام حسین علیہ السلام	امام زین العابدین	امام محمد باقر	امام جعفر صادق
امام موسیٰ کاظم	امام موسیٰ رضا	خواجہ معروف کهنی	خواجہ سری سقطی
خواجہ جنید بغدادی	خواجہ مشاد دینوری	شاہ علی رودباری	احمد علی اسود
شیخ انخی فرخ زنجاری	پیر ابوالقاسم	برکبر شاج	محمد عمویا
شاہ وجہ الدین		ضیاء الدین ابونجیب	



بہار الدین زکریا	شیخ صدر الدین	رکن الدین	شاہ جلال الدین احمد
شیخ ناصر الدین احمد	سید بریلان الدین قطب	عزت رکن الدین	شاہ حسام الدین
مخدوم چمن			

اس کے آگے دوسرے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں



حضرت مخدوم طیب
خواجہ عبدالکریم
حضرت عبدالحمید
علی محمد
شاہ محمد
جمشید شاہ صاحب
خواجہ رمضان شاہ لوازی

یوسف ثانی
حضرت شہر اللہ
شاہ کبیر احمد
پیر مونگا
سید شمس
سید کبیر الدین
پیر جگو شاہ صاحب

خواجہ غلام محمد صاحب

حضرت امام السالکین الحاج ابو الفیض قلندر علی صاحب سہروردی

آپ کا نسب نامہ شریف

ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی بن سید حافظ رسول بخش بن سید قاضی
محمد جمال الدین بن جد بزرگوار سید مولوی کرم الہی کوٹلوی بن مقبول بارگاہ مولانا
سید غلام مصطفیٰ شاہ بن مولوی سید سلطان محمد صاحب بن مفتی سید خدا بخش
بن پیر سید محمد مقیم صاحب بن مولوی سید نعمت اللہ بن سید عطار اللہ بن
سید محمد حفیظ شاہ بن سید نعمان شاہ بن ابو عبد اللہ سید محمد علی بن خان بہادر
ابو فتح سید فیروز دین بن ابوالحسن علی قادری شاہ بدیع الدین آغا شہید بن سید
محمی الدین محمد ثالث بن حضرت سید علی بن ابوالحسن سید عباس عرف میر
بن ابویوسف محمد ضو عرف شمش الدین بن ابوالفضل سید احمد صوفی بن ابو محمد سید
عبد اللہ محی الدین ثانی بن ابونصر سید محمد صالح بن ابوبکر سید عبدالرزاق بن
ابو محمد سید محی الدین عبدالقادر گیلانی بن ابوصالح موسیٰ جنجی دوست بن ابی
عبدالکریم عبداللہ ثالث بن سید یحییٰ زاہد بن سید امام شمس الدین محمد بن حضرت
ابوبکر داؤد طائی بن امام ابو عمر موسیٰ ثانی بن امام عبداللہ بن ابوالحسن موسیٰ الجون بن
حضرت عبداللہ محض بن حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن علیہ السلام بن حضرت
علی کرم اللہ وجہہ



آپ کی تصانیف

سیاح لامکان | اس کتاب میں مسئلہ فلسفہ معراج پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور معتزضین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

موعظۃ للمتقین | اس کتاب کے متعلق جید علماء کی رائے ہے کہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے علماء پر احسان کیا ہے۔

دعوت الحنفیہ | یہ رسالہ ہے جو اصلاح عقائد شیعہ کے لیے وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

پردہ نسواں | اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بے پردگی کے حامیوں کے لیے مسکت جواب ہے۔

حلیۃ النبی | یہ چھوٹی سی کتاب پنجابی اشعار میں بڑے مقبول طریقے پر لکھی گئی ہے۔

لباس التقویٰ | یہ رسالہ ڈاڑھی کی شرعی حقیقت پر بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

رسالہ علم غیب | یہ رسالہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق ایک فیصلہ کن تحریر ہے۔

الفقر فخری | اس کتاب میں حقیقت تصوف پر تفصیلی بحث ہے۔ کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

تعارف سہروردیہ | اس میں دعائے معنی شجرۃ عالیہ سہروردیہ حضرت میاں غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہروردی حیات کرطھی

کی مختصر سوانح حیات۔ دعائے مناجات وغیرہ تحریر ہیں۔

تذکرہ سہروردیہ | جس میں صوفیاء کرام کے دینی کارناموں پر ایک سیر حاصل

تصویر ہے۔

انوارِ سہروردیہ جس میں سلسلہ سہروردیہ کے پنجاب سندھ میں اشاعت و تبلیغ کرنے والے حضرات کا ذکر مناجات۔ شجرہ وغیرہ

تحریر ہے۔

جمالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تالیف عبودیت نفی عقیدت براہِ راست بغیر درمیانی واسطوں کے صورتِ امرِ حضور

سید المرسلین، افضل النبیین، رحمۃ اللہ علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند و بالا اور لاثانی دربار میں پیش کی گئی ہے۔

جمالِ الہی حلِ شانہ یہ کتاب دربارِ معنی حقیقتِ امر رب العالمین۔ مالکِ یوم الدین ہیں بواسطہ صورتِ امر بنی پلہ

امام القبلیتین مولانا و مولی الثقلین نوراً من نور اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نذر ہے۔ مولی کریم نے اس کتاب کو شرفِ ایجاب بخش کر اپنے بندوں کو اس پر عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائی ہے۔

مفتقرِ نصائب

سیلا و الرسول، شعبان المعظم۔ کتاب الصوم۔ صوتِ ہادی۔ رمضان المبارک، اسلامی عورت۔ زکوٰۃ کا اسلامی نظام۔ یہ مختلف رسائل مختلف موضوعات پر چھپوا کر تقسیم کئے۔

اس کتاب میں اُن پاکدامن عورتوں کا ذکر ہے جنہوں نے معرفتِ حقیقتِ امر میں اپنی زندگیاں گزاریں۔ اس کتاب کا مسودہ مکمل ہو چکا ہے۔ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

ظاہری جمالِ قلندر

آپ کا قدر مبارک بالوجہ بہت میانہ قدروں سے کچھ نکلتا ہوا بھیڑی
 محفل میں آسانی سے پہچانے جانے والا۔ رونق محفل اتنا کما کر کچھ دیر
 کے لیے کسی سبب سے بروین محفل ہوا تو محفل کھوکھلی سی محسوس ہونے
 لگے۔ پھر حبیب دروین محفل آیا تو ساری محفل پر کیفیت سا چھایا۔ سارے کا
 سارا جسد مبارک سٹہ دل اور اسکی مٹی جیسے نور سے گندھی ہوئی ہو۔ آپ
 کا رخ نور نہ لمبائی پر اور نہ گولائی پر تھا۔ بلکہ بیضوی اور ریش مبارک سے
 اس بیضوی چہرہ کو اور رونق ملی ہوئی۔ چہرہ کا رنگ سفید مائل بہ سرخی تھا
 اور بارہا صبح کے وقت دیکھا گیا کہ جب وہ مکان سے نیچے اپنے دیوان خانہ
 میں تشریف لاتے تو ان کے سفید و سرخ رخساروں پر ہلکی ہلکی سبز سبز چند
 ایک باریک رنگوں کی لہریں سی نمودار ہوتیں اور انہیں مشاہدہ ہی میں رکھا
 گیا ہے۔ ریش مبارک کا قدرتی طور پر خط بنا ہوا تھا۔ اور اس کے سرے کے
 بال ہلکے سے اُدھر کو خم کھائے ہوئے۔ پیشانی مبارک نہایت کشادہ اور
 سفید عمامہ کی مانگ اس پیشانی پر محراب کی شکل پر تھی۔ آپ کا بیان
 حد بیان سے پرے۔ حسب استطاعت انشاء اللہ اپنی جگہ کچھ کہا جائیگا
 ہاں آپ کی مسکراہٹ ہی پر نشانِ دلوں کا سہارا بن جاتی تھی۔ ایسے معلوم
 ہوتا تھا۔ جیسے خدائی مسکراتی تھی۔ ہونٹ چمکے لبیں تراشتی ہوئیں۔ نہ اتنی
 کہ ہونٹ کی جلد نظر آئے۔ اور نہ اتنی بڑی کہ ہونٹ ڈھک جائے۔ لبوں
 کے ترشوانے، منڈوانے و غیرہ کی بحث تو دیر سے چلی آئی ہے۔ مجھے یاد ہے
 کہ ایک دوست کی شادی پر ہم چند احباب قبلہ حضرت صاحبِ حبس کی
 معیت میں بٹالہ شریف پہنچے۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ رات

دوران گفتگو میں ایک دوست نے عبارت کی اور کہا کہ قبلہ آپ اہل حضور ہیں۔ یہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ بیان فرمائیں کہ حضور علیہ السلام کو اس معاملے میں کیا دیکھا۔ آپ نے ایک ایسے انداز سے اپنی انگلی مبارک کو بالائے لب مبارک پھیر کر فرمایا کہ بس ایسے ہو یہو اس انداز و کلام نے محفل پر کچھ ایسا رنگ ہی نہ چمایا بلکہ مسئلہ دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔

نہ مہبت بڑی اور نہ چھوٹی سرنگین پتلیاں
چشمہائے مبارک خوب سیاہ۔ ان کی مستی بالخصوص صبح کے
وقت قابل نظارہ ہوتی تھی۔ لمز سے پاک کرامت یہ کہ ہیشک میں جتنے احباب بھی بیٹھے ہوں، ہر کوئی یہی خیال کرتا تھا کہ آپ کی نظریں دوران گفتگو میں میری ہی طرف ہیں۔ امر کے تحت اپنی تفریط میں کبھی کبھی آشوبہ بھی ہوتیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ آشوب چشم میں مبتلا۔ گارہی سبز عینک پہنے ہوئے چار پائی پر آرام فرما رہے تھے۔ چند احباب بھی ارد گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ میں دفتر سے فارغ ہو کر حسب معمول شام کو حاضری کے لیے جا رہا تھا۔ ابھی میں آپ کے مکان کی اونچی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا کمرے میں داخل ہوا ہی تھا۔ تو احباب تمام کے تمام میری طرف دیکھ کر مسکراتے۔ میں سلام عرض کر کے بیٹھ گیا۔

لیکن حیران تھا کہ دوست کیوں مسکرا رہے ہیں۔ میں نے آہستہ سے ایک سے پوچھا۔ تو اس نے بتایا کہ جوں جوں آپ آ رہے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب فرماتے جاتے تھے۔ اور اب جو آپ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ تو فرمانے لگے کہ یوسف صاحب اب سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں۔ آپ اندر آئے تو قدرتی طور پر ہم پر مسکرا سٹ آئی تھی۔ یہ تھیں وہ چشمہائے مبارک دور و نزدیک کے دیکھنے والیں۔ اور ایسے ہی دور و نزدیک کے سننے والے گوشہائے مبارک کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں میرے سامنے اپنے ایک

خلیفہ مجاز سے فرمایا رہے تھے کہ مرزا صاحب آپ کے صاحبزادے حافظ صاحب کا قرآن جو آجکل حضرت داتا صاحبؒ والی مسجد میں سنارٹا ہے میں اپنے کوٹھے کی چھت پر رات سوتا۔ ساری تیراویح میں سامع کو ایک بار رقمہ بھی دینا پڑتا تھا۔ اللہ مدد فرمائے بہت اچھا قاری ہے۔

گرمیوں میں کبھی کبھی گول ہلکی گاڑھی ہوئی ٹوپی بھی پہن لیا کرتے تھے عموماً سفید عمامہ زیب سر پہوتا تھا۔ تہبند اور شلوار دونوں استعمال کرتے لیکن شلوار کو زیادہ پسند فرماتے۔ قمیض و کرتہ دونوں استعمال فرماتے سفید عمامہ، سیاہ اچکن۔ سفید شلوار۔ سفید وسیا۔ خالوں والا بٹار و مال دونوں شانوں کے اوپر اپنے کمرے کے مشرقی کونے میں ایک بید کی چھال سے بنے ہوئے تخت پوش پر قبلہ رو ایک بڑے سرمانے سے تکیہ لگاتے۔ قال اللہ و قال الرسول میں یہ ہستی صبح سے شام تک پیاسوں کو سیراب کرتی۔ صرف اس لباس میں ہی نہیں۔ آپ کی پوشاک مختلف وضع پر تھی۔ جو بھی زیب تن فرماتے۔ سجتا۔ سُکھرا۔ اُجلا و جلا معلوم ہوتا کسی خاص وضع کے لباس پر ملار نہ تھا۔ عمامہ و کلاہ کی بجائے سر پہو مال لپٹا ہوا ایک نئی شان دکھاتا تھا۔ گرمیوں میں ہلکا ململی کرتہ اور سردیوں میں سیاہ کبیل اوڑھ کر نیازنگ دکھاتے۔ مجھے اپنے مشاہدہ کے علاوہ دیگر احباب سے بھی اس امر کی تصدیق ہوئی کہ قبلہ حضرت صاحبؒ جب کبھی بھی سفر پر گئے۔ سفر چاہے ریل گاڑی کا ہو یا بس کا۔ موٹو کار ہو یا ہانگہ ہمارا حال یہ ہوتا۔ کہ جب منزل پر پہنچتے تو ہمارا جسم ہمارا لباس سب کا سب گرد آلود ہوتا۔ سواری سے اترتے ہی ہم اپنی صفائی کے درپے ہوتے اور ادھر یہ صاحبؒ امر بغیر کسی تھکان کے اُجلا سُکھرا چمکتا ہوا سواری سے نیچے آتا۔ لباس مبارک پر کسی قسم کی گرد و آلائش نہ ہوتی۔ ہم حیران ہوتے اور کچھ کچھ اپنی آلائشوں پر نادم بھی۔

دونوں شانے وچ اُٹھرے ہوئے۔ ساقین مبارک گول گتھی ہوئی۔ جب کبھی دبانے کا ثرٹ حاصل ہوتا۔ تو ان کی سختی انگلیاں محسوس کرتیں۔ پائے مبارک چھوٹے اور نرم و نازک گوشت سے بھرے ہوئے۔ اور ایسے ہی پاؤں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں۔ ان کو چوٹے بارہ سال سے اوپر ہو گئے ہیں لیکن قصور ان کا بدستور ہے۔ جب بھی مزار اقدس پر حاضر ہوتا ہوں تو تو سلام کے بعد یہی پاؤں سامنے آتے ہیں۔ جن کو چومنا ہوں۔

اسرار قلندری

مختصر اخباری جمالی قلندری بیان کرنے کے بعد دل رہ رہ کر مجبور کر رہا ہے کہ کچھ حالات و اسرار قلندری بھی بیان کر دیئے جائیں جن کا تعلق زیادہ تر راقم الحروف سے ہو۔ کالج کی زہریلی ہواؤں سے گزرنے کے بعد اکثر نام نہاد پیروں سے واسطہ پڑا۔ جو میری خطائے گفتگو سے لا بجا رہے۔ لیکن جب اس صاحب امر شخصیت کے سامنے اپنی بد نظری پیش کی تو فرط نے لگے کہ اس کو سے نکلنے کے بعد آپ کو اجازت ہے کہ جس سے دل چاہے بغل گیر ہو لیا۔ اگر آپ کی بغل میں قلندر علی آجائے تو میری بیٹھک کا رخ کرنا اور اگر جس سے بغل گیر ہوئے تھے۔ وہی رہے تو ادھر کا رخ نہ کرنا کسی اور مرد کو تلاش کرنا آرزو مالش بہت بلند اور واضح تھی۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۵۸ء تک اس مردِ کامل کی صحبت کا ثرٹ حاصل ہوا۔

سخت سردیوں کے دن تھے۔ میں ایک اعلیٰ صبح حاضر خدمت ہوا۔ آپ تخت پوش پر رونق افروز تھے۔ مجھے ساتھ والی کرسی پر جگہ دی میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے دامنے ہاتھ کی انگوٹھے کیاتھ والی دونوں انگلیاں میرے ہاتھ پر رکھیں جو گرم تھیں۔ پھر دوسری دونوں انگلیاں رکھیں جو سرد تھیں۔

اسی طرح بائیں ہاتھ والی دو انگلیاں گرم اور دوسری تھیں۔ پاؤں مبارک والی
 انگلیوں کی کیفیت بھی ایسے ہی تھی۔ اس اجتماع ضعیفین نے مجھے کچھ حیران
 سا کیا۔ آپ فرمانے لگے کہ یہ میرے مقام حیرت کی آخری یاد ہے جو ابھی
 ابھی آپ نے محسوس کی ہے۔ تنہائی کا وقت تھا۔ تب سے اپنی حیات طیبہ کے
 مختصراً اہم عنوانات سے مستفید فرمایا۔ مناسب سمجھا کہ پہلے ان کو پیش کیا
 جائے۔ فرمانے لگے کہ ڈل تک کی تعلیم کے بعد نعمانیہ مدرسہ لاہور میں تعلیم
 حاصل کی۔ زیادہ شوق پیدا ہونے پر مدرسہ دیوبند کا رخ کیا۔ ایک مرتبہ شام
 وہاں پہنچ گیا۔ دیکھا کہ مسجد میں نماز عصر کے بعد چند طلبا اپنے ایک استاد
 کے سامنے بیٹھے بیٹھے پوچھ رہے ہیں۔ میں نے بھی ایک حدیث شریف کی
 وضاحت چاہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین کو سامپ
 سے کیوں تشبیہ دی ہے۔ کہ قرب قیامت میں دین اسلام جیسے ایک سامپ
 اپنے پل میں گھسنا ہے۔ ایسے کچھ کہہ کر واپس آجائے گا۔ استاد صاحب کوئی تسلی
 بخش جواب تو نہ دے سکے اُسٹے کہنے لگے کہ پنجابی لوٹوؤں کے لیے یہاں کوئی
 گنجائش نہیں۔ اس کی طرز گفتگو سے میرا دل کھٹا ہو گیا۔ اور اس رات دوسری
 گاڑی سیدھا بریلی کا رخ کیا۔ اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی
 خدمت میں تقریباً دو سال گزارے۔ حالات زمانہ کے پیش نظر تعلیم نامکمل ہی
 چھوڑ کر واپس پنجاب پہنچا۔ سلسلہ و بیعت وغیرہ کی اہمیت معلوم ہو چکی تھی
 حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب گورکھ شریف کی خدمت میں اس غرض
 سے حاضری دی۔ انہوں نے مجھے فرمایا کہ اس ساتھ والی قبر پر جو کہ ان کے
 ماموں جان کی تھی مراقبانہ حالت میں بیٹھے۔ جو نظر آئے اس پر عمل کرنا میں
 حسب ارشاد اس قبر پر گیا۔ تو قبلہ بابا جی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ حیات گڑھی
 کی آگاہی ہوئی۔ شاہ صاحب کو عرض کیا۔ فرمانے لگے کہ آپ کا حصہ ان
 کے پاس ہے۔ فوراً جائز بیعت کر لیں۔ چنانچہ میں ایک اپنے ساتھی کے ہمراہ

جو بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ تھا۔ حیات گزشتہ گاؤں مینچا۔ گاؤں کے ایک
جانب جلال پور جٹاں سے ہوتا ہوا ایک نالہ بہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ
اس نالہ کے کنارے ایک ککیر کے درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے ہیں
حاضر خدمت ہوا۔ صحبت کی۔ پڑھنے کے لیے سبق بھی فرمایا جس کا دورہ
دوبارے چناب کے کنارے رائیں گزار کر کرنا تھا۔ رات حیات گزشتہ میں ہی
بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گزاری۔ اس کمرے میں ایک معمولی سی چار پائی
تھی جس پر بابا جی رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے تھے۔ اور باقی کمرہ میں دھان
کا پیال بچھا ہوا تھا جس پر میں لیٹ گیا۔ رات گزرنے پر خواب میں حضرت
قبلہ بہاؤ الحق ؒ ملتا ہوں "تشریف لائے اور مجھے فرمانے لگے کہ جو سبق آپ کو
اس بزرگ نے دیا ہے۔ وہ نہ پڑھیں بلکہ ایک اور سبق اپنی طرف سے بتایا
کہ اس کی جگہ یہ پڑھ لیا کریں۔ اور جنگوں کی بجائے آبادیوں میں ہی رہ کر
پڑھ لیا کریں۔ صحرانوردی مقصود نہیں بلکہ آپ سے سلسلہ سہروردیہ کا نام
روشن کرنا ہے۔ اور تبلیغ اور اشاعت کا کام لینا ہے۔ میں نے عرض کیا
کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اپنے پیرو مشد کا دیا ہوا سبق ہی پڑھنا
ہے۔ تو فرمانے لگے۔ آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ میں نے آپ کے پیرو مشد
کو کہہ دیا ہے۔ اور ان کی طرف سے اجازت لے دی ہے۔ میری آنکھ کھلی
تو قبلہ بابا جیؒ اپنی چار پائی پر لیٹے ہی کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ میں اٹھ کر دُعا
قریب ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ اچھا آپ کو پُروں نے پکڑ لیا ہے۔ وہی پُروں
جو وہ بتا گئے ہیں۔ انہیں ہم پر تو ترس نہ آیا اور تلاش میں دشت و صحرا
مارا مارا پھرایا۔ اچھا جاؤ آبادیوں میں ہی رہو۔ لیکن مقام حیرت اور آزمائشوں
کے چکر اگر ہی نہیں گئے۔ اپنے گاؤں گھر واپس آیا۔ سبق شروع کیا تو سب
سے پہلے حسن حجاز نے مجھے گھیرا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس پھندے سے
جان چھڑانی مشکل ہوگی۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہوئی۔ ہمارے گاؤں

کے ہی ایک مجذوب جن کو انتقال فرمائے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا خواب
 میں تشریف لائے۔ ٹاڈھی رکھی ہوئی۔ اور سر پہ لال ٹوپی پہنے ہوئے۔ میں
 نے انہیں تبدیلی وضع کا سبب پوچھا تو فرماتے لگے کہ آگے جا کر ایسا ہی ہوتا
 ہے۔ مزید فرمایا کہ جو سبق آپ پڑھ رہے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے آپ
 مجازی پروانوں کی شمع بنے ہوئے ہیں۔ اس سبق کے آگے یہ دو الفاظ بھی
 پڑھ لیا کریں۔ اس پھندے سے آنا دی مل جائے گی۔ اور یہ اصناف ہرم و
 نازک آپ سے رُخ موڑ لیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابھی اس طرف سے
 نجات ملی ہی تھی کہ انگلیوں والا معاملہ شروع ہو گیا۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا
 ہے۔ چار دونوں ہاتھوں کی اور چار دونوں پاؤں کی انگلیوں میں شدید درد
 شروع ہوا۔ کیونکہ یہ ایک کڑی آزمائش تھی۔ دُعا و دوا دونوں ناکام رہے
 چار سال کی طویل مدت میں اس آزمائش کے ساتھ تمام رشتے ناتے بھی آزمائے
 گئے۔ حتیٰ کہ حیات گڑھ کی طرف سے بھی عرض و معروض کے جواب میں بے بسی
 دکھائی دی۔ اور رفیقہ حیات تو ابتدائے آزمائش ہی میں اس کے والدین اپنے
 گھر لے گئے تھے۔ اس مصیبت کا زیادہ وقت لاہور میں اپنے ایک پیرمہائی
 عبدالعزیز صاحب کے ہاں گزارا۔ کیونکہ یہاں میں نے حضرت خواجہ حاتم الدین
 کے مزار پر انوار پر بحسب ارشاد قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ حاضری دینی تھی۔ ایام
 ابتلا کی تمت اسی کے کرم سے تھی۔ واپس وطن جانے کو دل نہ چاہا اور حضرت
 شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ والی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض
 سرانجام دیئے حقیقت امر کو پانے کی تشنگی بدستور رہی۔ مزار اقدس سے
 ملحقہ چند ایک چھوٹے چھوٹے رہائشی مکان تھے۔ میرے ساتھ والے مکان
 میں ایک اور شخص دیر سے سکونت پذیر تھا۔ اس کی تمنا تھی کہ اسے کوئی پیر
 ملے اور حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس مرد کی نشانی
 کرائی جانتا تھا۔ چنانچہ ایک رات اسے خواب میں بتایا گیا کہ تیرے ساتھ

والے مکان میں قلندر رسول نما رہتے ہیں۔ وہ خوش زمان ہیں۔ ان سے سلسلہ جوڑیں یہ دونوں خطاب مجھے حضرت قبلہ شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ملے تھے۔ انہیں ایام میں ایک رسالہ الفقیر کی اشاعت کا کام بھی کرتا رہا۔ امامت کے بارہ سال کے دوران میں مجھے کبھی کبھی ایک مجذوب ملا کرتا تھا۔ اور میرا حال پوچھا کرتا تھا۔ جب میں اسے امامت کا بتانا تو وہ دو تین دفعہ سر پھیر کر بھاگ جاتا میں سمجھ جاتا کہ یہ میرے حال سے خوش نہیں ہے اس حال میں بارہ سال گزرنے کے بعد قبلہ اباجی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے اور مرزا ہدایت بیگ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ آپ کے مریدوں سے تھے اور محلہ قلعہ گوہر سنگھ میں ہی بھائی عبدالعزیز کے مکان کے ساتھ ہی مکان رکھتے تھے۔ قیام فرمایا۔ میں بھی مسجد سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ کہو کیا حال ہے مسبب الاسباب مانتا ہے یا رزاق مطلق۔ میں نے عرض کیا کہ قبلہ مسبب الاسباب مانتے اتنا عرصہ گزر گیا۔ رزاق مطلق والا نشہ بھی چڑھا دیکھیں۔ سو جو وہ مکان جہاں میں اس وقت بیٹھا ہوں چپٹ پٹ قطعہ زمین کا تھا۔ فرمانے لگے یہ جگہ خرید لو اور یہاں ہاتھی مکان بناؤ۔ امامت وغیرہ چھوڑ دو۔ اس شام مالک زمین کو بیعہ دے دیا گیا اور دوسرے دن ہی مکان تعمیر ہونا شروع ہو گیا۔ ہاں وہ مجذوب صاحب جو سر پھیر کر بھاگتے تھے۔ ایک دفعہ اور ملے تو حال پوچھنے پر بتایا کہ اب رزاق مطلق مانا ہے۔ بہت خوش ہوئے اور مجھے گلے لگایا۔ یوسف صاحب اس دن سے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ معرفت والا بھی اور رزاق والا بھی۔ یہ تھے مختصراً آپ کی مقدس زندگی کے چند اہم عنوانات جو میں نے اس صبح اُن کی زبانی سنے۔ اور اسی لیے اسی جانب سے تحریر کر دیا۔ اور ان کی صحت و حفاظت بھی انہیں کے ذمہ کرم پر چھوڑ دی۔

اب اس تفصیل کی گنجائش کی مدد کا متمنی ہوں کہ اہل دنیا نے اس مہتی

کو کہاں تک جانا۔ وہ کیا تھے۔ کیا نہ تھے۔ اور وہ تھے بھی یا ان کے علاوہ بھی کوئی تھا۔ حقیقت امر کو حقیقت کائنات بنی اور صورت امر میں بھی اس نے جلوہ فرمائی کی۔ لیکن اسے کما حقہ پانے میں سب عاجز آگئے۔ یہ صاحبِ اندھوں کی مثال دیتے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہاتھی پورا کسی نے بھی نہیں دیکھا جتنا جس نے غسوس کیا۔ وہی اس نے بیان کر دیا۔ بعینہ ان اولی الامر حضرت کی مثال ہے۔ سب سے پہلی مرتبہ جب میں لاہور کالج کا طالب علم تھا کسی۔ نئے مرید کی معرفت ان کے دیدار سے مشرف ہوا۔ گرمیوں کے دن تھے بیٹھک کے ساتھ والے کمرے میں ایک کونے میں چٹائی پر بیٹھے تھے۔ چھت والا دستی پٹکھا ایک عقیدت مند ہلا رہا تھا۔ دروازہ کچھ بند تھا۔ جس کی وجہ سے کمرہ میں پوری روشنی نہ تھی۔ میں آدابِ محفل اور سلیقہ سوال سے بالکل کورا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے امتحان میں کامیابی کے لیے کہا انہوں نے فرمایا کہ اچھا دُعا کریں گے۔ ان دنوں آپ حقہ نوش فرمایا کرتے ہیں۔ میں نے بھی دو چار حقہ کے کش لیے اور واپس اپنے دوست کے ساتھ پیروں پر نکتہ چینی کرتے گھر آگئے۔ نتیجہ نکلا تو ناکام رہا۔ جس سے دوبارہ رجوع کا خیال بھی جاتا رہا۔ تقریباً تین سال گزر گئے میں نے اس نئے مرید کو جو پہلی مرتبہ ملاقات کا سبب بنا تھا۔ دیکھا کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ یہ صاحب جو مغربی تہذیب کے جال میں پھنس رہے تھے جب اس مردِ کامل کے ہاتھ آئے۔ تو بیعت کے دوسرے دن ہی حضورِ ہی اور ساتھ ہی صوم و صلوة کی پابندی شروع ہو گئی۔ داخل سلسلہ کے قریباً چار ماہ بعد جب ہمیں ملے تو ڈاڑھی پوری منتشر تھی میں اسے اپنی انتہائے سعادت سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق اس صاحبِ امر سے اس وقت ہوا جب یہ قیدِ مقامات سے پاک و آزاد ہو چکا تھا۔ اپنا کوئی خاص مقام نہ رکھتا تھا۔ حقیقت امر نے اپنی طرف سے اس قلعہ گوہر سنگھ میں ایک آئینہ رکھ چھوڑا تھا۔ جو آتا اپنا چہرہ دیکھتا اور اس آئینہ کو اپنی

مثل خیال کرتا۔ یہ اس آئینہ کا کمال تھا۔ کہ ہر دیکھنے والا اپنے نفس کی معرفت کر لیتا جس کے بعد وہ اپنے رب کی معرفت کے درپے ہوتا۔ یہ مرد کامل پیری مریدی کے چکروں سے بالا اور خلافتیں وغیرہ کی اسناد دینے سے گزر چکا تھا۔ اپنے مرید کو دوست کے لفظ سے یاد کرتا تھا۔ اور اپنے آپ کو فقیر کہا کرتا تھا۔ اور لکھا کرتا تھا۔ پاکستان بننے کے شروع شروع میں میں نے درخواست کی کہ سرکار میرا ارادہ ہے کہ اپنے عزیز خانہ میں ایک مجلس سہروردیہ کا اہتمام کروں۔ آپ نے رضا مندی ظاہر کی اور فرمایا کہ خلافتوں کی چند ایک امانتیں دیر سے میرے پاس ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جن جن دوستوں کی یہ امانتیں ہیں انہیں اسی مجلس میں ہی سپرد کی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ جلسہ چار مارچ ۱۹۵۰ء بمطابق چودہ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کو ہوا۔ اس کے بعد آپ نے تاحین حیات ظاہری کسی دوست کو بھی ایسے منصب سے سرفراز نہیں کیا۔ ظاہر دیکھنے میں تو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ آخر آخری آٹھ سالوں میں آپ ایک دوست کو بھی اس خلافت کے منصب تک نہ لے جاسکے۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ واقع یہ تھا۔ کہ آپ اس آخری عرصہ میں منازل سلوک طے کر چکے تھے بعد ایک بحر بیکراں کی حیثیت رکھتے تھے جس میں مقامات و درجات سب گم تھے۔ اب جو دوست اس بحر میں شناوری کرتا مقامات سے بے نیاز ہوتا۔ اور اس کی آرزوئیں پامال ہو جاتیں۔ اور ماسوائے کالعدم۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مرید لازمی طور پر اپنے پیر کی صفات اپناتا ہے۔ پیر نے ساری عمر بھنگ و چرس پی کر گزاری تو اس کے مریدوں نے بھی اپنی عمریں اسی گزاری ہیں۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے منقول بچے کی تربیت والی مثال دیکر فرماتے کہ اگر ماں نے چنے کھائے ہوں تو دودھ پیتے بچہ کے فضلے میں وہ چنے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جیسا پیر

ہوگا ویسا مرید۔ پنجابی کا ایک محاورہ فرماتے کہ "بٹے دا بلا نہیں تے مٹھتے
 پھلی ضروری ہوگی۔ یعنی اگر بعینہ پوری کی پوری صفات نہیں ہیں تو کم از کم
 ان صفات کا کچھ حصہ تو مرید میں ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن ادھر تو معاملہ ہی کچھ
 اور تھا۔ نہ پیروں کی سی سچ دھج نہ بنر جامہ و عمامہ نہ عصا و مالا۔ اپنے رئیسانہ
 انداز میں اپنے گھر ایک بلند تخت پر بیٹھے اور دوستوں کے لیے کرسیاں مہیا
 کئے ہوئے ان کی جیبوں میں انوار معرفت الہی ایک ایسے انداز سے ڈالے جا
 رہے ہیں کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ کئی دفعہ حاصل کرنیوالے
 دوست کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا۔ فرمایا کرتے تھے کہ کہہ کر دیا تو کیا کرایا
 اپنے دوستوں کی تربیت کا انداز نہ لالا تھا۔ ہر ایک کی خواہش کے مطابق جھک
 دکھاتے تھے۔ انداز بیان میں ہزاروں لطائف پوشیدہ ہوتے۔ ہر سننے والا
 یہی سمجھتا کہ شاید میرا ہی علاج فرما رہے ہیں۔ دوستوں کے علاوہ دوسرے حاجتمند بھی
 آپ کی خدمت حاضر ہوتے چاہے وہ کسی مذہب و ملت سے وابستہ ہوں
 مناظرہ۔ مجادلہ یا کسی قسم کے اُلجھاؤ سے مبرا۔ اپنے میں تبلیغ کے بے شمار پہلو
 رکھتے۔ فرمایا کرتے کہ سب سے بلند و احسن تبلیغ کا پہلو یہ ہے کہ اپنا کرتہ صاف
 رکھے۔ کسی کے کرتہ کے میل پر تنقید نہ کی جائے۔ تمہارے کرتہ کو دیکھ کر میل
 کرتہ والا خود بخود اثر پذیر ہوگا۔ جو وقت غیر کی تنقید میں صرف کرنا ہے
 وہ اپنی اصلاح میں لگایا جائے۔ اپنی سیدھ ٹھیک رکھو۔ اور منزل کو کھوٹی
 نہ کرو۔ جہاں سورج چھپنے سے پہلے پہنچا ہے۔ وہاں اگر راستہ میں رک گئے
 چاہے کسی خبر کی وجہ سے ہی ہو رسائی منزل میں دیری ضرور واقع ہوگی
 اور یہی نقصان کا باعث بنے گی۔ اللہ والے دنیا والوں کی پرواہ نہیں کیا
 کرتے۔ اپنا ذاتی تجربہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اس لاہور میں اسی جگہ میں اس
 حالت میں بھی رہا کہ میرا تہنہ کھڑ کا تھا۔ اور مشکل آدمی پنڈلیوں تک آتا
 تھا۔ اور اس طرح کھڑ کا معمولی کرتہ اور کھڑ کی ہی پگڑی وہ بھی مشکل

شرعی تین گھیروں تک۔ طرہ تو درکنار شملہ کے لیے بھی دو گہرہ زائد کپڑا میسر نہ تھا۔ دنیا والوں نے مجھ پر خوب پھبتیاں کیں کہ یہ گڈری پوش فقیری کا دعویٰ کرنے والا تنگ اسلام بنا ہوا ہے۔ وہ دن گزرے۔ اب ظاہری آسائش بھی ہر طرح میسر ہے۔ اور کئی ایک دنیا داروں سے بڑھ چڑھ کر لیکن اب یہ اس طرف آگئے ہیں کہ دیکھو فقیری کا دعویٰ کرنے والا کاروں پر سوار ہوتا اور شاہانہ دسترخوان رکھتا ہے۔ غرض دونوں طرح دنیا والے اپنی فطرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر اپنی راہ چھوڑ کر باروک کر ادھر التفات کر لیتا تو ضروری تھا یا منزل سے بھٹک جاتا یا کم از کم راستہ دیر میں طے کرتا۔ الحمد للہ کہ ان کی باتوں نے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ وہ جہاں لگا ہوا تھا۔ لگا رہا۔

چوہدریاں والی مسجد قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں بھی آپ نے کچھ مدت نماز پڑھائی۔ اور اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفید فرمایا۔ آپ کے خطبات سُننے کا مجھے بھی شرف حاصل ہوا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کئے دیتا ہوں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس چند دوستوں کے ہمراہ اپنے گھر تشریف لاتے۔ ایک دن حسب معمول واپس جو آئے تو ایک دوست سے جو مصافحات لاہور کا ہی رہنے والا تھا۔ فرمانے لگے کہ آج دورانِ جماعت میں آپ نے میری اقتدا کئے ہوئے سارا وقت قمیض و تہبند کے خیال میں اور صابن و کپڑے کے ڈپوؤں کے چکڑے میں گزارا اور مقابلہ کبھی کبھی سامنے میری اچکن، شلوار اور عمامہ کا خیال کیا۔ اپنی ساری نماز بھی خراب کی اور کچھ حاصل بھی نہ ہوا۔ سنو۔ میرا لباس جو تم دیکھ رہے ہو اس کے ایک تار کو بھی دل میں جگہ نہیں دی۔ بلکہ اس گھر کو گھر والے پر چھوڑا ہوا ہے۔ یہ خلاف اس کے آپ نے اس گھر میں کرتا۔ تہبند۔ صابن کا ڈپو وغیرہ سب گھسیڑے ہوئے ہیں۔ اور گھر والے کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ فرمانے لگے کہ حملہ خیرات و عبادات اگرچہ بمنزلہ ڈول ہیں جو کوئیں کا پانی پاک و

صاف کرنے کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اس طرح مشروط ہیں کہ پہلے کوئٹہ سے کٹا نکالا جائے۔ پھر ان ڈولوں سے پاکیزگی کا اہتمام کیا جائے اگر کٹا اندر ہی رہا تو ڈول نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ چاہے ان کی تعداد شمار میں نہ آئے۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
تیری نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نعیم شبی یہ مراقبے یہ سجود
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں (اقبال ج)

لذتِ خودی سے سرشار ہوتے ہوئے بھی یہ مردِ قلم در آپے سے باہر نہیں دیکھا گیا۔

آپ کے حجبہ پڑھانے اور مواعظِ حسنہ سے مستفید فرمانے کا دور پاکستان بننے کے شروع شروع میں ہی رہا۔ صحت نے اسے تادیر قائم رکھنے کی اجازت نہ دی۔ اہلباکے مشورہ پر گلے کی حراش کے لیے بہت مناسب ٹھہرا کہ خطبات بند کئے جائیں اور حقہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں لائے۔ ضبط نے داد نہ دی تو اس صاحبِ امر نے زورِ قلم آزمانا شروع کر دیا۔ اور عمر شریف کے آخری پانچ سات سالوں میں ہی مندرجہ تصانیف کا انبارِ عالم خلق کے سامنے رکھ دیا۔ اس دور میں حلقہِ بگوش دوستوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیں۔ قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کام کے لیے ہم متاخرین دوستوں کی جماعت کو جو کہ زیادہ تر دفتری زندگی پر مشتمل تھی چنا۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی تھی کہ اپنا کلام لکھ کر ہم سے پڑھواتے اور سننے کتابت کے بعد تصحیح کے لیے بھی انہی دفتری کلرکوں کو مشرف بخشتے۔ کتابت کے سرورق والی تصویر کے مشورہ سے سرفراز فرماتے۔ چند ایک متقدمین حلقہِ بگوش دوستوں نے زعم کیا شاید یہ اشاعت کا سلسلہ ہمارے ہی ایماء پر چل رہا ہے۔ اور انہیں

دستری دوستوں نے ہی اس مرد کامل کو جو پہلے ایک نگاہ میں قطب بنایا کرتا تھا کتابت و اشاعت کی طرف لگا دیا ہے۔ خیر اس سے کوئی بحث نہیں کتابیں موجود ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے مقاصد واضح۔ مبتدلیوں کے لیے راہ دکھانے والیں اور منتہیوں کے لیے سکون پہنچانے والیں۔ یہاں نہ کوئی کتابوں پر تبصرہ مقصود ہے۔ اور نہ ان کے لکھے جانے کی وجہ پر کوئی تنقید۔ کتاب آخر کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے امر کی حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ مطالعہ کی وسعت امر کی پہچانیوں کو گھیر نہیں سکتی۔ تجربہ و حسن کو بڑھا سکتی ہے۔ لیکن عقل حقیقی سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ خود اس صاحب امر کے الفاظ ہیں کہ کتاب ہدایت پیش کر سکتی ہے۔ ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتی جس طرح قانون ایک مجرم کو بیڑھیاں پہنا سکتا ہے۔ اور جیل کی تاریکی کو کھڑی میں بند بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اسے مجرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ ہدایت یافتہ بننے کے لیے یا مجرم سے باز رہنے کے لیے نہ کتاب کام آئے گی نہ قانون بلکہ اولی الامر منکم کی وابستگی ہے۔

وہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسمعیلؑ کو آدابِ فرزندہی (اقبال)

جب تک وابستگی نہیں ہوگی جملہ اعمال ایک صفر کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھیں گے۔ 'كونوا مع الصادقين' کی تفسیر بیان فرماتے۔ کاغذ پر ایک نقطہ ڈال دیا کرتے تھے۔ اور اسے عمل سے تشبیح دیتے اس کے ساتھ ہندسہ ۱۱ لگا کر فرماتے کہ اس (۱۱) کے لگنے سے نقطہ کی قیمت دس (۱۰) ہو گئی۔ اب جتنے نقطے لگائے جائیں گے۔ قدر و قیمت بڑھتی جائیگی یہ امر کی شان ہے کہ وہ کائنات کا دل چیر کر اس کے پار ہو جاتا ہے۔ کتابیں وغیرہ وہاں کام نہیں آتیں اور نہ نرم و نازک کلام کتاب و کلام کا اثر بھی جو قارئین و سامعین ظاہری طور پر محسوس کرتے ہیں۔ دراصل امر کی ہی برکت

ہوتی ہے۔ دیکھا نہیں کہ صاحب امر کی کتاب اور صاحب امر کا کلام زمان
 و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ لوگ جو کتاب و کلام کو مؤثر سمجھتے
 ہیں۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ عالم خلق کے لیے یہ لازمی تھا کہ عالم امر تخلیقی لباس
 پہنے کیونکہ واحد امر کا حمل کوئی آسان کھیل نہیں۔ جس قدر امر اپنے میں طاقت
 رکھے گا۔ اس قدر زمانہ کو گھیر لے گا۔ حقیقت امر کے کلام کو قیامت تک کے
 لیے محفوظ آخر کیوں کیا گیا۔ اس طرح صورت امر کے کلام کو بھی زمانہ کی قید
 سے آزاد کر دیا۔ اولی الامر حضرات بھی جو کہہ گئے یا لکھ گئے عالم خلق نے اپنا
 اور ہمیشہ کے لیے ان کے کلام کے حوالے دے دے کر اس خلق کی تکوین کی لیکن یہ
 تمام کی تمام صرف اس وقت کام آئیں جب ان کو کسی صاحب امر کی روشنی میں
 پڑھا گیا یا سنا گیا۔ لکھنے والا یا کلام کرنے والا اگر صاحب امر ہے۔ تو اثر
 رکھے گا۔ ورنہ نہیں۔ میرا قلم حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ
 پر روشنی ڈالنے کا بھی یہی مقصد ہے۔ واقعات کو بیان کرنے سے آپ کے
 کشف و کرامات بتانا مقصود نہیں۔ بیان یہ کرنا ہے کہ کس طرح ایک صاحب
 شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت سے گزرتا ہوا دوبارہ نکرت کا
 لباس پہن کر زندگی گزارتا ہے۔ بیوی بچے رکھتے ہوئے حقیقت امر میں کیسے
 گم ہے۔ سب سے متعلق رکھتے ہوئے کیسا بے تعلق۔ شرف اتنا بلند کہ ایک رات
 نماز عشاء کے بعد آپ ایک دوست شاہ صاحب کو شب اسرار کی کیفیات
 جو آپ پر وارد ہوئیں۔ بیان فرما رہے تھے۔ جو میں بھی سنی رہا تھا۔ انداز بیان
 سے کیفیت ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ گویا ہم دونوں سننے والے معراج کی خلعتوں
 سے حصہ لے رہے ہیں۔ عجیب پر اسرار ماحول تھا۔ شاہ صاحب سے نہ رہا
 گیا۔ عرض کیا کہ قلم اللہ اتنا شرف اور یہ بلندی فوراً امر کے تحت
 جواب دیا کہ شاہ صاحب یہ کونسی بڑی بات ہے۔ صاحب کے ساتھ
 اس کا گنا بھی کوٹھی میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور اپنی ایسی پستی دکھائی کہ ہم

دونوں چکر میں آگئے۔ مکمل طور پر القطار اسباب کے ہوئے یہ صاحب امر
 ہر فعل میں سنت کا متبع۔ حق الیقین رکھتے ہوئے۔ علم الیقین کو نہ چھوڑنے
 والا۔ فقیری اور درویشی کے معترضین کو نہایت احسن طریقہ سے شریعت
 کے تحت۔ جواب دینے والا۔ فرمایا کرتے تھے کہ یوسف صاحب ہم ولایت
 کو گول کر کے میز کے ایک کونے پر رکھ چھوڑتے ہیں۔ اور معترضین کا جواب
 صورت امر صلعم کی ظاہری شریعت پاک سے ہی دے دیا کرتے ہیں۔ اور
 یہ علم ان کے اعتراضات کے جواب میں کافی وافی ہوتا ہے۔ ولایت کی
 ہمیں ان کے ساتھ ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ کوئی سائل اگر کسی غرض کے لیے
 آیا۔ تو اس غرض کی تکمیل کے لیے اسے سارے ظاہری اسباب بتائے۔ اور
 اسے ان پر عمل کرتے کی ہدایت فرمائی۔ نری رسمی دُعاؤں پر چھوڑا۔ دُعا
 کے لیے بھی سائل کو زیادہ تاکید کرتے اور فرماتے کہ آپ کو میری نسبت
 زیادہ درد ہے۔ فرماتے ایک شخص نے کسی بزرگ سے درخواست کی قبلہ
 رات جب تہجد کے لیے گھر سے مسجد روانہ ہوتا ہوں تو راستہ میں کتے کاٹنے
 کے درپے ہوتے ہیں کوئی عمل عنایت فرمائیں کہ ان سے چھٹکارا ہو جائے
 اس بزرگ نے کوئی پڑھنے کے لیے عمل فرمایا۔ وہ شخص ابھی اس بزرگ سے جُدا
 ہو کر واپس اپنے گھر جا رہا تھا۔ کہ اس بزرگ کا لڑکا اسے ملا۔ کہنے لگا کہاں
 آئے ہو اور کیا لائے ہو۔ اس شخص نے بیان کیا کہ آپ کے آبا جان سے ایک
 عرض کی تھی۔ آپ نے چند کلمات بطور تعویذ دیئے ہیں تاکہ کتوں سے نجات
 مل جائے۔ لڑکے نے کہا کہ جو کچھ آبا جان نے کہا ہے۔ عمل کرو لیکن ایک بات
 میری طرف سے کر لینا۔ کتے عربی کم جانتے ہیں۔ مسجد جاتے وقت ایک ڈنڈا
 بھی اپنے پاس رکھنا۔ وہ زیادہ کام دے گا۔

صاحب امر مرنے کی حیثیت سے آپ بے شمار انداز رکھتے تھے۔
 ہر دوست کے مذاق و فطرت سے ایسی موافقت رکھتے کہ آپ کی نظر کرم

کو اپنے ہی لیے مخصوص جانتا۔ شانِ امر کے ماتحت دینی و دنیوی دونوں امور میں قدرتِ تامہ رکھتے کسی کی اصلاح مقصود ہوتی تو کچھ ایسے لوگ طرائق بروئے کار لاتے کہ مقدرات کو ہی بدل ڈالتے تقریباً پورا ایک سال میری معصیتیں خوابوں کی شکل میں مٹائی گئیں۔ میں خود حیران تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ تنگ آکر عرضِ حال سنایا۔ فرمانے لگے: شکر کرو کہ اجرائے معصیت کی نوعیت خواب میں بدل ڈالی ہے تاکہ مواخذہ نہ ہو۔ میری جان آپ پر فدا ہو۔ تزکیہ ہو تو ایسا ہو۔ کہا نیاں سنا کرتے تھے۔ کہ یہ اولی الامر حضرات سے تیر حُجۃ باز گرد افتد زراہ، والی شان سے موصوف ہوتے ہیں۔ ہم نے اس مرد قلندر میں اس نوع کی ہزاروں شانیں پائیں اور ایسی ہی بھی کہ واقعی طور پر قلم سیاہی کا غزوہ غیرہ ان کی متحمل نہیں عالمِ خلق کے گمانوں کا مجموعہ یہ بلند نسب سادات رکھتا ہوا اپنے آپ کو فقیر لکھنے والا یہ مرد کامل شناسائے منزلی ہوتا ہوا دوستوں سے مشورہ کرنے والا عوام الناس میں کچھ اس طرح حیاتِ ظاہری گزار گیا کہ بڑے بڑے اس بحر میں شناوری کرنے والے بھی آپ کو نہ پاسکے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کو صوفی کا لقب دیا جس سے صرف اپنی ذات کی ہی صفائی ترشح ہوتی ہے عالمِ خلق کے حصّہ کچھ نہیں آتا۔ ہاں آپ کی کیفیت ابوالفیض نے دعوتِ عام پیش کی اور دکھایا کہ یہ صاف و شفاف آئینہ فیض رساں بھی ہے۔ لیے جانا تھا جو جس کو ملا پہچانہ مہر بھر کے۔

دورانِ سفر و تبلیغ

اصلاحی انداز ایسے کہ ایک دفعہ سفر میں کسی دوست کے گھر قیام فرمایا نمازِ عشاء کے بعد جس کمرے میں آرام فرما رہے تھے۔ میں اور وہ دوست بھی دونوں پاؤں دبانے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ میں بچوں کی طرح بٹھ تھا کہ قبلہ

کچھ اختیارات سونپ دیں ہیں۔ بار بار اپنی کہہ رہا تھا۔ اور آپ نے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ ایک شخص انہیں ملنے کیلئے جو ان کے مکان پر گیا تو اندر سے بجائے ان کے انکی اہلیہ نے جواب میں کچھ آواز دینے والے کو اور بہت سی قبلہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں سنائیں۔ اس شخص کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی وہ سمجھا کہ شاید یہ کسی اور کا گھر ہے۔ بھلا اتنے مہنتی فقیر کی بیوی ایسی تند مزاج کیسے ہو سکتی ہے وہ چیخے سے واپس چلا گیا۔ اور کسی اور کے بتانے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب باہر جنگل میں لکڑیاں اکٹھا کرتے ہیں اور شام کو واپس یہاں آکر بیچ ڈالتے ہیں۔ آپ انہیں باہر ہی مل لیں۔ اچھا رہے گا۔ خیر وہ بچا راستہ سے دور جہاں سے وہ لکڑیاں اکٹھا کیا کرتے تھے۔ چلا گیا دیکھا کہ ایک مرد ایک شیر کی پشت پر لکڑیوں کا گٹھ لادے ہوئے اس کا کان پکڑے حدود شہر کی طرف آ رہا ہے آبادی کی حد تک شیر ساتھ آیا جہاں سے اس مرد نے شیر پر سے گٹھ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور شیر کی پشت پر ہاتھ پھیر کر واپس کر دیا۔ یہ شخص حیران تھا سمجھ گیا کہ مرد تو وہی ابوالحسن خرقانی ہی ہیں اور ان کی ولایت بھی مسلم ہو گئی بلکہ وہ بیوی والا معاملہ سمجھ سے ابھی باہر ہے۔ قدم بوسی کی۔ آپ نے فرمایا کہ دل سے دوسرا دوسرا نکال دیں۔ اسی کی برکت سے تو یہ ولایت مجھے ملی ہے کہ ایسی تند خو بیوی سے نبھائے جا رہا ہوں۔ جب قبلہ حضرت صاحب کہانی سنا چکے تو میں نے پھر وہی اختیارات والی ہوس شروع کر دی اور کہا کہ قبلہ بھلا اس کہانی سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے دوست سے پوچھیے۔ جب اسے دیکھا تو وہ قبلہ حضرت صاحب کے پاؤں پر سر رکھے ہوئے تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ کہ میرا سر گیا۔ مجھے اس کے ان الفاظ سے اور حیرانی ہوئی کہ آخر اس کا کیا کام بن گیا۔ خیر رات گئی جب ہم دونوں دوسرے کمرے میں سونے کے لیے گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا مر گیا تھا۔ بھئی کچھ مجھے

بھی بتاؤ۔ اس نے کہا کہ اگر آج آپ یہ کہانی نہ سُناتے تو صبح آپ کے روانہ
 ہونے کے بعد میری بیوی مطلقہ ہوتی۔ آج شام میں نے اپنی بیوی سے حضرت
 قبلہ کی صبح کو روانگی پر کھانے کے متعلق کچھ باتیں کہیں جنہیں اس نے نہ مانا
 حتیٰ کہ نوبت تنازعہ تک آگئی اور میں اسے قسم دے کر صاف صاف کہہ آیا
 تھا کہ حضرت صاحب کو روانہ کر لینے دو فوراً اس کے بعد آپ کو طلاق نامہ
 لکھ دوں گا۔ اور یہ میرا پکا ارادہ تھا۔ آپ کی اس کہانی نے دل ایسا صاف کر دیا
 کہ وہ عزم جزم جاتا رہا۔ گھر کی بربادی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی پریشانی
 کی نوبت نہ آئی۔ اسی طرح ایک اور دوست اپنی بیوی سے نہایت تنگ
 اگر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ اگر اجازت دیں تو اسے طلاق دے دوں
 آپ فرمانے لگے کہ دودھ دینے والی گائے چھڑیں بھی مارا کرتی ہے۔ جو
 برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ الفاظ کچھ اس انداز سے سائل کے دل میں اثر کر
 گئے۔ کہ اُس دن کے بعد اس نے طلاق دینی تو درکنار طلاق کا نام تک بھی
 نہیں لیا۔ یہ دو مثالیں بطور اصلاح پیش کی گئی ہیں۔ تفسیر قارئین کرام پر چھوڑ
 دی ہے۔ مجھے آپ کی معیت میں مستعد سفروں کی بھی سعادت حاصل ہوئی
 آپ کا دورہ ظاہری طور پر تبلیغی پہلو لیے ہوئے تھا۔ لیکن دراصل باطنی امور
 انتظامیہ کی نگرانی مقصود ہوتی۔ اولی الامر حضرات جن جن جگہوں پر متعین ہوتے
 ان کو ہدایت جاری فرماتے۔ یہ حضرات آپ کی خدمت میں اپنے اپنے علاقوں
 کے حالات بیان کرتے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ سفر میں تھے۔ اور
 ایک مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ کہ میں نے آپ کی زبان مبارک سے چند
 ترش الفاظ سنے مخاطب کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے گمان کیا کہ آپ مجھے
 کہہ رہے ہیں۔ بڑا شرمندہ ہوا۔ دل ہی دل میں کڑتا رہا۔ یہاں پہنچا تھا۔ وہ
 ایک بڑے امیر دوست کا گھر تھا جس نے بڑے پر تکلف انداز میں دعوت
 کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ میں کچھ نہ کھا سکا۔ مجھے آپ کے وہی الفاظ جو مسجد کے

باہر نکلتے کہتے تھے۔ یاد آرہے تھے۔ چند دوستوں نے مجھے دیکھا کہ یہ ادا اس سا
 ہے۔ تو قبلہ حضرت صاحب سے بیان کیا۔ آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ مجھ
 سے عرصہ حال سنا۔ مسکرائے فرمانے لگے کہ آپ خواہ مخواہ اس گفتگو کو اپنے
 پر گمان کرنے لگے۔ وہ جس سے میں مخاطب تھا۔ اس علاقہ کا رپورٹر تھا۔ اس
 کی کارکردگی قابلِ سرزنش تھی۔ جس وجہ سے میں اسے خفا ہو رہا تھا۔ فرمانے
 لگے کہ اس طرح کا گمان ایک دفعہ مولوی غلام مرشد صاحب خطیب شاہی
 مسجد لاہور کو بھی ہوا تھا۔ جب میں حضرت داتا صاحب کے عرس مبارک
 پر ایک ایسے مرد سے ہم کلام تھا۔ جسکو داتا صاحب کی طرف سے لاہور
 میں ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔ میں اسے پیغام دے رہا تھا۔ اور مولوی غلام مرشد
 صاحب کچھ اپنے اندر ہی اندر بدگمانیاں جمع کر رہے تھے۔ خیر دل سے بوجھ
 دور ہوا۔ قلتِ گنجائش کے سبب میں آپ کے سامنے صرف ایک دورہ کا
 مختصراً خاکہ پیش کرتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ اولی الامر حضرات
 کیسے بیک وقت سادہ پرکار ہوتے ہیں۔ عام لباس میں بھی اپنی آستینوں
 کے اندر بدبھنایے ہوئے کیا کچھ کرتے ہیں۔ اپنے دوپٹوں کی سنتِ عقیقہ
 پر ایک مہاجر دوست نے آپ کو دعوت دی۔ اس کا گاؤں منڈی بورلیوالہ
 کے قریب کوئی تین چار میل کے فاصلہ پر مشرقی جانب تھا۔ ریلوے اسٹیشن
 منڈی بورلیوالہ سے گاؤں تک کے سفر کا بذولست بذریعہ دین و ہاڑی
 والے احباب نے کیا تھا۔ آپ کے ساتھ اور دوستوں کے علاوہ آپ کے
 خلیفہ محاذ مرزا غلام محی الدین صاحب اور دو لغت خوان ریاض الدین شاہ
 صاحب اور جان محمد صاحب بھی تھے۔ نماز عصر گاؤں پہنچ کر ایک کھیت
 میں ادا کی۔ اس کے بعد وہیں بیٹھے تلاوت قرآن پاک اور لغت خوانی ہوئی
 دھاڑی۔ میسبی اور منڈی بورلیوالہ عقیدت مندوں کے ساتھ کے ان کے اپنے
 دوستوں کی بھی کافی جماعت تھی۔ میزبان کے دیہاتی رشتہ دار اور نزدیک

نزدیک والے دوسرے گاؤں کے اہل ذوق سب مل کر اچھی خاصی روٹی
 محفل بنے ہوئے تھے۔ اس محفلِ نعت خوانی میں قبلہ حضرت صاحب کے
 تصرف نے کچھ ایسا رنگ جمایا کہ ہر قلب رقت آمیز ہوا۔ کس نے ضبط
 کیا۔ اور کوئی پھٹا۔ عجیب کیفیت تھا۔ اس شام رنگین کا۔ عقیدت مند تو پہلے
 سے ہی شکار تھے۔ بہت سے دوسرے حضرات نے بھی تمنائے بیعت ظاہر
 کی جو قبول ہوئی۔ سفر طویل ہے صرف ایک عجیب واقعہ اس گاؤں
 کی رات کا بیان کرتا ہوں۔ میزبان کے دو چار سادہ مکان اس کی اپنی زمین
 میں ہی تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کے لیے ایک علیحدہ چھوٹا سا سادہ کچا
 مکان جس کی چھت بھی سرسے کچھ محفوظ ہی بلند تھی۔ رات اس کے آرام کے لیے
 مخصوص کیا۔ آپ کی ذرہ لوازی تھی۔ کہ آپ نے مجھے اور میرے ساتھ ایک
 دھاڑی والے منیجر صاحب کو اجازت بخشی کہ اس کمرے میں رات گزاریں
 سردیوں کی راتیں تھیں۔ ہم دونوں دوست ایک ہی چار پائی پر تھے۔ آدھی
 رات گئی۔ میرے دوست منیجر صاحب نے مجھے کا پتے ہوئے آہستہ سے جگایا
 اور اشارہ قبلہ حضرت صاحب والی چار پائی کی طرف دیکھنے کو کہا آپ
 چار پائی پر آرام فرما رہے تھے۔ اور ہلکے ہلکے سانسوں کی آواز بھی آ رہی
 تھی۔ ادھر دوسری جانب جو نظر کی تو آپ مصلے پر نماز ادا فرما
 رہے تھے۔ ہم دونوں ڈر کے مارے پسینہ سے شرابور ہو رہے تھے۔ نہ کچھ
 سمجھ میں آئے۔ اور نہ کچھ بول سکیں۔ ڈر کے مارے دونوں نے رضائیاں
 منہ پر لپیٹ لیں اور اس معاملہ کو انہیں پر چھوڑا۔ خیر صاحب امر کے نزدیک
 یہ ایک معمولی بات ہے۔ اسے رہتے دو۔ دوسرے دن وہاں سے اسی دین
 پر منیجر صاحب کی کاٹن فیکٹری دھاڑی پہنچے۔ اہالیان دھاڑی جو ق در
 جوق آئے۔ مختلف اغراض و مقاصد لیے ہوئے۔ آپ سب کی جھولیاں
 بھرتے جا رہے تھے۔ فیکٹری کے ملحقہ کوارٹرز میں سے چند ایک کوارٹر قبلہ

حضرت صاحب آواز دوسرے دوستوں کے لیے وقت تھے۔ اس بڑے کواڑ میں جہاں قبلہ حضرت صاحب قیام فرماتے۔ رات پھر محفل میلاد شروع ہوئی۔ بمشکل کوئی دوست ہو گا۔ جو پھٹا نہ ہو۔ لیکن سب کو دائرہ ضبط میں رکھا۔ مجھے یاد ہے۔ جب خاک اڑے میری مدینے کی ہوا ہوا والے مصرع پر مرزا صاحب کو وجدانی کیفیت ایسے طاری ہوئی کہ ساتھ ہی لے گئی جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔ یہ دورہ تو پہلے ہی شاہی تھا۔ محفل ختم ہونے کے بعد دوستوں سمیت علی الصباح ملتان شریف حضرت بہاؤ الحق زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ معلیٰ پر حاضری کا پروگرام مرتب ہوا۔ قبلہ حضرت صاحب خود ایک بڑے پلنگ پر رونق افروز تھے اور میں مرنے کی طرف ایک چھوٹے سے مونڈھ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری جانب مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ کیونکہ سیکرٹری صاحب صبح بڑی سرکار کے حاضری کے لیے ظہار ہو۔ الفاظ نہایت سادہ۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا۔ زار و قطار روتا شروع کر دیا۔ میں اپنا سر قبلہ حضرت صاحب کے سینہ اقدس سے لگائے ہوئے بے اختیار رو رہا تھا۔ بغیر کسی وجہ کے جملہ احباب جو اس محفل میں شریک تھے۔ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ دوستوں کی تسلی میرے کچھ کام نہ آئی۔ نگاہ امر نے ہی کچھ ڈھارس دی۔ آپ نے اس وقت میاں محمد کے چند پنجابی اشعار جو دیوان حافظ سے ماخذ تھے۔ دوستوں کے سامنے پڑھے۔ کوئی گل و بلبل کا قصہ تھا۔ کہ بلبل گل کو چوہ میں لیے رو رہی ہے۔ شاعر اس پر سوال کرتا ہے کہ وصل ہوتے رونا کیا تو بلبل نے جواب دیا۔

جنہاں دے سر عشق اولایا رودن کم اتا ہاے

اٹھڑے روندے، بہندے روندے، روندے ٹردیاں اہاں

یہی ایک شعر مجھے اب تک یاد ہے اور یاد رہے گا۔ انشاء اللہ رات

کافی ہو چکی تھی۔ فرمایا اپنے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ علی الصباح نمازِ فجر ادا کرتے ہی روانگی ہوگی۔ میرے کمرے کے ساتھی حاجی محمد دین منیجر صاحب اور سائیں حاجی رحیم بخش صاحب تھے۔ میرا حال بدستور تھا۔ انہوں نے مجھے کافی تسلی دی۔ خیر علی الصباح نماز سے فارغ ہو کر دین میں سوار ہوئے۔ ہم کوئی پندرہ احباب تھے۔ امیر کارواں ڈرائیور کے ساتھ باقی سب پیچھے۔ واپڑی سے ملتان کا سفر تقریباً ساٹھ میل کے لگ بھگ تھا۔ میری حالت رات سے ہی خراب تھی۔ اپنی بے بسی اور کم مائیگی کے پیش نظر بھی بہتر جانا کہ رومال سے چہرہ چھپا لیا جائے اور روانگی اشک کو جاری رکھا جائے۔ صاحبِ امر کے تصرفِ عام اور توجہِ خاص سے سب دوست سرشار تھے۔ دوستوں کی گفتگو سے ہی معلوم ہوا کہ اب ملتان آگیا ہے۔ سڑکیں بازار کاٹتی ہوئی دین روایا والی تھی۔ دربار والی سڑک پر شہر کے تمام مست استقبال کے لیے پہلے ہی سے حاضر ہو گئے تھے میں نے واپسی پر ان تمام کو دیکھا۔ جاتی دفعہ تو چہرہ پر رومال ہونے کی وجہ سے انہیں نہ دیکھ سکا۔ صرف مجھے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ۔ جھک جاؤ کی آوازیں ہی سنائی دیں۔ دربار کے دروازہ کے سامنے جب دین کھڑی ہوئی قبلہ حضرت صاحبِ اترے۔ احباب بھی اور میں سب سے پیچھے۔ قلعہ اور اس کے اوپر سرفلک گنبد کے جلال نے ظاہری آنکھ خیرہ کر دی میری آنکھیں پہلے سے ہی با وضو تھیں۔ احباب کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا سبحان اللہ تصرفِ شیخ نے وہ رنگ دکھایا۔ کہ مزارِ اقدس کے پاس بیٹھتے ہی دنیا بدل گئی۔ رقتِ مسرت میں تبدیل ہو گئی بہت کچھ انکشاف ہوا سب احباب کا حال بھی یہی ہوگا۔ واللہ اعلم۔ مراقبانہ حالت سے جب فارغ ہوئے تو کسی دوست نے نعت خوانی کی اجازت چاہی۔ قبلہ حضرت صاحب نے باہر والی ڈیڑھی میں اس محفل کے اہتمام کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ دروازہ

کے قریب ہی سب دوست دو قطاروں میں بیٹھ گئے۔ صاحبِ امر اپنی شانِ امر کے تحت اس وقت انتہائی منزل پر فائز تھا۔ سید ریاض الدین شاہ صاحب نے حسبِ ارشاد قبلہ گاہی گواڑی سے ملتان پہنچنے تک وگین میں ہی بیٹھے ایک سلام صاحب مزار کے حضور لکھ رکھا تھا۔ وہ کھڑے ہو کر پڑھا۔ میں قبلہ حضرت صاحب کے رُخ انور کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ انور اور عمامہ شریف دونوں سفید اور ایک دوسرے میں جذبِ ایسا رنگ میں نے پہلے اس ہستی میں کبھی نہ پایا تھا۔ میں دل ہی دل میں حیران تھا کہ یہ کونسی شخصیت ہے۔ جب شاہ صاحب سلام پڑھ چکے۔ تو اس ہستی نے ایک بے پرواہ انداز میں فرمایا کہ شاہ صاحب اس کے پیر کا سلام بھی پڑھ دو۔ آپ کی مراد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ جن کا سلام شاہ صاحب نے پہلے ہی سے منظوم کیا ہوا تھا۔ ادا شناسی جو قلندر نے عطا کر چھوڑی تھی۔ فوراً کام آئی۔ پہچان لیا کہ اس کے پیر کا سلام کہنے والا خود کہاں ہے۔ وقت تھا کہ جو چاہتا پاتا لیکن جرات نے ساتھ نہ دیا۔ اپنے پاس والے دوست منیجر صاحب کو اس راز سے آگاہی دی اس نے وقت کو غنیمت جانا اور تڑپ کر سامنے آپ کے پاؤں میں گر گیا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک اس مساجد کی پشت پر رکھا۔ اور اسی سال ہی اپنے دیارِ پاک کی زیارت نصیب فرمائی "نہ چھوئے گی آگ جس نے دیکھا مجھ کو" دیکھا اس کو جس نے دیکھا مجھ کو (الحیث) بڑے دروازہ کے سامنے وگین کھڑی تھی۔ شہر کے سمت اب قلندر کے گردِ حالہ باندھے ہوئے۔ دست بستہ کھڑے تھے۔ آپ ہر ایک کو ظاہری باطنی خیرات بانٹتے وگین میں داخل ہوئے۔ آپ کا چہرہ جلال و جمال کا اجتماع سکوت برتے ہوئے۔ واپسی پر دوپہر کا کھانا اڈہ ٹبر سلطانپور جو وھاڑی اور ملتان کے وسط میں ایک قصبہ ہے کھایا۔ وہاں سے راستہ میں ہی موضع لال

سگھو ایک دوست کے اصرار پر نماز مغرب ادا کی۔ آپ کی توجہ کا یہ علم تھا۔ کہ ایک ایک کر کے لپیٹ میں لیا۔ موضع لال سگھو سے واپسی پر سائیں رحیم بخش صاحب (حال مجاور روضۃ اقدس) کی بارہی تھی۔ اس کی چیخ و پکار اور دوائی بندہ تو اس نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ دیگ کے ڈھکنے کو اٹھانے سے چاول اچھی طرح نہیں پکتا۔ ضبط و تحمل سے کام لیا کرو۔ اس راہ میں یہ نالے اکثر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب کو پہلی سیٹ پر تھے۔ ہم پیچھے۔ اندھیرا بھی کافی ہو چکا تھا۔ یا موٹر کی آواز تھی یا سائیں صاحب کی چیخ و پکار۔ مرزا صاحب نے سائیں صاحب کو کہا کہ ابھی کل رات آپ چوہدری صاحب کو رونے کے نقائص بیان کرتے تھے اور دیگ کے ڈھکنے کی مثال دیتے تھے۔ آپ نے تو دیگ ہی الٹا دی۔ ٹھکنا تو درکنار رہا۔ صبر کرو آپ کو کیا ہو گیا۔ خیر یہ سفر خوب رقص و سرود گریاں و نالہ کشف و کرامات۔ تصرف و قہر سے بھرپور تھا۔ اندھیرا کافی ہو چکا تھا۔ و ہارٹی کی حدود پر پہنچے ہی تھے۔ کہ کسی نے وگن روکنے کا اشارہ کیا معلوم ہوا کہ بجائے فیکٹری جانے کے وگن کارخ شہر کی طرف موڑ لیں۔ وہاں رات کے کھانے کا اہتمام ایک تاجر نے کیا ہے۔ گیسوں سے روشن ایک بڑا کمرہ اور چٹائی پر دیواروں کے ساتھ ساتھ گول دائرہ میں مہمانوں کی نشستیں اتفاقاً میرے ساتھ والے مرزا صاحب تھے اور بالکل سامنے دوسری جانب قبلہ حضرت صاحب تشریف فرما تھے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ بار بار مرزا صاحب کی طرف اس دوران طعام میں دیکھ رہے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ وگن میں سوار ہوئے اور فیکٹری پہنچے۔ عشاء ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب نے حضرت صاحب والے کو ارٹھر میں داخل ہونے ہی اجازت مانگی کہ قبلہ سونے کو جی چاہتا ہے۔ تھکا ہوا ہوں۔ آپ فرمانے لگے کہ اچھا مرزا صاحب جائیے۔ آپ کا کام ہی کیا ہے۔ یا کھانا یا سونا۔ میں

— کارنگ برالا تھا۔ اسی رات پہلے جب میں رو رہا تھا

بھی بغیر اجازت لیے مرزا صاحب کے پیچھے ہو لیا۔ کیونکہ میری جگہ بھی ان کے ساتھ اسی کوارٹر میں تھی۔ جہاں مرزا صاحب نے سونا تھا۔ ہم دونوں اپنے کمرے میں لیٹے لیکن مجھے فوراً خیال آیا کہ میں نے اجازت وغیرہ تو لی نہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ اجازت لے آؤ میں واپس قبلہ حضرت صاحب کے کوارٹر میں جو آیا تو دیکھا تو ایک نورانی محفل سچی ہوئی ہے۔ مشتاق سرنگوں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ مولانا روم کی مثنوی شریف کے پہلے شعرے

خُشک مغز و خشک تار و خشک پوست
از کجائے اید این آواز دوست

کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں۔ اجازت وغیرہ کا تو خیال بھول گیا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ آپ کی جادو بیانی سے سب مسحور تھے۔ اور محفل پر ایک کیف سا چھایا ہوا تھا۔ کہ باہر والے صحن کے دروازہ سے ایک پُر زور گراہتی ہوئی آواز آئی "روشن میاں" یہ صاحب بھی ہمارے دوستوں میں سے تھے۔ اور اس محفل میں حاضر تھے۔ قبلہ حضرت صاحب نے کلام بند فرمایا۔ فرمانے لگے۔ دیکھو کون ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ مرزا صاحب ہیں۔ اسی دوران کچھ دوست کمرے سے اُٹھے۔ قبلہ حضرت صاحب بھی صحن میں تشریف لائے۔ اب تک مرزا صاحب صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کے سامنے آکر زور سے چیخ مار کر کہنے لگے۔ سرکار میں مرگیا یہ کہا اور دھڑ سے قدموں میں گر گئے۔ وادی عشق میں تو یہ ایک انوکھا نظارہ ہو گا۔ لیکن میں تو اسے ایک سانحہ عظیم کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ ہم سب دوست حیران کھڑے تھے مرزا صاحب گریے مذہبولے نہ اُٹھ سکے۔ مجھے یاد ہے کہ کوئی دوست ڈاکٹر کی طرف بھاگا۔ کوئی پودینہ لینے ساتھ والی کیاری چلا گیا کہ شاید ہبہ نہ ہو گیا ہے مرزا صاحب کو چار پانی پر لٹایا۔ رضائی اوڑھ دی۔ سائیں رحیم بخش صاحب اور میں آمنے سامنے چار پانی کے دونوں طرف فرش پر بیٹھے پاؤں مسل رہے تھے

سائیں صاحب نے مجھے اشارہ کیا کہ مرزا صاحب ختم ہو چکے ہیں لیکن میں نے اشارہ ہی جواب سے دیا کہ آپ خاموش رہیں۔ کچھ پانچ دس منٹ گزر جانے کے بعد چہرہ پر سے رضائی اٹھائی تو دیکھا کہ مرزا صاحب اللہ ان پر رحمت بچھا کر فرمائے، مقصد زندگی حاصل کر چکے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون مرزا صاحب کا چہرہ زرد۔ زندگی کے آثار نہ پا کر ایک دوست نے ایک چیخ نکالی لیکن فوراً قبلہ حضرت صاحب نے اسے روک دیا۔ آپ کے الفاظ "مرزا صاحب اچھی نبھائی" مجھے یاد ہیں۔ اشعار میں قدموں کی بلائیں لینا۔ قدموں میں جان دینا۔ آستانہ پر دم نکل جانا۔ وغیرہ سنا کرتے تھے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کیسے ایک محب اپنے محبوب کے قدموں پر تار ہوگا۔ مرزا صاحب کے گھر لاہور میں تار دیا گیا۔ قبلہ حضرت صاحب نے ہمیں آرام کرنے کے لیے فرمایا اور خود نوافل میں مشغول ہو گئے اور فجر سے پہلے ہی اس وگین میں آپ کی میت لیکر روانہ ہوئے۔ بعد دوپہر لاہور پہنچے تار مل چکا تھا۔ سارا سید مٹھ بازار سوگ میں مبتلا تھا۔ ہماری وگین پہنچنے پر عجیب کھرام مچا۔ گانہ مغرب سے پہلے آپ کو میانی صاحب والے قبرستان میں سپرد خاک کیا اللہ ان کی تربت کو نور سے بھر دے۔ تیسرے دن مجھے وٹاری والے دوست منیجر صاحب کا خط آیا کہ میرا حال اس عجیب موت سے قابو سے باہر ہو رہا ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاید پاگل ہو جاؤں آپ اللہ میری مدد فرمائیں اور قبلہ حضرت صاحب سے میری تسلی کے لیے عرض کریں۔ میں نے وہ خط قبلہ حضرت صاحب کو دکھایا۔ آپ نے منیجر صاحب کو جواب میں لکھا کہ اگر مرزا صاحب کی موت آپ کے لیے ایک انسانی موت کا اثر رکھتی ہے تو وٹاری میں ہر روز ایسی موتیں ہوتی ہوں گی چاہیے کہ آپ ہر موت پر اس طرح اثر پذیر ہوں جیسے۔ اب ہوئے ہیں اور اگر مرزا صاحب کی موت کا اثر جو آپ پر اس وقت مرتب ہے۔ کسی

تعلق کی بناء پر ہے تو جان لو کہ دوزخیش ہر تعلق سے آزاد ہوتا ہے۔ عدم و موجود کو یکساں جانتا ہے۔ مجھے منیجر صاحب نے لکھا کہ قبلہ حضرت صاحب کے اس خط کے آنے سے وہ بحران جاتا رہا اور دل سے اطمینان پکڑا۔ یہ تھی آپ کے ایک سفر کی مختصر داستان۔

تصرف باطنی

آپ اہل جذب اور اہل سکوک دونوں گروہوں کے بادشاہ تھے اکثر امور باطنی اہل جذب کے حوالے کرتے۔ اور ان سے ان کی اپنی زبان میں گفتگو فرماتے۔ جو ہماری سمجھ سے بالا ہوتی۔ قارئین کرام کی تازگی کے لیے میں ایک چھوٹا سا واقعہ اس مست کا جو آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

محبوب کا نام عبدالرحمن تھا۔ اچھا حسین۔ گول چوڑی سفید و سیاہ ڈاڑھی پھٹے پرانے کپڑے اوڑھے ہوئے منہ سے رالیں بہہ بہہ کر ڈاڑھی پر پڑتی جلتے وقت کچھ کُتراسا ہو جاتا۔ چہرہ جلالی لیکن ساتھ ساتھ مسکراہٹ بھی۔ جب بیٹھک میں داخل ہوتا۔ آبا آبا کہتا ہوا سلام کرتا۔ اور ساتھ ہی ہپا ہپا کہتا ہوا بیٹھ جاتا۔ سردیوں میں بھی بیٹھک میں داخل ہو کر ٹیکھے کی طرف اشارہ کر کے اپنی انگلی گھماتا کہ ٹیکھا چلایا جائے۔ ہپا کہنے اس کی مراد کچھ کھانے کے لیے ہوتی۔ پانی سے زیادہ گھبراتا۔ جب اس کا نکالنا مقصود ہوتا تو قبلہ حضرت صاحب فرماتے اچھا پانی لاؤ اسے نہلا دیں۔ وہ فوراً دروازہ کے باہر ہو جاتا ایک دفعہ آپ کسی دوست کو ایک مسئلہ بیان فرما رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ میں بھی سُن رہا تھا۔ لیکن اس مست نے اپنے معمول کی آوازوں سے کچھ روکا دیا۔ ہمارے بند کرنے پر بھی وہ نہ ہٹا۔ قبلہ حضرت صاحب

فرمانے لگے کہ یہ آپ سے بند نہیں ہوگا۔ آپ نے اسے کچھ کہا۔ اور وہ فوراً خاموش ہو گیا۔ کسی اور صبح میں معمول کے مطابق حاضر خدمت ہوا۔ آپ تھے۔ اور ساتھ والی کرسی پر ایک نوجوان کوٹ پتلون پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ تیسرا شخص یہ عبدالرحمن مجذوب قریش پر بیٹھا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب نے اس نوجوان سے میرا تعارف کرایا۔ یہ نوجوان ایک غزنوی عالم کے جو فرقہ اہلحدیث میں ایک بڑے عالم تصور کئے جاتے ہیں صاحبزادے تھے۔ ابھی دو چار روز پہلے میں نے اس کا فوٹو ایک انگریزی اخبار میں بھی دیکھا تھا۔ کہ یہ نوجوان پاکستان بھر میں اس سال ایم اے عربی میں اول نمبر رہا ہے۔ قبلہ حضرت صاحب سے کچھ تصوف کی راہیں دریافت کر رہا تھا فاضل عربی ہونے کی وجہ سے کلام میں احادیث و آیات کا زیادہ استعمال کرتا تھا۔ دوران گفتگو میں عبدالرحمن مجذوب کو دیکھ کر کچھ حقارت بھرے الفاظ کہے کہ یہ گروہ عقل نہ رکھنے کی وجہ سے فضول ہوتا ہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے نفی کی۔ خیر وہی تصوف والا موضوع جاری رہا۔ اسی اثناء میں کچھ دیر بعد عبدالرحمن صاحب نے ہیا ہیا کی رٹ لگانی شروع کر دی قبلہ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ ایسے ایک آنہ دے دیں تاکہ یہ بازار چلا جائے اور کوئی بند وغیرہ لیکر کھالے۔ نوجوان نے فوراً اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نقدی نکالنے کو ہی تھا کہ عبدالرحمن مجذوب نے دو تین دفعہ سر پھیر دیا۔ اور ہاتھ سے بھی کچھ دو تین ایسے اشارے کئے جیسے قمار باز داؤ لگاتے وقت ہاتھ سے پانسے پھینکتے ہیں۔ کیونکہ قبلہ حضرت صاحب نے نقدی دینے کے لیے۔ مجھے فرمایا تھا۔ عبدالرحمن نے رخ میری طرف موڑ لیا۔ میں نے آنہ دیا۔ اور وہ اٹھ کر چل دیا۔ نوجوان نے کچھ کھسیانے سے ہو کر قبلہ حضرت صاحب سے وجہ دریافت کی کہ آخر اس نے مجھ سے پیسے کیوں نہ لیے۔ قبلہ حضرت صاحب مسکرائے اور فرمانے لگے۔ کہ کیا آپ نے

اس کے ہاتھ کے اشاروں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ شخص جوئے باز ہے۔ میں اس کے مال کو حرام سمجھتا ہوں۔ نوجوان کی حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ابھی کچھ منٹ پہلے اسی مجذوب پر معترض تھا۔ اب جب اس مجذوب کے ایک اشارہ سے اس کی قلعی کھل گئی۔ تو فوراً قائل ہو گیا۔ اعتراف کیا کہ واقعی میں بڑے بڑے ہوٹلوں میں جاکر فلاش (جوئے کی ایک قسم) کھیلا کرتا ہوں۔ آج سے توبہ کرتا ہوں آپ بھی میرے لیے دُعا فرمائیں۔ اس نوجوان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈھلبا رہی تھیں۔ اور قبلہ حضرت صاحب کی کرم فرمائی کی ملتجی تھیں۔ اس حالتِ زار میں اس نوجوان نے قبلہ حضرت صاحب سے یہ بھی کہا کہ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں ”واللہ ذی نیت لا یخرج الا نکدا“ کا مصداق نہ بن جاؤں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اس کا اشارہ اپنے باپ کی طرف ہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ عزوجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ یخرج النجی من المیتہ پر کلام ختم کیا۔

آپ کی دسترس بین الاقوامی امورِ باطنی پر بھی تھی۔ اس بناء پر کبھی کبھی سرحدوں کا دورہ بھی فرماتے۔ پاکستان کو وجود میں آئے۔ ابھی چار پانچ سال ہی گزرے ہوں گے کہ انتظامیہ میں اچھا خاصہ خلل واقع ہوا آئے دن وزراء تبدیل ہونے لگے۔ تقریباً تمام تر ظاہری افسرانِ بالا خود غرضی کا شکار ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک رات عشاء کے بعد میں حاضر خدمت تھا کہ ایک صاحب امر جو عموماً ایسے اوقات میں ہی حاضر خدمت ہوتا۔ اور قبلہ حضرت صاحب سے باطنی مشورے لیتا۔ بیٹھا کہ میں داخل ہوا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے جلالی انداز میں ایک ایک کر کے وزراء کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ غصہ میں بھرا ہوا قبلہ گا ہی کی خدمت میں انتظامیہ کے خلاف شکایات کے انبار لگا رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ عوام الناس

کی کس مپرسی کا نقشہ بھی کھینچتا جاتا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ سرکار ہم سے یتیموں کی
 آپہن نہیں سنی جائیں اور نہ بیواؤں کے سروں سے دوپٹے اترے ہوئے دیکھے
 جاتے ہیں۔ غصہ کی وجہ سے اس کی آواز کافی بلند تھی۔ میں چونکہ کبھی اس کو پہ
 سے گزرا ہی نہ تھا۔ اس لیے میری موجودگی نے اس کے کلام میں کوئی رد کاوٹ
 نہ ڈالی۔ وہ بے دھڑک صلواتیں سناتے جا رہا تھا۔ میں حیران تو تھا کہ یہ کس
 قدر بے باک انسان ہے۔ لیکن قبلہ حضرت صاحب کی محل مزاجی اور خاموشی
 میری ڈھارس بندھا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی بلند آواز میں کہانیاں
 سناتے جا رہا تھا۔ اور قبلہ حضرت صاحب کا چہرہ اثر متغیر ہو رہا تھا۔ اور
 چہرہ پر جوش و جلال کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ آخر اس کا قطع کلام کرتے ہوئے
 فرماتے لگے۔ شرم کرو اور بگو اس کو بند کرو۔ وہ وقت بھول گئے۔ جب آپ
 تمام کے تمام دستہ بستہ میرے پاس آئے تھے۔ اور اس خطہ زمین کے لیے
 درخواست کی تھی۔ اور وعدہ کیا تھا کہ آپ ہمیں پاکستان علیحدہ دلا دیں
 ہم خود اس کے انتظام کے ذمہ دار ہوں گے۔ افسران بالا کی تعیناتی بھی کیا
 میرے لیے چھوڑ رکھی ہے۔ اگر سنبھال نہیں سکتے تو علیحدگی اختیار کرو۔ میں
 نے قبلہ حضرت صاحب کے دوران کلام میں اس شخص کو دیکھا۔ کہ کرسی سے
 نیچے اتر کر فرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا ہے اور دونوں ہاتھ
 جوڑے ہوئے معافی کے کلمات زبان سے نکال رہا ہے۔ اس کا جوش و خروش
 سب ٹھنڈا پڑا ہوا ہے۔ یہی کہے جا رہا ہے کہ موتیوں والی سرکار مجھے معاف
 فرمائیں غلطی ہو گئی ایسی شکایت پھر کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔

تصویر

دوستوں میں سے اکثر کو تصویر شیخ کی تھیں فرماتے۔ فرمایا کرتے کہ
 حقیقت امر کے انوار حب ایک درخت پر جلوہ نگیں ہو سکتے ہیں۔ تو انسان

پر جو اشرف المخلوقات ہے۔ کیوں نہ ہوں۔ ہمارا ایک دوست آٹھوں پر
تصویر میں گم رہتا۔ حتیٰ کہ اس سے جگہ اور اوقات کا لحاظ بھی چھوٹ گیا
آپ نے اسے فرمایا کہ تصویر میں احتیاط برتا کریں۔ ہر عمل۔ ہر وقت اور
ہر جگہ اس کے موافق نہیں ہوتی۔ اس سے متصور کو تکلیف ہوتی ہے
اپنا ایک واقعہ بیان فرمانے لگے کہ اس منزل تصور شیخ میں میں ایک
شام اپنے لگاؤں کے کھیت میں چارہ کاٹ رہا تھا۔ چارہ کی ہری بھری
ٹالیوں کو بائیں منٹھی میں لیتا اور داہنے ہاتھ سے درانی پکڑے ہوئے اور
تصور پکائے ہوئے چارہ کاٹتا جاتا۔ دوسرے ہی دن قبلہ بابا جی کی خدمت
میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ چارہ کاٹتے وقت تصور
نہ کیا کرو مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ میرا ایک دوست سعادت
بعیت حاصل کرنے کے بعد اپنے کاروباری سلسلہ میں ٹوک کنڈی چلا
گیا۔ ابتدائے شوق تھا۔ ہر چیز کو کشش کی کہ جس بستی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر
آیا ہوں اس کا تصور کبھی تو آئے۔ کافی دیر ایسے ہی حیرت میں گزرنے
پر اس نے مجھے لکھا کہ بقیارزی بڑھ چکی ہے۔ تصور کا عدم ہے۔ قبلہ حضرت
صاحب سے عرض کریں تاکہ کچھ تسلی ہو۔ میں نے یہ خط قبلہ گاہی کی خدمت
میں پیش کیا۔ سکدائے اور فرمانے لگے۔ کہ آج کے بعد اسے یہ شکایت نہیں ہوگی
آج رات ملاقات کے بعد وہ خود آپ کو لکھے گا۔ کہ مقام قبض کیسے ٹوٹا اور
کشادگی کیسے آئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خود اپنے عالم تصور کی کیفیات اکثر
بیان فرماتے ایک شام چند دوست حاضر خدمت تھے۔ تصور شیخ ہی
کا باب کھلا ہوا تھا۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ اس کائنات حقیقی کا
لاکھ لاکھ احسان ہے۔ جس نے مجھے راتوں رات حبلہ انبیاء علیہم السلام کی زیارت
سے ایک ایک کر کے مشرف فرمایا۔ اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک سے مصافحہ
کا شرف بھی بخشا۔ یہ صاحب ایک قطار میں دکھائے گئے۔ اور لطف پر

لُطفت یہ کہ سب سے پہلے صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور قطارِ ختم ہونے پر سب سے آخر میں بھی انہیں ہی پایا "و صلی اللہ علیٰ عبدہ محمد" والہ و اصحابہ وسلم۔

اللہ عز و جل کے فضل و کرم سے اب بھی یہ مقدس جماعت میرے تصور میں رہتی ہے۔ اللہ اکبر! یہ تھی آپ کی شانِ تصور۔ میرے رشتہ داروں میں سے ایک فقیر دوست تھا جو بدستمتی سے ایک ہندو جوگی کے سلسلہ "را دھاسوامی" میں پھنسا ہوا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ شخص قدرتی طور پر اپنے سوامی کی صحبت سے محروم رہا۔ ایک دن میرے ساتھ قبلہ حضرت صاحبِ حج کی زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اس شخص سے اس کا سبق پوچھا۔ اس نے چند کلمات ہندی میں بتائے اور عرض کیا کہ ان کلمات کے دوران سوامی جی نے اپنے تصور کی بھی تاکید فرمائی تھی۔ قبلہ حضرت صاحب نے فرمایا اس عمل کا کوئی نتیجہ نکلا کہنے لگا کہ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح کوراہوں آپ فرمانے لگے کہ اچھا آج سے اپنے وقت مقررہ پر یہی سبق پڑھ لیا کریں اور میرا تصور رکھیں۔ میں نے علیحدگی میں عرض کیا کہ سرکار اس شخص کا سبق برقرار رکھنے کی کیا علت تھی فرمانے لگے کہ وہ ہندی والا سبق ہو ہو کلمہ شجید کا ترجمہ تھا جسے رہنے دیا۔ اس شخص کے راستے میں روکاؤٹ متصور کی وجہ سے تھی جو ایمان سے خالی تھا۔ محض اخلاق کی بناء پر باقی سلسلہ بنا ہوا تھا۔ آپ کا مقدس تصور میری زندگی کے ہر لمحہ کام آیا۔ واقعات تو بے شمار ہیں اور تالیفِ کتاب کو بھی اپنے ذاتی مشاہدہ پر رکھا گیا ہے جس میں ہر لحظہ ریا کا خطرہ پوشیدہ ہے۔ اس لیے اس صاحبِ امر کے واسطے سے حقیقتِ امر کے حضور کسی قسم کی نمود و ریا سے پناہ مانگتا ہوں اللہ محفوظ رکھے۔ پانی آخر پانی ہے۔ چاہے ہزار رنگ بدلے۔ میری بھلا بھلا ہی کیا ہے کہ ایک بھر بیکراں کو گھیر سکوں۔ تصور میں گم ہونے کی خواہش

تھی جو اس تحریر سے پوری ہو رہی ہے اور بات بنی جا رہی ہے۔ تصور کی ابتدائی منازل تھیں۔ شوق بھی تیز تھا۔ یہ قیام پاکستان کے کوئی چند برس پہلے کا واقعہ ہے۔ ان دنوں میں گڑھی شاہو محلہ فیروز دین رہا کرتا تھا ایک اتوار میرے دو دوست میرے مکان پر آئے کہنے لگے کہ قبلہ حضرت صاحبؒ تو سندھ تشریف لے گئے ہیں۔ سنا ہے کہ مسجد نور واقعہ گنج مغلیہ ریلوے لائن کے متصل حضرت پیر اسماعیلؒ کراماں والے تشریف لائے ہوئے ہیں چلو تینوں ان کی زیارت کر آئیں۔ وہ نماز ظہر ادا کر چکے تھے۔ انہیں نے کہا کہ آپ جلدی کریں اسی مسجد میں ہی نماز پڑھ لیں میں نے کہا کہ وہ پیر صاحبؒ ظاہری شریعت کے بہت پابند ہیں۔ سنا ہے کہ دائرہ منڈھے کو پاس نہیں آنے دیتے اور اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھے میرے حال پر ہی رہنے دو۔ آپ زیارت کر آئیں۔ لیکن ان کے اصرار پر مجھے جانا ہی پڑا۔ گڑھی شاہو سے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مغلیہ اسٹیشن پہنچے۔ وہاں سے ان دونوں دوستوں نے کچھ مالٹے وغیرہ بطور نذرانہ خریدے۔ کچھ دور آگے ریلوے لائن کے ساتھ ہی مسجد مہدی اس مسجد کے کچھ فاصلہ پر ایک طرف دُور سے ایک محفل دکھائی دے رہی تھی۔ اور ایک بزرگ چار پائی پر بیٹھے بھی دُور سے نظر آ رہے تھے۔ دونوں دوست سیدھے اس محفل کی طرف روانہ ہو گئے اور مجھے مسجد میں نماز ظہر کے لیے چھوڑ گئے۔ میں جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو اس محفل کا رخ کیا ساری کی ساری محفل مسجد سے نکلتے ہی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ سر پر انگریزی فیشن کے بال۔ دائرہ موچھپوں کا صفایا اور آدھے بازوؤں والی قمیض نے ان کی نفرت کو تقویت دے رکھی تھی۔ میرے دونوں دوستوں کو جو تقریباً آدھ گھنٹہ مجھ سے پہلے اس محفل میں شریک ہو چکے تھے میری حالت زار پر رحم آ رہا تھا۔ میں نے جب محفل کے قریب جا کر سلام علیکم

کہا تو مجھے یاد ہے کہ شاید ہی کسی نے جواب دیا ہو۔ ایک دو صاحب بولے
 ارے! جوتے ادھر ہی اتار دو۔ میں مارے شرم کے پانی پانی ہو رہا تھا کسی
 صاحب نے مجھے دُور ہی بلھٹنے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً ڈرتا ڈرتا وہیں بلھٹ
 گیا۔ اور صفت تک بھی پہنچنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ چار پائی والے صاحب
 بڑے جلال والے۔ اچھی گھنی داڑھی اور موٹی موٹی آنکھیں مجھے بلھٹتے ہی
 فرمانے لگے۔ "کیا نام ہے۔ کہاں سے آئے ہو۔ کس سے ملنے والے ہو۔ شاہ صاحب
 یہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں۔" ان کی آواز بڑی رُعب دار تھی۔ میں تو
 اصحاب صنفہ سے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ خیر میں نے ان کے سوالوں کا
 جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی کا غلام
 ہوں۔ یہ سن کر یہ صاحب تو کچھ خاموش ہو گئے۔ لیکن دیگر اصحاب نے
 ایک ایک کر کے مجھے تیر چھوٹے شروع کر دیئے۔ کسی نے کہا کہ صوفی قلندر علی
 کے مرید کیا ایسے ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ کسی
 نے کہا کہ کیا آپ کو صوفی صاحب نے شریعت کی پابندی نہیں بتائی وغیرہ
 وغیرہ۔ میں خاموشی سے ان کی باتیں سہتا رہا۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔
 کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب کے ارشادات کہ ہمارے شیر
 کو کسی کی نگری کیسے کھا سکتی ہے۔ ہمارا دوست جہاں کہیں بھی ہو ہم اس
 کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ سب یکے بعد دیگرے دل و دماغ میں جگہ لینے ہوئے
 تھے۔ کوئی اس کیفیت کو پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔ کہ چار پائی والے
 صاحب نے اس جماعت کو ایسی باتیں کہنے سے روکا اور خود کبیل اُڑھ
 کر فرمانے لگے۔ کہ مجھے پانچ دس منٹ آرام کر لینے دو۔ میں جان گیا کہ
 یہ صاحب اہل شہود سے نہیں ہے۔ اپنے پر عنودگی طاری کر کے کچھ دیکھنا
 چاہتا ہے۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ بمشکل
 اور پانچ سات منٹ گزرے ہوں گے۔ کہ یہ صاحب فوراً کبیل منہ سے سرکا

کہ اٹھ بیٹھے میری طرف دیکھ کر مسکراتے اور مجھے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ فرمانے لگے کہ بابو صاحب کیا آپ حافظ قرآن بھی ہیں۔ آپ تو نور ہیں میں ان دنوں تفسیر مواہب الرحمن کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور اس میں اچھا خاصہ محو تھا۔ میں نے بتایا کہ حافظ تو نہیں ہوں۔ قرآن کا شوق ضرور ہے۔ اُن صاحب کے پاؤں پر کچھ ورم سا تھا۔ فرمانے لگے کہ بابو صاحب ذرا اس پر دم کریں میں نے کہا کہ کبھی دم کیا نہیں۔ یہ صاحب ادھر میری شریفیت میں کلمے کہتے جاتے تھے۔ ادھر میں قبلہ حضرت صاحب کے تصور میں گم تھا۔ اور ان کے قدموں کی بلائیں لے رہا تھا۔ کہ کسی مدد فرمائی ساتھ ہی ساتھ محفل کے پندرہ بیس اشخاص جو چند منٹ پہلے مجھے نفرت کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ میرے ارد گرد جمع ہو کر مجھ سے محبت بھرے الفاظ میں گفتگو کرنے لگے۔ کوئی میرا پتہ پوچھے۔ کوئی میرا علم میں بے نیازی کے عالم میں کسی کو کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ اپنے شیخ کے تصرف کے مزے اٹھا رہا تھا۔ یہ چار پائی والے صاحب بعد میں معلوم ہوا کہ اپنے شیخ کرباں والے کے ارشاد کے موجب اس مسجد نور کے امام مقرر ہیں۔ آپ کا نام محمد چراغ شاہ ہے۔ قبلہ حضرت صاحب کے تصرف کی طاقت تو دیکھئے کہ مولوی چراغ شاہ صاحب نے آخر اس بھری محفل میں مجھ سے کہا کہ نماز عصر کا وقت ہو رہا ہے۔ آپ ہم سب کو جماعت کرا دیں۔ میں نے معافی چاہی اور ہم تینوں دوست ایک ایک سے بغلیں ہو کر واپس آئے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ میرے ساتھ گولڑہ شریف پیش آیا۔ اس وقت قبلہ حضرت صاحب ظاہری حیاتِ طبیہ سے انتقال فرما چکے تھے مجھے کسی سرکاری کام راولپنڈی جانا تھا۔ وہاں پہنچ کر خیال آیا کہ کیوں نہ ہو۔ رات بجائے پٹری کے گولڑہ شریف ہی گزاروں۔ نماز مغرب کے کچھ بعد وہاں پہنچا۔ سردیوں کے دن تھے۔ وہاں کے کسی خدمت گار نے

مجھے ایک کمرہ دیا۔ اور ایک بستر رات کا کھانا بھی لنگر سے آیا۔ رات بڑی سہانی تھی۔ رات کی رانی کے پودوں سے ساری فضا مہک رہی تھی مسجد میں نماز عشاء ادا کی۔ اور بعد میں حضرت مہر علی شاہ صاحب کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ کافی رات بیٹھا رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوا۔ علی الصبح نماز فجر کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت غلام محی الدین صاحب مدظلہ اس نالہ کے دوسری طرف اپنے دیوان خانہ میں تشریف فرما ہیں۔ سورج نکل چکا تھا۔ دیدار سے مشرف ہوا فرمانے لگے کہ کیا کام ہے۔ میں نے اپنی عورت کی بیماری کا بہانا بنایا۔ فرمانے لگے کہ دربار واپس چلے جاؤ۔ وہاں ایک بزرگ بیٹھے ہوں گے۔ ان سے دوائی اور تعویذ وغیرہ لے لیں۔ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے بلینے کی اجازت نہ ملی۔ میں کچھ کھسیاں اُسا ہو کر واپس آگیا۔ دربار سے ملحقہ مکان میں سے ایک جگہ کوئی مدنی صاحب رہتے تھے۔ ان کا نیاز حاصل کیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی دس بجے سے بارہ بجے تک یہاں بڑے کمرہ دہال میں محفل سماع منعقد ہو رہی ہے۔ چاہا کہ اس محفل کی حاضری کے بعد ہی لاہور واپس جاؤں محفل سماع کا آغاز ہوا۔ صرف ایک ستار اور ایک طبالہ کی سنگت سے۔ دو تین گول قطاروں میں اہل ذوق موجود تھے۔ صاحبزادہ، مدظلہ، محبوب ستار نواز کی ایک جانب دو سنتوں کے خطوط کے جواب لکھے جا رہے تھے۔ سماع کا سماں بند رہا تھا۔ ستار نواز کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر لگا رہا تھا۔ تقریباً تمام عقیدہ مندوں نے حصہ لیا۔ میں نے بھی دو سال ہوئے حج کا فریضہ ادا کیا تھا۔ مناسب سمجھا کہ اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کی دہلیز کے پاس جگہ دوں اور قبلہ حضرت صاحب کے تصور میں گم ہو جاؤں سماع کے اثر سے صاحبزادہ مدظلہ وادی انکشاف میں آچکے تھے۔ پہلے واقعہ میں جیسے کہ بیان کر چکا ہوں۔ غنودگی انکشاف کا ذریعہ بنی۔ اب ان صاحبزادہ کے لیے سماع، خیر حب محفل ختم ہوئی

آپ اٹھے اور ایک پُر رُعب انداز میں آواز دی۔ "عبداللہ جب عبداللہ نامی صاحب نے دست بستہ جاضری دی تو اسے دُور سے ہی میری طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ ان مولوی صاحب کا خاص خیال رکھنا۔ صاحبزادہ خود تو اپنے دیوان خانہ میں تشریف لے گئے۔ لیکن میں نے دیکھا عبداللہ صاحب کے ساتھ ایک جماعت مجھے گھیرے ہوئے ہے۔ میں نے ان سے مزار اقدس کی دوبارہ جاضری کی اجازت مانگی۔ وہاں حاضر ہوا تو صاحب مزار کی توجہ بھی اثر پیدا کرنے لگی۔ ساری رات تو کچھ نہ بنا تھا۔ آپ آتے ہی معاملہ شروع ہو گیا۔ فرمانے لگے کیا چاہتے ہو۔ ابھی دل میں خیال آیا ہی تھا کہ کہوں کہ ہمارے آقا و قبلہ حضرت صاحب کے مزار کی رونق بھی ایسی ہی ہو۔ تو فوراً قبلہ حضرت صاحب نے ایسا معلوم ہوا کہ میرے منہ پر دست مبارک رکھ دیا ہے۔ اور خاموشی کا حکم دے رہے ہیں۔ خیر کچھ نہ کہا اور نہ کچھ مانگا۔ فارغ ہونے کے بعد عبداللہ صاحب اور ان کے ساتھی مجھے ایک خصوصی طعام گاہ میں لے گئے۔ اور مہمان خصوصی کی حیثیت بخشی۔ کھانے کے بعد ساتھ والے ہوٹل سے چائے پلائی اور بس کا ٹکٹ خرید کر مجھے دیا۔ قبلہ حضرت صاحب کے مزار اقدس کی جگہ پوچھی اور پتہ نوٹ کر لیا۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور سچپیدانی کا پوری پوری طرح احساس ہو رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ سب کی سب قدردانی اور عزت افزائی اس گتے کی نہیں بلکہ اس پیٹہ کی ہے جو قلندر نے اس کے گلے میں ڈالا ہوا ہے۔ اور لطف یہ کہ اس پیٹہ کو بھی جو ہر دوست پہنے ہوئے ہے۔ عوام الناس کی نظروں سے اوجھل رکھا ہے اور سوائے اولی الامر حضرات کے کوئی اس پیٹہ کو نہ چھو سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ ع

کبھی مزے کی بھیک بس اس پاک در کی ہے

شکایات و آزمائش

یہ آپ کی ہی شان تھی کہ ہر دوست کا تزکیہ اسی کی طبیعت کے رجحان کے مطابق کر دیتے۔ مجھے حاضری کی پابندی کی تاکید فرماتے۔ اگر کسی دن ناغہ ہو جاتا تو باز پرس کرتے۔ میں حیران ہوتا کہ اکثر دوست کئی کئی دن حاضر خدمت نہیں ہوتے اور ان سے کچھ نہیں کہنا جاتا۔ حج کے ڈیڑھ سال بعد جب تک آپ ہمارے ساتھ ظاہری زندگی میں رہے مجھے صبح شام دونوں وقت حاضری کا حکم ہوا۔ دوسرے وقت رات کئی جب گھر جاتا۔ تو بوڑھے والدین سحرت گھبرائے ہوئے ہوتے۔ اکثر اوقات مجھے عقدہ میں گالیاں بھی دیتے۔ سارا دن دفتر۔ صبح شام حاضری بھلا ایسے میں بچوں کی تربیت کا کہاں وقت ملے۔ آخر ایک دن کچھ تنگ سا اگر آپ کی خدمت میں پھٹ پڑا۔ آپ میری تیز کلامی نہایت تحمل مزاجی سے سُن رہے تھے۔ فرمانے لگے۔ تسلی رکھیں سب کام انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ والدین کی گالیاں ہی آپ کی ترقی کا سبب بنے گیں۔ والدین کی خدمت کا آپ کو کافی وقت مل جائے گا۔ بچے کی عادات بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ سب کچھ سننے کے باوجود میری گرم کلامی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ میری عقل پر سچتر پڑ گئے۔ فرمانے لگے۔ کہ دفتر کی زندگی تو آپ کی پُر آسائش ہے وہاں تو آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ مجھ سے غلطی پر غلطی پھر ہوئی کہ اس تیز روی میں اپنے زورِ کلام سے دفتری اوقات کو بھی سوہان روح گردانا۔ عرض کیا کہ اس پُر فتن دور میں دفتری بالو بھلا مجھ جیسے مولوی ٹائپ کو کہاں چھوڑتے ہیں۔ میری دائرہ ہی پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ آپ نے مجھے کون سی طاقت دے رکھی ہے کہ ان کی زبانیں بند

کروں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بکتا گیا۔ اور سب جھوٹ تھا۔ آپ سر اُپا
 خاموش تھے۔ میں نے یہ نہ جانا۔ میں بے ادب و گستاخ ہو چکا ہوں اور
 اور یہی خیال لیے ہوئے کہ قبلہ حضرت صاحب کو میری شکایات کا
 کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ سر مغرب ہی واپس دھرم پورہ گھر آ گیا۔ رات
 میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک ریڑھ نما ٹانگہ پر کھڑا ہوں۔ میرے ارد گرد
 دو چار بڑے بڑے صندوق ہیں۔ ٹانگہ کا گھوڑا نہایت تند و تیز اور طاقتور
 ہے۔ اس کی باگیں میرے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑی ہوئی
 ہیں۔ لیکن کمال یہ کہ وہ گھوڑا بجائے آگے دوڑنے کے تیزی سے پیچھے
 رہا ہے۔ ہر دنیاوی رفتار اس کے آگے ماند نظر آتی ہے۔ میں خود اور میرے
 ساتھ والے صندوق ہچکولے کھاتے گرنے کے قریب ہوتے ہوئے لیکن
 پھر سنبھلتے ہوئے شرک پر پیچھے ہی پیچھے جا رہے ہیں۔ خدا جانے کتنے
 سو میل کا سفر اس گھوڑے نے مجھے کرایا۔ آخر ایک کھیت میں جس میں مٹی کے
 بڑے بڑے ڈھیلے نظر آ رہے تھے۔ وہ گھوڑا ٹانگہ سمیت رکا۔ میرے ڈر
 کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ میں جب جاگا تو شکر کیا کہ ابھی زندہ ہوں خواب
 بالکل واضح تھی۔ اس لیے قبلہ حضرت صاحب کو سناتے بھی شرم آتی
 تھی بہتر سمجھا کہ جیسے بتایا گیا ہے ایسے ہی معافی مانگی جائے۔ صبح کو حاضر
 خدمت نہیں بلکہ حاضر قدمست ہوا۔ جتنی دیر حاضری دی۔ اپنے سر کو
 قدموں پر ہی تصور میں رکھ چھوڑا۔ شام کو بھی ایسے ہی کیا۔ کئی میل کا
 سفر واپسی تھا۔ کئی دن اپنا عجز و نیاز ایسے ہی پیش کرتا رہا۔ آخر رحمتِ عالم
 جوش میں آئی۔ جہاں سے پھرا تھا۔ وہیں لا کھڑا کیا۔ آپ کے وصال کے
 بعد چھ سال کا عرصہ والدِ بزرگوارم اور آٹھ سال کی مدت والدہ محترمہ
 کی خدمت کے لیے پائے۔ جیسا کہ کہیں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ آپ کی
 ظاہری بود و باش ایک امیرانہ ٹھاٹھ رکھتی تھی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ فقیری و درویشی کا رنگ اس گھرانہ میں نہیں دیا گیا۔ دوستوں کی ظاہری حالت بھی ایسے ہی دکھائی دیتی تھی۔ ہمارے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ وہ اسی غرض سے التجائے بیعت لایا کہ یہ بڑوں کی جماعت ہے۔ اُن سے تعلق پیدا ہو جائے گا۔ اور زندگی کے دن اچھے گزریں گے۔ پیر کا دیوان خانہ بجلی کے ٹیکھوں سے آراستہ ہے عقد مندوں کو بیٹھنے کے لیے کرسیاں ملتی ہیں۔ نہ اُن کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں اور نہ ہی یہ دوزانو ہو کر فرش پر پیر کے سامنے زانوئے ادب نہ کرتے ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں داخل ہونے پر حقیقت امر کا کچھ پتہ چل گیا تو خیر ورنہ دنیا کی سرفرازی تو کہیں نہیں گئی۔ اونچے طبقہ سے تعلق ہو گا۔ اور دنیاوی آسائش میسر آئے گی۔ مجھے یہاں ایک حدیث شریف یاد آگئی۔ ایک صحابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا۔ ذرا دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے۔ اس صحابی نے پھر وہی الفاظ دوہرائے آپ نے بھی وہی فرمایا کہ ذرا سوچ کیا کہہ رہا ہے۔ جب تیسری بار اس صاحب امر نے یہی الفاظ تین بار بیک وقت یعنی اتنی ایک۔ اتنی ایک۔ اتنی ایک یا رسول اللہ دوہرائے تو فرمایا کہ اچھا فقر کے لیے پاکھڑا کر چھوڑ۔ قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے نہیں پہنچتا نہ اپنے سرے کو اتنی جلدی جتنی جلدی پہنچتا ہے فقر اس شخص کو جو دعویٰ کرتا ہے مجھ سے محبت کا + میں نے اس حدیث شریف کا مشاہدہ اپنے قلندر کی وابستگی میں کیا متقدمین دوستوں میں سے بعضوں نے اشارۃً کبھی کبھی مجھ سے کہا کہ اس راہ میں ذرا بچ کر چلو اگر اس مرد کی پکڑ میں آگے تو سب کچھ کھو بیٹھو گے۔ دنیاوی قلندر تو کچھ سچا یا کرتے ہیں۔ اور یہ روحانی قلندر انسان سچا یا کرتا ہے۔ اُن کی ظاہریت

کی طرف نہ جانا۔ یہ بڑے سحت ہیں اور جس کو زد میں لیتے ہیں بڑی
 بے رحمی سے پس ڈالتے ہیں۔ میں نے ان دوستوں کی باتوں پر کوئی
 خاص توجہ نہ دینی بلکہ اُنکا ان کو اپنے جواب سے خاموش کر دیتا کہ
 ہم سے تو قبلہ حضرت صاحب کا سلوک شفقت و پیار سے مہرا ہوا
 ہے۔ ہم حبیب سے یہاں آئے ہیں بڑے مزے لے رہے ہیں صحبت
 کے چند سال بعد ہی درد کمر شروع ہوا۔ یہ ایک خلوئی درد (DEAD PAIN)
 تھا جس کی کیفیت صاحب درد یا صاحب کرم کے سوا کسی تیسرے شخص
 کو معلوم نہیں تھی۔ حسب ارشاد درد کا علاج جاری رکھا اور درد بڑھتا
 گیا۔ دفتری زندگی میں اس درد سے کوئی روکاؤٹ نہ آئی۔ سائیکل پر
 بیٹھتے سائیکل سے اترتے۔ کرسی پر بیٹھتے۔ اور کرسی سے اٹھتے ان اوقات میں
 درد محسوس ہوتا۔ ورنہ دوامی حالات میں یہ درد خلوت گزیں رہتا۔ راتوں
 کو کروٹ بدلتے یہ درد شدت اختیار کرتا۔ اور ساری ساری رات جگائے
 رہتا۔ تشنگی کے طور پر دوستوں کے مشورہ سے لاہور کے بڑے بڑے ڈاکٹروں
 اور حکیموں کی فہرست تیار کر چھوڑی اور یکے بعد دیگرے ہر ایک سے علاج
 کرایا۔ لیکن کوئی آفاقہ نہ ہوا۔ حسب حاضر خدمت ہوتا۔ قبلہ حضرت
 صاحب کے ہاتھ چومنا چاہتا تو آپ تخت پوش پر بیٹھتے ہی اپنا
 دست مبارک اوپر میرے منہ کے قریب لے جاتے تاکہ مجھے جھکنا نہ
 پڑے۔ مسکراتے۔ اس بارگاہ میں تو درد کا رونا رونا ہی تھا۔ مجھے یاد ہے
 کہ میں ایک روز کسی دوست کے مشورہ پر ایک فاضل حکیم قرشی صاحب
 کے پاس پہنچا۔ اس نے میرا ہاتھ نبھن دیکھنے کے لیے جو پکڑا۔ میری آنکھوں
 سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ وہ حکیم صاحب حیران ہو کر پوچھنے لگے
 کہ آخر رونے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ ہاتھ جس کے ہاتھ میں دیا ہوا
 ہے۔ اس کی ستم ظریفی تو دیکھئے۔ کہ اس ہاتھ کو غیروں کے ہاتھ میں پکڑائے

ہوئے ہیں۔ حکیم صاحب کچھ نظر رکھتے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آپ کا علاج کرنے سے معذور ہوں۔ اس صاحب کرم کی طرف رجوع کرو۔ یہ درد پورے چار سال رہا۔ اس درد کے دوران آپ نے ایک اور کرم فرمائی کی فرمانے لگے کہ سورۃ یوسف علیہ السلام حفظ کرو۔ اور اسے بطور وظیفہ پڑھا کرو۔ درد کی وجہ سے نیند تو آتی نہیں۔ درد کا کچھ فائدہ ہی اٹھاؤ۔ فرمانے لگے یہ ہمارے سلسلہ کا ایک سبق بھی ہے۔ چند دنوں میں میں نے سورۃ یاد کر لی۔ اور اسے حسب ارشاد پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اس سورۃ میں گونا گوں کلفتوں کے علاوہ جیل خانہ کی چار دیواری بھی دیکھنی ہے۔ میں تو مصر کی بادشاہیت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بڑے ذوق و شوق سے وظیفہ جاری رکھا۔ اس دفتری زندگی میں جو کام میرے سپرد تھا۔ اس سلسلہ میں مجھے سہ ماہ میں دو تین بار عدالت سرکار جانا پڑتا تھا۔ اس صاحب امر نے کچھ ایسا چکر چلایا کہ ایک مقدمہ میں ریلوے کی اپیل پر بڑی عدالت نے چھوٹی عدالت کے جج کو جس نے پہلا فیصلہ کیا تھا۔ نظر ثانی کے لیے مثل واپس بھیجی اور اسے اس کے غلط فیصلہ پر کچھ تنبیہ بھی کی۔ اس جج نے اپنا سارا غصہ مجھ پر نکالا۔ مجھے دو چار پیشیوں میں مجبور کر رہا۔ کہ بیان کا بوجھ میں خود اپنے ذمہ لوں جب میں نے انکار کیا تو اسی غصہ و غضب میں اس نے حکم دیا کہ اس مولوی کو ہتھکڑی لگا لو۔ میرے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی۔ میرے ساتھ دو پولیس کے سپاہی۔ میں سر اور پاؤں سے ننگا۔ مجھے پیدل عدالت عالیہ سے ضلع کچہری لے جا رہے ہیں۔

بیا جاناں تماشہ کن کہ در انبوه جانبازاں
بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم عثمان ہارونی
ضلع کچہری میں ایک تاریک سی کوٹھڑی میں جو پیشاب کے تعفن

سے بھری بڑی تھی۔ کوئی آدھ گھنٹہ ٹھہرنا پڑا۔ میرے ساتھ اور بھی ملزم تھے۔ خیر آدھ گھنٹہ بعد ہماری حاضری ہوئی اور ہمیں ایک بند گاڑی میں سنٹرل جیل پہنچایا گیا۔ تلاشی ہوئی۔ جو اٹیم سے بھرا ہوا اپنے حصہ کا کمبل اٹھایا۔ اور ایک بیرک میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ جمعہ کا دن تھا۔ عصر کے وقت داخل ہوا۔ اور دوسرے دن عصر سے کچھ پہلے ہی ضمانت پر نجات ملی۔ یہ چوبیس گھنٹے جن میں ایک رات اور دو دنوں کے چھتے آتے ہیں میری زندگی کی عجیب گھڑیاں تھیں۔ ان ساعتوں میں جو کچھ مجھ پر گزری اور جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا ایک علیحدہ طویل داستان ہے۔ میں اسے اپنی ابتلائے خوف کی انتہائی منزل سمجھتا ہوں جس وقت سے دونوں ہاتھ باندھے گئے تھے۔ اس وقت سے لیکر رہائی تک ہر رُبنِ موس سے صدائے استغفار سنائی دیتی تھی۔ مزے کی بات یہ تھی کہ ایک طرف سارے کے سارے محکمہ ریلوے میں میری اسیری کا شور مچ گیا اور دوسری طرف قلعہ حضرت صاحب نہایت خاموشی سے ایک دن پہلے ہی اپنے آبائی وطن سیالکوٹ تشریف لے گئے اور جاتی دفعہ اپنے چھوٹے صاحبزادے کو کہہ گئے کہ کل یہ واقعہ ہوتا ہے۔ اگر بابو پوسٹ کے دفتر کے دوست یا اس کے گھر والے یہاں آئیں تو انہیں تسلی دیں۔ اور کہنا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ اختصار کے پیش نظر صرف ایک دو باتیں تحریر کر دیتا ہوں تاکہ شانِ قلندر کا تصرف جیل کے اندر معلوم ہو جائے۔ اس ایک بیرک میں جہاں میری جگہ تھی۔ کوئی ڈیڑھ دو سو کے قریب افراد تھے۔ عشاء کے وقت انہوں نے اصرار کیا کہ یہاں نماز باجماعت ادا کی جائے۔ اور مجھ اسیر کو امام بنایا جائے۔ سب کے سب اپنے اپنے مقعدوں پر باوضو کھڑے ہو گئے اور میں نے عشاء کی جماعت کرائی۔ دور پیچھے سے کوئی بولا کہ مولوی صاحب کوٹھی والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں۔ اس کے کہنے سے میں سمجھ گیا کہ ان کی

مراد پھانسی والوں سے ہے۔ اس بیرک میں ایسے چار ملزم تھے۔ پہلوان قسم کے اور اپنے آپ کو حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مجاوروں سے ظاہر کرتے تھے قبلہ حضرت صاحبؒ کا تصور کام آیا مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ چاروں بڑی ہو گئے۔ اور وہ مجھے دفتر ملنے بھی آئے۔ اجتماع صندیں تو ملاحظہ ہو کہ ایک طرف اسیری اور دوسری طرف صبح کا ناشتہ مغز بادام کی بردائی اور پرانٹھہ۔ مشقت معاف جو کسی حالت میں بھی ایک حوالاتی سے اٹھ نہیں سکتی۔ اس جیل کے عرصہ میں جو کوئی بھی مجھے ملا اس نے یہی پوچھا کہ کس کے ملنے والے ہو۔ میری اسیری کے متعلق طرح طرح کے الزامات تراشے گئے۔ بہتر جانا کہ ملازمت چھوڑ دوں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ سے عرض کیا تو فرمانے لگے۔ کہ اہل دنیا کی باتوں کو دل میں جگہ نہ دو۔ دفتر کے جس کونے میں بیٹھے کام کر رہے ہو۔ وہیں رہنا ہے۔ اور کام کرنا ہے۔ انشاء اللہ ہر چیز راست آئے گی۔ درخواست کی کم از کم اس بدگوہی سے انتقام لیا جائے جس نے بے گناہ کو زیر حراست رکھا۔ فرمانے لگے کہ فقیر کسی کے لیے بددعا نہیں کرتا۔ اور ہر امر رضا کے حوالے کر دیتا ہے۔ وادئی رضا میں اختیارات سلب ہوتے ہیں۔ رہائی کے دس دن بعد تاریخ پستی تھی جب حاضر عدالت ہوا۔ تو فاضل منصف نے بتایا کہ میرے مقدمہ کی کوئی مثل موصول نہیں ہوئی اور نہ ہی میرے خلاف کوئی مقدمہ ہے۔ اس دن سے ابھی تک ضمانت پر ہی رہا ہوں۔

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

آپ کی ظاہری حیات طیبہ کے بعد خیال تھا کہ آزمائشوں والا چکر
شائد ختم ہو گیا۔ اور اب بشارت ہی بشارت ہوگی۔ ضمانت آپ کا ایک
قول جو آزمائشوں سے متعلق ہے۔ تحریر کئے دیتا ہوں۔ ایک دن کا ذکر

ہے۔ کہ آپ بابا غلام محمد ریٹائرڈ مستری جو آپ کا درویش تھا اور سارا دن بیٹھک میں رہتا تھا۔ میرے سامنے اسے فرما رہے تھے کہ بابا آپ نے سنا ہوگا کہ اگر ایک خشک مینڈک کو پیس کو اس کا برادہ ہلکی ہلکی بارش کے وقت زمین میں گرا دیا جائے تو ہر ذرہ چھوٹی چھوٹی مینڈکیاں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جو اس بارش میں زمین پر پھڑکتی دکھائی دیتی ہیں۔ بعینہ اگر ہم چاہیں تو کسی ایک سہروردی کو پیس کو روئے زمین پر بکھیر دیں جس سے لاکھوں کی تعداد میں سہروردی نظر آنے لگیں واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے کسی ایک کو پسپا نہیں کیا خیال ہے۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔ خاموش رہا۔ چاہا کہ زبان سے کہلایا جائے کہ قبلہ پیس ڈالیں۔ حاضر ہوں۔ لیکن جرأت نہ ہوئی۔ خیر وقت گزر گیا۔ وصال کے بعد نئی آزمائشی گھڑیاں نمودار ہونے لگیں۔ جن کے بیان سے سکوت اختیار کرنا ہی بہتر جانا۔ آزمائش۔ بلا۔ فتنہ۔ ابتلا یہ سب ہم معنی الفاظ ہیں۔ اپنی نوعیت میں عذاب، عقاب، عتاب سے ملتے ہیں۔ لیکن اپنے اندر ابتداء اور انتہا میں اختلاف رکھتے ہیں۔ پہلے قبیلہ کی علت نامعلوم اور انجام بخیر ہوتا ہے۔ جب کہ عذاب و عتاب وغیرہ کسی گناہ کی پاداش میں ہوتے ہیں۔ اور جن کا انجام رسوائی و سفلی ہوتا ہے۔ دورانِ آزمائش میں توفیقِ توبہ و استغفار شامل حال رہتی ہے لیکن عذاب میں یہ توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اور اس کی جگہ شکوہ و شکایت حاصل کر لیتے ہیں۔ آزمائش ہو یا عذاب دونوں میں کسی کی مدد کام نہیں دیتی۔ ہاں آزمائش میں عوام الناس کی سہروردی اور اولی الامر حضرات کی طرف سے موصلاً افزائی ضرور ہوتی ہے۔ جو دورانِ عذاب میں نہیں ہوتی آزمائش میں وارد ہونے والے افعال کے قرائن پکڑ میں آنے والے راہرو کی تسلی کا کبھی کبھی باعث بن جاتے ہیں۔ آزمائش کا بلا واسطہ تعلق حقیقت امر

سے ہوتا ہے۔ برعکس عذاب کے جو صاحبِ امر کی وساطت سے مل سکتا ہے۔ وجہ واضح ہے کہ آزمائش میں درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس لیے درمیانی واسطوں کا انتقطاع ہوتا ہے۔ راہ سلوک میں خوف۔ جوع اور جان و مال مثرات کے نقصان لازمی طور پر آنے ہی ہیں۔ ان کو کوئی نہیں روک سکتا اور ساتھ ہی ساتھ یہ ہر ایک کا نصیب نہیں ہوتا کہ آزمایا جائے۔ یہ صاحبِ امر حضرات پھولوں کی خوشبو سونگھا کر کانٹوں میں الجھا دیتے ہیں۔ بی۔ بی کی ڈبل روٹی جب نئی نئی پاکستان میں تیار ہونے لگی تو کسی دوست نے حضرت صاحب سے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سرکار یہ ڈبل روٹی کے ملفہ ٹکڑے اپنی ابتدائی حالت یعنی میدہ سے لیکر موجودہ حالت تک بغیر ہاتھ لگائے طیار ہوتے ہیں۔ میدہ والی پوری کو ایک جگہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مشینیں خود بخود اپنا کام کرتی ہیں۔ کہیں یہ میدہ گوندھا جاتا ہے۔ کہیں خمیر ہوتا ہے۔ کہیں پکتا ہے۔ اس طرح یہ مشینی چکروں سے گزرتا ہوا۔ قابل استعمال ٹکڑوں کی شکل اختیار کرتا ہے فرمانے لگے کہ راہِ طریقت میں بھی عین اسی طرح ایک صاحبِ امر کسی ارادتمند کو پکڑ میں لے لیتا ہے۔ یاس و ضرر اس کو خود بخود چھوٹنے لگتی ہیں۔ اور اسے خوب طرح سے چھنچھوڑا جاتا ہے۔ ملت ابراہیمی کا فرو بنانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں طرح طرح کے کلمات سے آزمایا جاتا ہے۔ جبکو پورا کرنے کے بعد امامِ الناس کہلانے کا حقدار ہوتا ہے یہ آزمائشی ستم گوارا کرنے ہی پڑتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کے سہارنے کی توفیق رفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ مشکل تو یہ ہے کہ یہ اولی الامر حضرات کا گروہ سب میں ہوتے ہوئے کسی کے نہیں ہوتے۔ ان واحد میں امید کو یاس سے اور یاس کو امید سے بدل ڈالتے ہیں۔ ان سے محبت کا دم بھرنے والے ایک ہی پرکھ میں دعوتِ محبت تو درکنار کسی قسم کے تعلق کا نام

تک نہیں لیتے۔ اللہ ان کی جوتیوں کے صدقے میں ان کی جوتیوں میں
جگہ دے۔ آمین

وسعت نظر

وہم و گمان سے بالا آپ کی نظر کی رسائی تھی۔ آئینہ مستقبل
میں حالات کا انکشاف ایسے بیان فرماتے جیسے گویا کہ مستقبل خود بخود حاضر
خدمت ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے بنگال میں میرے وطن ریاست
کیپور تھلہ کا ایک صاحب اسماعیل نامی بحیثیت پلٹیر (P.W.I) محکمہ ریلوے
میں ملازم تھا۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہونے کے باعث اسے دوسری
شادی کرنی پڑی۔ یہ دوسری عورت میری بیوی کی طرف سے اس کی
خالہ تھی۔ میں اور چند ساتھی اکٹھے ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے
ایک شام ایسا ہوا کہ یہ دونوں عورتیں اولاد کی خواہش دل میں لیے ہوئے
ہمارے مکان پر آگئیں اور کہنے لگیں کہ ابھی ہمارے ساتھ قلعہ گوجر سنگھ
اپنے حضرت صاحب کی خدمت میں چلو ہم نے ان سے کچھ عرض کرنی
ہے۔ نماز مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ میں نے اصرار کیا کہ اس وقت
قبلہ حضرت صاحب بیٹھک سے اوپر مکان میں تشریف لے گئے ہونگے
یہ ملنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ خالہ نے کہا کہ بے وقت آنے کی معافی
مانگ لیں گے۔ آپ کی طرف سے بھی معذرت خواہ ہوں گے کہ ہمارے
یہاں لانے میں ہم نے اس کا کوئی ارادہ نہیں پایا۔ کیونکہ ہمیں مکان کا پتہ
نہیں تھا۔ اس لیے اسے مجبور کر کے لایا گیا تھا۔ خیر ہم تینوں در اقدس پر
پہنچے۔ شام سو چکی تھی۔ میں بیٹھک میں رہا اور وہ دونوں عورتیں اوپر
مکان میں چلی گئی۔ میں نیچے بیٹھا ڈر رہا تھا کہ بے محل آنے پر شاید قبلہ

حضرت صاحبِ خفا ہوں۔ کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد آپ اکیلے نیچے
تشریف لائے۔ فرمانے لگے کہ آپ کی خالہ اور دوسری عورت دونوں سے
بات چیت ہوئی ہے۔ میں نے نماز مغرب سے فارغ ہوتے ہی ان کو تسلی
دے دی کہ بے وقت آنے خیال نہ کریں۔ اور نہ یوسف صاحب کی طرف
سے معذرت چاہیں۔ میں نے آپ کو خود بلایا ہے۔ آج جندی کی اکیس تاریخ
ہے۔ آج رات میں نے آپ کے شوہر کو بنگال کی پہاڑیوں میں کارسمیت
گم کردہ راہ پایا۔ وہ شکار کے لیے باہر دوڑ پہاڑیوں میں نکل گئے تھے اور
راستہ بھول گئے تھے۔ تصدیق کے لیے انہیں خط لکھ کر دریافت کرنا کہ کیا
کوئی بزرگ آپ کو راستہ بتانے کے لیے آج رات فلاں جگہ ملے۔ ان کے
پاس ایک بیٹری بھی تھی۔ جس کی روشنی میں انہوں نے مجھے دیکھا۔ رہا ان
کی اولاد والا معاملہ سو میں نے آپ کی خالہ کو بتا دیا ہے کہ اس کے بطن
سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوگی۔ دوسری عورت بانجھ ہو چکی ہے
اس سے کوئی اولاد نہیں ہوگی۔ کچھ دیر بعد دونوں عورتیں چائے وغیرہ پی
کر نیچے اتریں۔ واپسی پر انہوں نے سب کہانی سنائی اور کہا کہ آپ کے
حضرت صاحب نے ہمارے شوہر کی شکل، قد، رنگ وغیرہ سب کچھ بتایا
ہے۔ خیر وہ خوش خوش واپس گاؤں چلی گئیں اور انہوں نے اپنے شوہر سے
قبلہ حضرت صاحب کی ملاقات بھی تصدیق کرائی۔ کچھ دیر بعد اسی سال
میں نے سنا کہ بنگال والے اسمیل صاحب کار کے حادثے سے جان بحق
ہو گئے ہیں۔ اظہارِ اسوس کے لیے ان عورتوں کے گھر پہنچا۔ ان کی حالتِ نار
دیکھ کر ترس آیا۔ قبلہ حضرت صاحب والی پیشگوئی رہ رہ کر ہم دونوں
د میں اور خالہ کے دل و دماغ میں جگہ لیتی۔ لیکن وقت کی نزاکت نے
کچھ کہنے کی جرأت نہ دی۔ جلدی ہی پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔
پہلی عورت راستے میں ہی شہید ہو گئی۔ اور یہ ہماری خالہ کراچی میں اپنے

بڑے بھائی کے ساتھ جو ریلوے میں آفیسر تھا رہنے لگی۔ کبھی کبھار لاہور
 اپنے دیگر رشتہ داروں کو ملنے آتی اور یہیں بھی مل جاتی۔ قبلہ حضرت
 صاحب کا پوچھ لیتی۔ لیکن حاضر خدمت نہ ہوتی۔ ہمیں معلوم ہوا۔ کہ
 یہ عورت دوسری شادی کرانے سے سخت متنفر ہے۔ شوہر کی جائیداد سے کافی
 حصہ پا چکی تھی۔ اس لیے دنیاوی طور پر مطمئن نظر آتی تھی۔ پاکستان بنے
 سات اٹھ سال گزر چکے۔ خبر ملی کہ خالہ نے اپنے بھائی کے اصرار پر ایک
 اکونٹس آفیسر ریلوے سے نکاح کر لیا ہے۔ اس نکاح کے چالیس دن بعد
 خالہ کا بھائی انتقال کر گیا۔ یہ اب ننان تبدیل ہو کر آئے تھے۔ میں پھر افسوس
 کے لیے گیا۔ اور خالہ کو اس کے نئے گھر میں ملا۔ اس نے اپنی دوبارہ شادی
 کی لمبی چوڑی داستان سنائی کہ کن مجبوریوں کے تحت اسے یہ نئی زندگی
 اختیار کرنی پڑی اور اشارۃً قبلہ حضرت صاحب کی پیشگوئی کا ذکر بھی
 کیا۔ اور دوبارہ حاضری دینے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ اتفاقاً خالہ کا شوہر
 تبدیل ہو کر لاہور آ گیا۔ اور یہیں سے ریٹائر ہووا۔ منٹگری روڈ لاہور مکان
 آلاٹ کرایا ہوا تھا۔ وہاں یہ جوڑا رہنے لگا۔ اللہ عزوجل نے پہلے بچی دی
 اور بعد میں لڑکا۔ اور یہ سب ڈرامہ قبلہ حضرت صاحب کی ظاہری زندگی
 میں ہی ہووا۔ آجکل خالہ اس کا شوہر اور یہ دونوں بچے جو دسویں جماعت
 کر چکے ہیں۔ اُسی مکان واقع منٹگری روڈ رہائش پذیر ہیں۔ یہ تھی آپ کی
 وسعت نظری۔ احباب یہ پڑھ کر حیران ہوں گے۔ کہ اکثر اوقات آپ
 سائیں رحیم بخش صاحب دھال مجاور درگاہ شریف ہنجر وال، کی موجودگی
 میں مجھے فرمایا کرتے کہ یوسف صاحب سائیں صاحب کا خیال رکھنا۔
 ان سے سلسلہ کا کام لینا ہے۔ میں آپ کے اس فقرہ کے دونوں جملوں پر
 معترض ہوتا۔ عرض کرتا کہ میں خیال رکھنے والا کون ہوں۔ اور اس کا کیا
 خیال رکھ سکتا ہوں۔ دوسرے یہ ان پڑھ شخص سلسلہ کا کام کیا دے سکتا ہے،

یہ تعلیم سے بالکل کوراج ہے۔ اور آداب و اخلاق کی پختگی سے بھی محروم ہے۔ بھلا ایسے کو کونسا سلسلہ کا کام سونپا جاسکتا ہے۔ فرمایا آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ میں اس راز سے بالکل بے بہرہ تھا۔ خاموش رہتا۔ آپ کے نظر عالم سے چھپ جانے کے بعد جب سائیں صاحب نے منصب مجادری سنبھالا تو یہ راز عجب پرکھلا کہ واقعی آپ سے سلسلہ کا کام والیستہ ہے۔ تیرہ برس گزر چکے ہیں۔ سائیں صاحب سلسلہ منصبی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اتنے عظیم الشان روضہ کی ظاہری حفاظت، احباب کی حاضری کا اہتمام اور ان کی رہائش کی دیکھ بھال، عرائس کا مکمل انتظام، یہ سب سائیں صاحب ہی سرانجام دیتے ہیں۔ اور دوسرے احباب کی طرح جب اس سائیں صاحب نے دلچسپی کا دم بھرا۔ دیار پاک کی سیر بھی کرادی۔ اور حاجی بن کر واپس آئے۔ محبت کام کر گئی اور بے مروت سامانی کچھ آڑے نہ آئی۔ یہ آپ کا خاصہ تھا کہ مدعی محبت کو اپنا اصلی وطن دکھا دیتے کسی دوست کو دیار پاک دکھانا مقصود ہوتا۔ اسے کسی نہ کسی چیلے بہانے پہنچا دیتے مجھے وہ وقت یاد ہے۔ جب ایک شام ہم چھ دوست (شاہ محمد صاحب، شیخ سراج دین صاحب، سید ممتاز حسین صاحب، چوہدری لال خان صاحب، میاں نظام دین صاحب اور میں) ایک شام حسن اتفاق سے صورت امر علی اللہ علیہ وسلم کے قدیم صیمنت لزوم کی جانب مسجد نبوی میں اکٹھے ہوئے۔ کیونکہ ایک ہی سلسلہ سے منسلک تھے قبلہ حضرت صاحب کا ذکر خیر شروع ہوا۔ میں نے ان دوستوں سے کہا کہ آپ ایک ایک کر کے اپنا اندازہ لگائیں اور بتائیں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی قرعہ اندازی کی بناء پر جو حکومت نے مقرر کی ہوئی ہے یہاں آیا ہے۔ سب نے حیران ہو کر نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ جب قرعہ اندازی میں ناکامی ہوئی تو در اقدس پر حاضری دی۔ آپ نے ہر ایک کو یہی

فرمایا کہ کراچی چلے جاؤ۔ وہاں جا کر کوشش کرنا۔ اللہ عز و جل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ انشاء اللہ کام بن جائے گا۔ ہم سب کے سب قبلہ حضرت صاحب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ حکومت کے بھیجے ہوئے نہیں۔ ہر دوست کی ارض مقدس حاضری کی ایک علیحدہ داستان تھی۔ ع علیہ السلام سمجھو سے نہیں ہے کچھ بعید۔ محمد کو ہو مصطفیٰ کی دید پہنچوں بدینہ پاک میں۔ جلد وہ آئے دن سعید میرا وہیں ہوا انتفال۔ مجلس شہر دردیہ نور نبی کا ہے جمال۔ مجلس شہر دردیہ (ریاض) قادیان کرام سے التماس ہے کہ اس کتابچہ کو مطالعہ کرتے وقت اندھوں کا ہاتھی چھونے والی مثال جو کہیں پہلے لکھ چکا ہوں ذہن نشین رکھیں یہ ناممکن ہے۔ کہ قبلہ حضرت صاحب کی حیات طیبہ کا کوئی پہلو بھی مکمل طور پر بیان کر سکوں۔ بلکہ کوئی دوست بھی ایسا نہیں کر سکیں گے۔ وجہ وہی "شان امر" والی ہے۔ نہ یہ امر گھبرا جائے۔ اور نہ اعطاء تحریر میں آسکے مجھے بہت سے دوستوں نے زور دیا کہ قبلہ حضرت صاحب کا فلاں فلاں واقعہ بھی تحریر میں لایا جائے۔ لیکن جیسے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کتابچہ صرف آپ کی اس زندگی سے متعلق ہے۔ جو میں نے مشاہدہ کی۔ اور پھر یہ بھی نامکمل مجھے یقین واثق ہے کہ اس ہستی کی سوانح ایک نہیں لاکھوں کی تعداد میں طبع ہونگی۔ ہر ایک کا رنگ علیحدہ علیحدہ ہوگا۔ زمانہ دیکھے گا ہر آنے والا طالب راہ اپنی اپنی نسبت کی بناء پر ان کے کلام سے فیضیاب ہوگا۔ اور ان کے کلام کی تشریحات میں علیحدہ زور قلم آزمائے گا۔ موصوع ہنجر وال مرکز انوار بنے گا۔ اور گنبد معلیٰ کو آبادی گھیرے گی۔ اولی الامر ہونے کی حیثیت سے آپ عوام الناس کے اعتراضات کا نشانہ بھی بنے جس طرف کسی کا دماغ گیا۔ وہی سمجھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اعتراض

کو نہنے والے کو چاہیے کہ پیر کا مقابلہ پیر سے کرے نہ کہ مرید سے بڑی
 بات تھی۔ اور یہ بولی بڑے حوصلہ اور خاص بھروسہ پر ماری جاسکتی ہے
 اکثر فرمایا کرتے کہ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے محمد ابن عبد اللہ
 جانا کسی نے ابن عبد المطلب کہا۔ کسی نے نور چشم آمدن سمجھا کسی نے آپ کو
 امین و صادق کا خطاب دیا۔ کسی نے قریش مکہ کا جوان بتایا۔ کسی نے
 نبی اللہ و رسول اللہ مانا۔ اور اولی الامر حضرات کی افضل ترین جماعت
 کی طرف سے نور من نور اللہ کی صدا آئی۔ واقعہ یہ تھا کہ نبوت کا اپنا
 کوئی مقام نہیں تھا۔ بلکہ یہ مقام گر تھی۔ صدیق بناتی، فاروق پیدا کرتی
 غنائی بخشی اور درجات ولایت عطا فرماتی۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ قبلہ
 حضرت صاحب اپنے معمول کے مطابق چند دوستوں سے کوئی کلام فرما
 رہے تھے۔ کہ آپ کے کوئی پرانے ملنے والے مولوی صاحب بھی بیٹھا
 میں داخل ہوئے۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس دن میرے سوا ساری محفل میں
 جو کرسیوں پر رونق افروز تھی۔ کوئی بھی بارش نہ تھا۔ مولوی صاحب
 نے سلام عرض کرنے کے بعد ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہی سوال کیا کہ قبلہ
 کیا آپ کے حصہ یہ جماعت آئی ہے۔ جو میں سامنے دیکھ رہا ہوں۔ اور
 ان سانپوں کو دودھ پلا رہے ہو۔ جو کوٹ و پتلون میں ملبوس ہیں۔ آپ
 نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں فرمایا۔ کہ ان سانپوں کے دانت نکال دیئے
 گئے ہیں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ یہ جماعت بڑے کام کی ہے۔ یہ ایک راہ
 پر آیا ہوا اپنے کئی ماتحتوں کو راہ پر لاسکتا ہے۔ اور تبلیغ کا کام بڑے
 سہل اور احسن طریقوں پر سر انجام دیا جاسکتا ہے۔ آپ کی طرح نہیں
 کہ گاؤں کے ایک غریب کسان کو آٹے کا پیڑا دم کر دیا۔ اس کی بھینس اس
 آگئی۔ اور آپ کی دو وقتی روٹی اس کسان کے گھر لگ گئی۔ اور ساری
 زندگی اس پر اکتفا کر بیٹھے۔ مولوی صاحب نے اپنے اعتراض کی معذرت

چاہی۔ اور آپ کے فرمان کا اعتراف کیا۔ دوران گفتگو میں ان مولوی صاحب نے بتایا کہ سرکار میں آپ کے فلاں فلاں مریدوں کو ملاہوں میں نے اُن میں سے ہر ایک کو ایک علیحدہ کھلی کتاب پایا ہے۔

یہ آپ کا اعجاز تھا کہ محفل میں جب وعظ فرماتے تو سامعین نے ہمہ تن گوش بن جاتے۔ ساری کی ساری محفل اپنے تصرف میں لئے ہوتے۔ دوستوں کے حال پر پورا قابو ہوتا۔ آپ کے دربار میں عرض حاجت کی چنداں ضرورت نہ ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شام میں دفتری حالات سے افسردہ حاضر خدمت ہوا۔ ساتھ والی مسجد میں نماز مغرب ادا کر کے جب پھر واپس آیا۔ تو چوہدری امتیاز علی صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر اکسائز (EXCISE) بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے قبلہ حضرت صاحب کے سامنے اپنے کسی افسر کی شکایات شروع کر دیں۔ اُن کی کہانی اپنے افسر کے خلاف میرے دفتری واقعہ کے مشابہ تھی۔ اس لیے میں بھی بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ جب چوہدری صاحب کہانی ختم کر چکے تو آپ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ صبح تک سب کام درست ہو جائے گا۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔ ادھر میں اپنے دل ہی دل میں خیال کر رہا تھا۔ کہ وقت کافی ہو چکا ہے۔ اگر میں بھی اپنی دفتری شکایت چھیڑ دوں تو شاید خاطر اقدس پر گراں گزرے۔ آپ مسکرائے اور فرمانے لگے کہ یوسف صاحب آپ بھی تسلی رکھیں آپ کا کام بھی کل صبح آپ کی حسب منشا ہو جائے گا۔

عرض حاجت در حریم حرمت محتاج نیست

راہ کس مخفی نہاند بر سر دِغ رائے تو (حافظ)

کسی ایک اور شام انگریزی ماہ کی پہلی تاریخ تھی۔ سردیوں کے دن تھے۔ ان دنوں میری ماہوار تنخواہ - ۱۱۵/ روپیہ تھی۔ میں نے تنخواہ لی شام کو معمول کے مطابق حاضر خدمت ہوا۔ دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ تک اور

وہاں حاضر خدمت ہو کر بھی اپنی مفلسی کا احساس ہو رہا تھا۔ مغرب کے بعد میں آپ کے تخت پرش والی کرسی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی اچکن کی داہنی جیب میں ایک روپیہ تنخواہ سے علیحدہ رکھ لیا تھا۔ اپنے داہنے ہاتھ کو جیب میں ڈالے ہوئے اور روپیہ کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت جو میرے سامنے رونق افروز ہے اسے اتنا قلیل نذرانہ پیش کروں یا نہ کروں۔ دل و دماغ دونوں مجاہد کر رہے تھے۔ ادھر قلب حضرت صاحب کسی کتابت میں مشغول تھے۔ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ یوسف صاحب راہ خدا میں دیتے وقت قلت و کثرت کو ترک کرنا چاہیے۔ اللہ عز و جل خلوص و نیت کو دیکھتا ہے۔ مٹھی میں جیب کے اندر روپیہ تو پہلے ہی سے دبایا ہوا تھا۔ فوراً جیب سے ہاتھ باہر نکالا اور روپیہ پیش خدمت کر دیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے اس حقیر نذرانہ کو قبول فرمایا۔ اور پھر کتابت میں مشغول ہو گئے۔ میں ذرا کھسیانا سا ہو کر واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ چند ساعت بعد میرا دل دھڑکنے لگا۔ اور مجھے ڈر محسوس ہونے لگا۔ چاہا کہ اجازت مانگ لوں اور باہر چلا جاؤں لیکن جرأت نہ ہوئی۔ میرے دل کی حالت بڑھتی گئی۔ خوف رقت میں تبدیل ہونے لگا۔ قریب تھا کہ دل کی کیفیت آنسوؤں کی شکل میں نظر آنے لگے۔ آپ لکھتے جا رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ یوسف صاحب کا دل بہت ہی چھوٹا سا ہے اس میں کیا ڈالیں۔ توجہ اپنا کام کر چکی تھی۔ اور بیچ بویا جا چکا تھا۔ کافی رات ہو چکی تھی۔ گھر جانے کی اجازت ملی۔ اس بخود دی کے عالم میں سائیکل پر سوار ہوا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ میں ہوا میں اڑا جا رہا ہوں۔ گڑھی شاہو پولیس چوکی کے سامنے ایک سپاہی نے سیٹی دے کر مجھے سائیکل سے نیچے اترا ہی تھا کہ ایک نامعلوم مرد ثالث نے سپاہی کو زبردست

ڈانٹ دے کر کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ سرکاری آدمی ہے۔ اور مجھے کہنے لگے کہ آپ جائیں۔ میں اپنے اُسی عالم میں سوار ہو گیا۔ گھر پہنچا۔ اپنے ہمسایہ دوست سے ملا۔ اس سے بھی میں نے بے معنی اور بےکی باتیں کیں اور بتایا کہ میں کل سے دفتر نہیں جا رہا۔ ملازمت وغیرہ ترک کر دی ہے۔ میں آزاد ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اُس دوست نے میرے اندازِ بیان سے ورودِ کیفیت کا اندازہ لگایا۔ اور مجھے آرام کرنے کے لیے کہا۔ صبح جب اٹھا تو میں بالکل باہوش تھا۔ معمول کے مطابق دفتر گیا۔ قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ حیاتِ گڑھی سے توجہ کی قسمیں سُنی ہوئی تھیں کہ اتحادی۔ انصالی۔ انعکاسی و معکوسی وغیرہ ہوتی ہیں قبلہ حضرت صاحب نے یہ سب کی سب مشاہدہ کر ادیں

ذمرۃ لا یحزنون کے سردار ہونے ہوئے اور اختیارات کا نلہ رکھتے ہوئے بھی وادیِ رضا کے شہسوار رہے۔ فرمایا کرتے کہ فقیر کی زندگی کیا ہے کہ بیٹھنا اپنا نہ اٹھنا اپنا نہ اسے ہونے کی خوشی نہ ناہونے کا غم۔ پہلے پہل تو میں آپ کے اُن الفاظ کو کہتے تک ہی تصور کیا کرتا۔ لیکن آپ کی صحبت فیضِ یاب کے اثر سے مشاہدہ کر لیا کہ آپ ان الفاظ کو عملی جامہ پہنائے ہوئے ہیں۔ دوپہر کا وقت تھا۔ بیٹھک میں بھری محفل چھوڑ کر فوراً تختِ پوش سے نیچے اترے۔ فرمانے لگے کہ میں ذرا اوپر ایک کام کے لیے جا رہا ہوں۔ ابھی واپس آیا۔ آپ تشریف رکھیں۔ ابھی آپ آخری سیڑھی پر ہی گئے ہوں گے کہ بیٹھک میں ایک خوبصورت نوجوان عورت جو گیانہ لباس پہنے اور ہاتھ میں اوسط درجہ کا عصا لیے ہوئے نمودار ہوئی۔ آتے ہی پوچھا کہ کہاں ہیں سرکار۔ اس عورت کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ اور اندازِ خطاب تحکمانہ۔ اُس کی اس بے باکانہ طرزِ کلام سے ہم سب دوست کچھ مرعوب سے ہو گئے۔ آخر

ایک نے جواب دیا کہ سرکار ابھی اوپر تشریف لے گئے ہیں۔ جلدی واپس آنے کو کہہ گئے ہیں۔ اس عورت نے یہ سنتے ہی فوراً سیڑھیوں کا رخ کیا اوپر بالا خانہ میں چلی گئی۔ وہاں بھی قبلہ حضرت صاحب کا پوچھا جواب ملا کہ نیچے ہیں۔ اوپر نہیں آئے۔ وہ عورت واپس جوش میں عصا کو سیڑھیوں سے ٹکراتی ہوئی بیٹھک میں داخل ہوئی اور کہنے لگی کہ میں اوپر دیکھ کر آئی ہوں وہاں کہیں نہیں ہیں۔ یہ کہتے ہی وہ باہر چلی گئی اور بازار کا رخ کیا جاتی دفعہ بولی کہ اچھا خیر پھر ملاقات ہو جائیگی۔ ابھی وہ بازار تک شاید ہی پہنچی ہوگی کہ قبلہ حضرت صاحب مسکراتے ہوئے سیڑھیوں سے واپس تشریف لے آئے۔ ہم سب حیران تھے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اجنبی عورت آئی اوپر بھی گئی۔ ایک دوست نے عرض کیا کہ سرکار ایسے ایسے ایک عورت آتی تھی۔ بات کاٹ کر فرمانے لگے کہ رہے دو۔ اس عورت کو ملنے کا حکم نہیں تھا۔ اسی لئے اسکی نظروں سے اوجھل ہونا پڑا۔ سبحان اللہ۔

جیسا کہ پہلے کہیں تحریر کر چکا ہوں آپ رسمی دعاؤں کے قائل نہ تھے۔ دعا کرانے والے کو خود دعا مانگنے کے لیے زیادہ تاکید کرتے اور فرماتے کہ آپکو میری نسبت زیادہ درد ہے۔ اسلئے آپ خود بھی دعا مانگیں۔ احباب اچھی طرح جانتے ہونگے کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب پر آپ ایک سالانہ جلسہ منعقد فرماتے۔ دُور دراز سے تمام احباب اس جلسہ میں شریک ہوتے۔ جلسہ ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ربیع الاول تین دن رہتا۔ رات کئی پچھلے پہر آپ کے ارشادات عالیہ کا جب وقت آتا تو محفل پر عجیب کیفیت ہوتی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے اور مسنون دعاؤں کے علاوہ تقریباً آدھا وقت ہاتھ اٹھائے خاموش کھڑے رہتے۔ آپ کا یہ سکوت ہاتھ اٹھائے ہوئے کچھ ایسا سمان باندھتا کہ بارگاہِ ایزدی سے قبولیت اُترتی محسوس ہوتی اور احباب کی تھولیاں بھرتی جاتیں احباب تقریباً تقریباً پہچان گئے

تھے۔ کہ اس دربار میں عرضِ دعا کی حاجت نہیں۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ قبلہ آپ کی خدمت میں روزانہ ہر طرح کے آدمی آتے ہیں۔ اور دعاؤں وغیرہ کی التجائیں بھی کرتے ہیں۔ آپ ان کی تسلی کے لیے یہ بھی فرما دیا کرتے ہیں کہ اچھا دعا کریں گے۔ آپ فرمائیں کہ آپ ان کے لیے کیا اور کونسے وقت دعا فرماتے ہیں۔ فرمانے لگے یوسف صاحب ساری عمر میں کبھی کسی کے لیے دعا کی ہی نہیں۔ میں کچھ حیران سا ہو گیا کہ یہ کیا جواب ہے۔ فرمایا کہ بس اُس بارگاہِ معلّٰی میں صرف ایک ہی عرض کر چھوڑی ہے۔ اور وہ قبول ہو چکی ہے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ عرض کروں وہ کونسی دعا ہے۔ جو ایک ہی دفعہ مانگے جانے کے بعد کافی ثابت ہوئی خود ہی فرمانے لگے کہ اللہ عز و جل قادر مطلق ہے۔ ہر ایک کی تقدیر ثبت ہو چکی ہے۔ اس کی رضا میں کسی کو ایک رائی برابر اختیار نہیں کہ کمی بیشی کر سکے۔ دینی و دنیوی ترقیاں سب لوح محفوظ پر قلمبند ہو چکی ہیں۔ اور وساطت بھی مقدر ہیں۔ ایک ہی دعا جو اس بارگاہ میں کر دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یا اللہ مجھے اس گروہِ خلق کا واسطہ بنا۔ جن کی کامیابی و کامرانی تو اپنی رضا میں پہلے سے ہی مقدر کر چکا ہے۔ اس دروازہ پر صرف اس کو بھیجنے کی توفیق عطا فرما جس کا کام تیری رضا میں ہونا ہے۔ نہ اس کو جس کے مقدر میں محرومی لکھی جا چکی ہے۔ فرماتے کہ کیا کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ صورتِ امیرِ صلی اللہ علیہ وسلم جو لوح محفوظ کو مثلِ کف دست مشابہہ فرماتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رضائے مولیٰ میں ایک ہی عمر کے نصیب میں دولتِ اسلام آئی ہے۔ تو بارگاہِ ایزدی میں دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگی کہ اے بارِ الہ ان دو عمروں میں سے ایک عمر کو اسلام لانے کی توفیق بخش۔ دونوں کو اس لیے نہ فرمایا کہ دیکھا ایک گیا تھا۔ دوسرے کو محروم پایا تھا۔ ان الذین کفروا وسواء علیہم اأخذتہم الخ

والا گروہ بھی ازل میں ہی ازل کا فرہونے کی وجہ سے مشاہدہ کرادیا گیا تھا
 تاکہ میرا محبوب انکے راہ راست پر نہ آنے سے بیدل نہ ہو جائے۔ تبلیغ کے
 مشن کو جاری رکھے۔ والا اخوة خیلک من الاولیٰ کی شان پائے۔
 جس طرح حقیقت امر کا کلام جان ہے اور ہر طب و یالس کو گھیرے ہوئے
 ہے اسی طرح صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر موضوع کا احاطہ کرتے
 ہوئے ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی عملی حیات طیبہ زندگی کا ہر پہلو پیش کرتی
 ہے۔ میں نے یہ وصف قبلہ حضرت صاحب کی بیس سالہ صحبت میں پایا
 کسی قسم کا مسئلہ ہو دینی ہو یا دنیاوی جب کبھی پیش آیا فوراً مرد قلندہ کے
 اسوۂ حسنہ کا خیال کیا یا اس مسئلہ میں آپ کے اس ارشاد کو یاد کیا جو اس اکھن
 سے متعلق ہو۔ فی الفور مشعل راہ بنا۔ چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی باتیں اور
 حرکات و سکنات سے لیکر انتہائی منازل زندگی تک آپ نے رہبری فرمائی
 بیٹھنا۔ اٹھنا۔ کھانا کھانے کے آداب لباس وغیرہ یہ سب کچھ آپ نے سکھایا
 دفتری زندگی میں عموماً ہر عقیدہ کے افراد ہوتے ہیں اور اکثر بحث و مباحثہ
 کا بازار گرم رہتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مخالف کا جواب اپنے خیال سے
 نہ دیا کرو۔ بلکہ جواب کو حقیقت امر کے کلام سے ڈھونڈنے کی کوشش کیا کرو
 اگر اُس میں تلاش نہ کر سکو تو صورت امر کے کلام یعنی حدیث شریف کی طرف
 رجوع کرو۔ وہاں سے بھی نہ مل سکے تو بزرگوں کے اقوال جواب میں پیش
 کرو۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہر بد عقیدہ کا جواب ان تینوں میں ضرور پاؤ گے
 گفتگو میں آہستگی اور میانہ روی برتو۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کلام فرماتے
 انداز نرم رکھتے معترض کا جواب اس کے سوال ہی سے نکال لیتے۔
 ایک روز ایک مرزائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام
 دریافت فرمایا تو کہنے لگا آفتاب الدین فرمانے لگے کہ نام ہی غلط ہے
 لفظ آفتاب جو فارسی زبان کا ہے اسے اضافت دیکر الدین جو عربی لفظ ہے

مرکب کیا گیا ہے۔ اس بچارے کی کوئی جڑاوت نہ پڑی کہ کچھ آگے سوال کرے۔ اس طرح محرم کے ایام تھے۔ ایک شیعہ حضرت جو ساتھ والے بازار میں دوکاندار تھے۔ حاضر خدمت ہوا۔ ہاتھ میں ایک کانڈا لکڑا پکڑا ہوا تھا۔ سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا۔ کہ قبلہ میں یہ ایک مرثیہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدح میں لکھ کر لایا ہوں سماعت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا شیخ صاحب رہنے دیجئے۔ مرثیہ تو کسی موت پر ہوتا ہے۔ ہمارا حسین علیہ السلام زندہ ہے۔ کیونکہ شہید مرقا نہیں۔ شیخ صاحب خاموش ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ قبلہ آپ کے سامنے کچھ جواب بن نہیں پڑتا۔ مجھے ایک حدیث شریف یاد آگئی حضور پر نور علیہ السلام نے ایک روز جماعت میں بجائے چار رکعت کے تین رکعت پر سلام پھیر دیا۔ صحابہ کرم رضوان اللہ علیہ اجمعین میں سے ایک بولا۔ یا رسول اللہ آپ نے بجائے چار کے تین رکعت پڑھائی ہیں۔ کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے آپ نے فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے۔ صحابہ کرام سب حیران ہو گئے۔ کہ پڑھی تین گئی ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ نماز نہ کم ہوئی ہے اور نہ ہی میں بھولا ہوں۔ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھولا نہیں ہوں بلکہ بھلا یا گیا ہوں تاکہ آپ کو تعلیم دوں کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔ پاکستان بننے کے بعد عید الفطر کی تقریب تقریباً سال متنازعہ فیہ رہی۔ رویت ہلال کا مسئلہ ۲۹ رمضان کے بعد گزرتا ہے پڑ جاتا۔ چند مولوی ایک طرف کہ آج عید ہے۔ دوسرا گروہ دوسری طرف کہ چاند دیکھا نہیں گیا۔ حکومت اپنا زور لگا رہی ہے کہ آج ہی عید کرو وغیرہ وغیرہ۔ ایک سال ایسا ہوا کہ حکومت کے کہنے پر عید یعنی پہلی شوال اُتیس روزے پورے کرنے کے بعد منانی قرار پائی۔ قلعہ گوہر سنگھ کے پاس ہی شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ والی مسجد ہے۔ اتفاق سے قبلہ

حضرت صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ جم غفیر تھا۔ سب نے کہا کہ قبلہ
عید کی نماز پڑھا دیں۔ مولوی تو کوئی آج کے دن پر رضا مند نہیں ہے
حکومت کہہ رہی ہے کہ چاند فلاں فلاں جگہ دیکھا گیا۔ القصد قبلہ حضرت
صاحب نے جماعت عید کرائی۔ دوسرے دن بھی عید منائی جانی تھی
نماز عید سے فارغ ہو کر چند مولانا حضرت صاحب کے در اقدس پر
تشریف لائے۔ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ اور یہی عید کی باتیں ہو رہی تھیں
انہوں نے سوال کیا کہ آپ نے کل عید کیسے پڑھ لی جب کہ رویت ہلال
کے لیے کوئی شرعی حجت قائم نہیں ہو سکی۔ آپ نے فرمایا میں نے
نماز عید نہیں پڑھی۔ میں پاس بیٹھا تھا۔ اور سن چکا تھا کہ کل آپ نے
مسجد شاہ ابوالمعالی نماز عید ادا کی ہے۔ میں حیران سا ہو گیا۔ پوچھنے والوں
سے بھی نہ رہا گیا۔ سب نے کہا کیا شاہ ابوالمعالی والی مسجد میں آپ نے
نماز عید نہیں پڑھی۔ آپ غصے پھر فرمایا کہ کہہ جو رہا ہوں کہ نہیں پڑھی ہو سکتا
ہوئے فرمانے لگے میں نے تو عید پڑھائی ہے۔ پڑھی نہیں اور اس کی تصحیح
وغیرہ کا بار حکومت پر ہو گا۔ جس نے اعلان کرایا۔ مجھے فوراً حدیث
مذہب بالا یاد آگئی۔ دل نے فتویٰ دیا کہ کیوں نہ ہو یہ کمال بیانی آخر تک
صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا چڑھا ہوا ہے۔

ایک شام کا واقعہ ہے کہ نماز مغرب کے بعد میں اکیلا حاضر خدمت
تھا۔ آپ تخت پوش پر رونق افروز تھے۔ میں میز کے ساتھ والی کرسی پر
بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے میز پر سے ایک لفافہ (پوسٹل) اٹھایا۔ اور اس
پر پتہ تحریر فرمایا۔ لفافہ کے ساتھ ہی میز پر ایک کتابچہ از قسم حامل تشریف
پڑا ہوا تھا۔ آپ نے یہ کتابچہ کسی دوست کو پارسل کرنا تھا۔ اس کتاب
کا سائز مشکل لفافہ کے برابر ہو گا۔ بلکہ یہ کتابچہ کچھ بڑا ہی معلوم ہوتا تھا۔
نے اسے بھی اٹھایا۔ اور لفافہ کے اندر داخل کرنے کی سعی کی میں سامنے بیٹھا

خاموش دیکھ رہا تھا۔ آپ سر چنڈ سی فرماتے لیکن کتابچہ لوجہ حسابت لفافہ کو قبول نہ کرتا۔ لفافہ میں کتابچہ کی کبھی اس طرف سے کبھی اس طرف سے سعی پیہم رائگاں معلوم ہوتی۔ لفافہ کے کنارے پھٹے تو نہ لیکن پھٹے۔ ریب ہوتے۔ آپ پھر رکتے اور دوسری طرف کتابچہ لوٹا کر داخل کرتے۔ اس کش مکش میں کافی وقت گزر گیا۔ میں نے سامنے بیٹھے دل ہی دل میں خیال خام کیا کہ ایک مردِ کامل کا عمل چاہیے وہ مثل کتنا ہی قلیل ہو فضول نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ صاحبِ امر کی شان ہے کہ ناممکن و محال پر وقت ضائع کرے۔ ظاہری طور پر نہ میں قبلہ حضرت صاحب کی طرف متوجہ تھا۔ اور نہ آپ میری طرف۔ میرا یہ دل میں خیال ہی کرنا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا اچھا یہ بات ہے تو لو پھر۔ اس کے ساتھ ہی کتابچہ دستِ اقدس کی ایک ہی جنبش سے لفافہ کے اندر بالکل محفوظ تھا۔ ادھر میں اپنے ناپاک وسوسہ پر شرم سے ڈوبا جا رہا تھا۔ ادھر قبلہ حضرت صاحب لفافے کی گوندھ کو تر کر کے اسے بند کر رہے تھے۔ اور مسکرائے جاتے تھے۔ آپ کے اس چھوٹے سے فعل نے میری بدگمانی کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اور مجھ پر دامن ہو گیا کہ صاحبِ امر کے لیے کوئی شے محال و ناممکن نہیں۔ لفافہ میں کتابچہ کیا۔ یہ صاحبِ امر طاقت رکھتے ہیں کہ کوزہ میں دریا بند کر دیں۔ اور ابھی لبِ جام بھی تر نہ ہونے پائے۔

وسعتِ ظرف

شاید کہیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ صاحبِ امر بڑے صاحبِ ظرف ہوتے ہیں۔ عوام الناس کی طرح یہ پابند نہیں ہوتے۔ ان کی نظر ہر غرض میں ہماری عبادتیں ہوتی ہیں۔ یہ مَادِ صِیَّتِ اذِ دِصِیَّتِ کی شان رکھنے

والے کے نفل میں پرورش پاتے ہیں۔ میں نے اپنے قبلہ حضرت صاحب کی ذات میں اس وسیع طرفی کی شان کا اکثر مشاہدہ کیا۔ کیونکہ ان اولی الامر حضرات کے ایسے افعال عوام الناس کے سامنے بطور حجت پیش نہیں کئے جاسکتے کہ خلل کا اندیشہ لاحق ہے۔ صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ احباب تازگی حاصل کریں۔ دفتر سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق ہر روز حاضر خدمت تو ہوتا ہی تھا۔ اور اکثر اوقات اپنی سائیکل پر ایک اور دوست کو بھی بٹھالے جاتا۔ ایک شام جب دفتر بند ہوا۔ میں نے اپنے دوست بھائی سے کہا کہ ذرا ٹھہریں۔ قبلہ حضرت صاحب کے لیے چند سفید کاغذ بھی لیتے جائیں۔ تعویذ وغیرہ لکھنے کے کام آئیں گے۔ وہ مولف القلب بھائی ابھی نیا نیا سلسلہ میں داخل ہوا تھا۔ ظاہری شریعت پر سختی سے پابند تھا۔ میرے کاغذ سنبھالنے کی ہی دیر تھی کہ اس نے مجھ پر برسا شروع کر دیا اور حرام و حلال سب گن مارا۔ بکھنے لگا کہ شرم کرو۔ پیر صاحب کو بھی لپیٹ میں لے کر ملوث کر رہے ہو۔ اور گورنمنٹ کے مال کی چوری کر کے کاغذوں کو بطور تعویذ استعمال کرتے ہو۔ بھلا ان تعویذوں کا کیا اثر ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ اُدھر وہ مجھے سنائے جا رہا تھا۔ ادھر میں اپنی عقیدت کے ماتحت اپنا کام کر چکا تھا۔ اسے سائیکل پر بٹھایا۔ اس سے کچھ نہ کیا۔ سارا راستہ قلعہ گوہر شنگھ تک اس کی ہی سنتا گیا۔ جب در دولت پر پہنچے تو قبلہ حضرت صاحب بیٹھک میں نہ تھے۔ بلکہ اوپر گھر آرام فرما رہے تھے۔ اور ابھی نیچے تشریف نہ لائے تھے۔ ہم دونوں بھائی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ نیکھا چلا یا۔ بھائی جان اب بھی وہی شرعی تیر چلا رہے تھے۔ اور میں خاموش سن رہا تھا۔ اتنے میں قبلہ حضرت صاحب کے سیڑھیوں سے اترنے کی آواز آئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے رخ انور کا رنگ متغیر سا ہے تشریف فرمائی کے فوراً بعد اس دوست کا نام لے کر بولے کہ آپ بتائیے کہ گدھا

کنوئیں میں گر جائے تو کیا اس کا پانی پاک رہے گا۔ ایسے مسائل بھائی صاحب کو پہلے ہی سے اذہر تھے۔ فوراً جواب دیا کہ سرکار کنواں بالکل ناپاک ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہی گدھا سمندر میں گر جائے تو پھر بھائی جان کچھ کھسیانے سے ہو گئے۔ اور جواب نہ دے سکے۔ نہ ہی انہوں نے فقہ میں یہ مسئلہ کبھی دیکھا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب نے دوسرا سوال ساتھ ہی کر دیا فرمایا کہ تنور کا ایندھن اگر گھر بلوچو لیے میں ڈالا جائے تو کیا چولہا ثابت و سالم رہے گا۔ ساتھ ہی فرمایا دیکھو ہم سیاہ کبیل پوشوں کو داغوں کا ڈر نہیں۔ ڈر ہو گا آپ لوگوں کو جنہوں نے سینہ چادر اوڑھی ہوئی ہے۔ بھائی جان ہوش میں آئے۔ اپنے کہے پر نادم ہوئے اور منہسی کی بات ہے کہ جب دوسرے دن ہم دفتر سے قلعہ گوہر سنگھ روانہ ہونے کو تھے۔ تو آپ اصرار کر رہے تھے کہ کاغذ پیل اور ربڑ وغیرہ قبلہ حضرت صاحب کے لیے آج بھی لے جائیں۔ انہیں ضرورت رہتی ہے۔ میں کل والی بات دہرا رہا تھا اور وہ زور دیتے جا رہے تھے کہ اور بھی کچھ دفتر سے قبلہ گا ہی کے لیے لے جائیں۔

اتباعِ سنت

اجتماعِ صدیق کے پیش نظر اگر ایک طرف آپ سے ایسے افعال ظہور پذیر ہوتے جو عوام الناس کی نظر میں ظاہری مشرعیّت پر پورے اُترتے دکھائی نہ دیتے تو دوسری طرف اتباعِ سنت میں وہ سختی دیکھی جاتی کہ آپ کی ہر ادا سنت صورتِ امرِ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہوتی تیری کے دن تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کا ذکر و رد زبان رہتا تھا۔ ایک ہفتہ کے روز دفتر میں چند کلرکوں سے جو راہِ طریقت سے بالکل بے بہرہ

تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ میں آپ کے محاسن بیان کرتا۔ اور یہ مخالف جماعت آپ پر کیچڑ اچھا لیتی۔ کسی نے کہا دیکھا ہے آپ کا پیر۔ عورتوں سے بغیر حجاب کے باتیں کرتا ہے۔ دوسرا بولا کہ اس کے سوا کہ اس نے تعویذوں کا کاروبار چلا یا ہوا ہے۔ اس کے پاس اور کچھ نہیں۔ کسی نے کہا کہ اس کے گھر کے ساتھ ہی مسجد ہے۔ لیکن نماز گھر میں ہی پڑھتا ہے۔ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ میں نا جنسوں میں پھنسا ہوا خاموش ہو گیا۔ دل ہی دل میں ٹھان لیا کہ آج ہفتہ ہے۔ دفتر دوپہر کو بند ہو جائیگا سیدہ قبلہ حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں پہنچوں۔ اور انہیں جس حالت میں بھی پاؤں زبان اعتراض کھولوں۔ وہ ضرور سخت پوش پر رونق ہوں گے۔ جاتا ہی سوال کرونگا کہ کیا حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی تخت پوش پر رونق افروز ہوئے تھے۔ اگر کرسی پر ہوں گے تو پھر بھی یہی اعتراض کرونگا۔ سائیکل پر سوار اکیلا دل میں بدگمانیاں لیے ہوئے قلعہ گوجہ سنگھ پہنچا۔ دیکھا کہ آپ بیٹھک میں پنکھے کے نیچے ایک چارپائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ کرسیاں ایک طرف کی ہوئی ہیں۔ شمالاً جنوباً داہنی کروٹ لیے ہوئے۔ داہنا ہاتھ زیر سر کئے ہوئے۔ اور بائیں ہاتھ کوران پر رکھے ہوئے۔ چہرہ مبارک مشرقی دیوار کی طرف تھا۔ بابا غلام محمد آپ کا خادم آہستہ آہستہ دبا رہا تھا۔ میں نے ابھی اسی صبح مشکوٰۃ شریف سے یہی حدیث شریف پڑھی تھی کہ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم بنڈھا تھا۔ آپ چشمہائے ظاہر میں بند کئے ہوئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب اپنے پیر بھائی کو دیکھو تو سمجھو کہ اپنے شیخ کو دیکھ رہے ہو۔ جب شیخ کو دیکھو تو یہ خیال کرو کہ گویا تم حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہو۔ اور جب کبھی بلند سختی میں حضور علیہ السلام

کے آرام فرمانے کا انداز ایسا ہوتا ہے اس نظارہ کے ساتھ ہی بدگمانیاں تو دلہیز کے پیچھے گلی میں ہی رخصت کر دیں۔ آگے بڑھ کر قدم بوی کی آپ نے اس حالت میں مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یوسف صاحب کیا عین سنت کے مطابق پایا۔ میں اور متر مندہ ہو گیا۔ بابا غلام محمد کیساتھ ہی بیٹھ گیا اور دبانام شروع کیا۔ عین آہستہ آہستہ دبانے جارہا

کا دیدار نصیب ہو تو جان کو کہ آپ حقیقت امر کے مشاہدہ میں غرق ہیں اس فرمان کے تحت میں آپ کو دبائے جا رہا تھا۔ اور خیال کر رہا تھا کہ میں حضور پر نورؐ کی خدمت پر معذور ہوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ آنکھیں بند کئے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ فرمانے لگے بس یہی خیال درست ہے جو دل میں لئے ہو۔ اللہ جزا دے۔

آپ داد و سند کے کھرے۔ حتیٰ کہ راہ خدا میں خرچ کرتے وقت بھی مانگنے والے کی حیثیت کو دینے سے پہلے ہی ملاحظہ فرما لیتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک فقیر کندھے پر جھولا ڈالے ہوئے دروازہ پر آیا۔ کہنے لگا کہ راہ خدا کچھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کس خدا کی راہ میں چاہتے ہو فقیر بولا کیا دو خدا ہیں؟ فرمایا کہ مجھے تو دوسری معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس نے آپ کے کندھے پر سیریں بوجھ لا دیا ہوا ہے۔ اور آپ کو در بدر مارے مارے پھرا رہا ہے اور ایک وہ جو مجھے یہاں بیٹھ بٹھائے دے رہا ہے۔ فقیر کچھ صاحب دل تھا۔ اندر داخل ہو گیا اور سامنے والے بڑے بیچ پر آسن مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنے حال کی کند کو قبلہ حضرت صاحب پر پھینکنا چاہا۔ قبلہ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ اس کند کا اثر میں محسوس کر رہا تھا۔ ادھر آپ نے بھی جوابی کارروائی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ جب اُس فقیر کی کند ٹوٹی تو معاً وہ بیچ سے معاً آئے والے جھولے کے اٹا گر پڑا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کھڑا ہو کر دست بستہ عرض کرنے لگا۔ کہ سرکار میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس لباس میں جو عموماً کارنگ لیے ہوئے ہے۔ فقیری نہ کریں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اپنا کام کرو۔ اور درویشوں کی جانچ پڑتال سے باز آؤ۔

کسی اور دن ایک فقیر دروازہ پر آیا۔ صدائیں دیتا رہا۔ لیکن آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ میں ساتھ والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور

اس انتظار میں تھا۔ کہ آپ جیب سے کچھ نکالیں گے۔ وہ پیسے میں فقیر کو دے آؤں گا۔ کافی دیر کے بعد بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے فرمانے لگے کہ اچھا لے جاؤ آپ کو دینے کا حکم تو نہیں ہے۔ میں یہ کلام سن رہا تھا۔ اُدھر یہ فقیر بھی جیب میں ہاتھ ڈالنے کے ساتھ ہی دروازہ سے ہٹ چکا تھا۔ آپ نے کچھ نقدی نکال کر مجھے دی اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ۔ اس فقیر کو ڈھونڈ کر دے آؤ۔ میں جھٹ گلی میں گیا۔ بازار تک دیکھا۔ وہ فقیر غائب تھا۔ میں نے وہ پیسے واپس لا کر حاضر خدمت کئے فرمایا اچھا ہوا۔ اس کو نہیں دینا تھا۔ اس طرح لینے کے معاملے میں بھی بڑی احتیاط برتتے۔ بادی النظر رکھنے والا معترض ہوتا کہ اتنی حیثیت کے مالک ہوتے ہوئے سودے میں اس قدر چھان بین کیوں کر رہے ہیں۔ ایک دن ایک بوڑھا آدمی کدوؤں کا ٹوکروں پر اٹھائے ہوئے صدائیں دیتا ہوا اس گلی سے گزرا۔ آپ نے دروازہ میں کھڑے ہو کر اس بوڑھے سے کدو لینے کو کہا۔ بوڑھے نے ٹوکروں پر رکھا۔ اور کدو دکھانے شروع کر دیئے میں ساتھ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ آپ کبھی کسی کدو کو اور کبھی کسی کو اٹھاتے اس کی قیمت پوچھتے۔ اس زمانے میں درمیانے کدو کی قیمت ایک آنہ چھ پیسہ تھی۔ جب بابا چھ پیسے والا کدو دکھاتا تو آپ اسے ایک آنہ پر رضا مند کرنے کی کوشش کرتے۔ اور جب وہ ایک آنہ والا دکھاتا تو آپ دو پیسے فرماتے۔ میں دل ہی دل میں پاس کھڑا معترض تھا کہ آخر ایک آدمی پیسے کی کیا بات ہے۔ دوپہر کا وقت ہے۔ بوڑھا بیچارہ خبر نہیں کس مصیبت سے یہ پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ پیسے ٹکے کی کمی بستی سے قبلہ حضرت صاحب کو کیا فرق پڑیگا۔ خیر آپ نے کدو خرید کر لیے۔ اور واپس تخت پوش پر رونق افروز ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ دیکھو خواہ مخواہ کی بدگمانی دل میں نہ لایا کرو۔ آپ کو حدیث شریف یاد نہیں کہ سودے خریدتے وقت

تقاضا کیا کرو۔ یہ اچھا ہوتا ہے۔ میں شرمندہ ہو گیا۔ اور اپنے خیال کی معذرت چاہی۔

بازار سے سودا منگوانا ہوتا تو بڑے اہتمام سے پیسے دیتے۔ نرخ و جنس کی پوری تسلی فرماتے۔ اکثر اوقات دیکھا تھا۔ کہ مسئلہ کو بند فرما دیتے اور حساب پورا لینے دینے کے بعد پھر مسئلہ شروع کرتے۔ نقدی عموماً رومال کے ایک کونہ میں باندھی ہوتی۔ عجیب انداز سے گرہ کھولتے۔ آنہ کے کونوں کو انگلی سے چھوٹے ہوئے دیتے۔ صبح کا وقت تھا۔ اوپر سے بشیر دلازم (لڑکا) اُترا۔ ناشتہ کے لیے ایک انڈا اور درکار تھا۔ قبلہ حضرت صاحب سے پیسے مانگے۔ آپ مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام والے تخت بلقیس کی تفسیر بیان فرما رہے تھے۔ چن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے لا سکتا ہوں۔ سلیمان علیہ السلام خاموش رہے۔ ایک اور صاحب امر بولا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لا سکتا ہوں۔ چنانچہ تخت حاضر کیا گیا۔ فرما رہے تھے۔ کہ صاحب امر کی خواہش کرنے سے پہلے ہی چیز موجود ہونی چاہیے ان کا ارادہ وقت کا پابند نہیں ہوتا۔ ادھر ملازم پیسے لینے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ ایک ایک انڈا کیوں لا رہے ہو۔ ابھی جیب سے رومال نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا ہی تھا۔ کہ ایک شخص انڈوں کا کریٹ اٹھائے حاضر خدمت ہوا۔ اس نے کریٹ قبلہ حضرت صاحب کے جوتوں کے پاس رکھ کر سلام کیا۔ اور عرض کیا کہ یہ انڈے وزیر آباد والے پلٹیر صاحب نے آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ مجھے فرمانے لگے کہ کریٹ پر سے کپڑا اٹھاؤ حسب ارشاد کپڑا اٹھایا۔ کریٹ کو انڈوں سے بھرا پایا۔ آپ نے دیکھتے ہی وہی حضرت سلیمان علیہ السلام والے الفاظ دہرائے۔ فرمایا ہذا من فضل دینی۔ بشیر کو کہنے لگے کہ تم ایک انڈا مانگتے تھے۔ ہمارے رب نے انڈوں کا کریٹ بھیج دیا۔ سر پر اٹھاؤ اور اوپر لے جاؤ۔ مجھے انڈوں کے آنے سے اتنی حیرانی

نہ تھی۔ جتنی حیرانی کہ اس واقعہ کو تفسیر کی مطابقت سے ہوئی۔ خدا جانے آپ کس مقام پر فائز کلام فرما رہے تھے۔

دعوتِ طعام

حضرت میں ہوں یا سفر میں جب کبھی بھی، کہا گیا کہ سرکار کھانا طیارہ ہے تو میں نے یہ فرماتے کبھی نہیں سنا کہ ڈرامٹھر جائیں یا ابھی بھوک نہیں۔ میں آپ کا یہ فلسفہ نہ سمجھ سکا۔ آخر ایک روز مناسب موقع پا کر عرض کیا کہ آپ کھانے کی دعوت پر کبھی التواء نہیں فرماتے۔ تو فرمانے لگے کہ رزق کی دعوت منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اسے نہ نہیں کرنی چاہیے۔ کھانے میں ہر نعمت پاتے ہوئے احتیاط برتتے۔ فرمایا کرتے کہ ہمارا حال تو ویسے رہا۔ پہلے ملتا نہ تھا تو قناعت تھی۔ اب ملتا ہے تو کھا نہیں سکتے۔ دانت کمزور ہو چکے ہیں اور مرغین غذا میں ہضم نہیں ہو سکتیں۔ گرمیوں میں برف کا استعمال زیادہ کرتے۔ میز پر پانی والا گلاس برف سے ہی بھرا ہوتا۔ کئی ناواقف دیکھنے والوں کو حیرانی ہوتی کہ اتنا ٹھنڈا پانی کیسے نوش فرماتے ہیں مجرم راز اس ادا سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔

قطرہ دودِ دلِ حبا می بدریا انگنی

سینہ سوزاں دل تپاں ماہی نہ آب آید بڑل

جب کبھی کوئی دوست کھانے کی دعوت دیتا۔ آپ قبول فرماتے

احباب شناسا تھے۔ کہ اس مہمان کے لیے جتنا بھی اہتمام کریں محفوظ رہے۔

اگر کوئی غیر شریک دعوت ہوتا۔ تو کئی طرح کے وسوسوں کو دل میں جگہ

دیتا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ایک ہمسایہ دوست نے اپنے ایام مفلسی میں آپ

کی ایک پُر تکلف دعوت کی۔ آپ تشریف لائے۔ چند ایک اور ہمسایہ

دوستوں نے جو میزبان کے رشتہ دار بھی تھے۔ دعوت میں شریک ہونے سے کسی ذاتی ناراضگی کی بناء پر انکار کر دیا۔ جس کی خبر قبلہ حضرت صاحب کو بھی کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شریک نہیں ہوتے تو انہیں رہنے دو۔ ان کو یہ علم نہیں کہ دعوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہاں ذاتیات کا کوئی قصہ نہیں۔ جب سے مجھے پتہ چلا کہ آپ کی دعوت ایک خصوصی اہمیت رکھتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہاڑی میں آپ نے چند روز اپنے ایک دوست منیجر صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ میں ساتھ تھا۔ تینوں وقت بڑے اہتمام سے پرتکلف کھانا آتا۔ منیجر صاحب میرے پہلے سے ہی بے تکلف دوست بھی تھے۔ ایک شام ہم دونوں نے مشورہ کیا کہ روزانہ مرغ۔ پلاؤ۔ مکھن اور ملائی وغیرہ کھاتے پیٹ میں جلن سی محسوس کر رہے ہیں قبلہ حضرت صاحب تو کھاتے وقت اعتدال برتتے ہیں۔ اور بہت کم کھاتے ہیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہ ہو کہ آج شام دال یا ساگ وغیرہ پکالیں تاکہ شکموں کی جدت کم ہو۔ ہم دونوں بھائی یہ مشورہ فیکٹری کے میدان میں ہی کھڑے کر رہے تھے۔ کہ دُور قبلہ حضرت صاحب نے ہمیں اشارہ سے بلایا فرمانے لگے۔ کیا باتیں کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ قبلہ کھانے کے پروگرام میں تبدیلی کا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں کرنا۔ جس معیار پر پہلے کھانا طیارہ ہوتا ہے۔ وہی معیار رکھو۔ بلکہ اس سے بڑھاؤ۔ منیجر بھائی پہلے ہی کھلی طبیعت کا انسان تھا۔ فوراً قبلہ حضرت صاحب کے سامنے ہی ایک نوکر کو کہنے لگا۔ کہ بکری کے دو بچوں میں سے ایک بچہ ذبح کرو۔ اور گھر کہہ آؤ کہ یہ بچہ آج شام پلاؤ میں استعمال ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میرے بتانے سے منیجر صاحب بھی جان گئے۔ کہ یہاں دعوتوں میں کچھ اور ناز ہے۔ نری شکم پروری اور تنومند ہونا ہی مقصود نہیں۔ میں چونکہ اکثر قبلہ حضرت صاحب کے ساتھ سفر میں ہوتا۔ اُن دعوتی کیفیات کا علم و تجربہ مجھے کافی ہو گیا تھا۔ میں

نے ہر دعوت میں ایک نیارنگ پایا۔ میزبان نے جتنا زور مہمان کی دعوت پر لگایا۔ اس سے کئی گنا زائد میزبان نے فی الفور پایا۔ جس دوست کو بھی قبلہ حضرت صاحب کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ سودا کتنا سود مند رہتا تھا۔ کار پر سوار و گاڑی میلیسی۔ ٹبہ سلطانپور ہوتے ہوئے ایک دفعہ آپ نے ملتان شریف ایک انجینئر دوست کے ہاں بھی ایک رات ٹھہرنے کا ارادہ فرمایا۔ انجینئر صاحب کو اس آمد کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔ کار مل کے بڑے دروازہ کے سامنے کھڑی ہوئی۔ ہم اترے چونکہ کیدار کو کہا کہ اندر سے انجینئر صاحب کو پیغام دو کہ قبلہ حضرت صاحب شریف لائے ہیں۔ انجینئر صاحب دروازہ پر آئے۔ قبلہ حضرت صاحب کو ملے اور بعد میں مجھے ملتے وقت آہستہ سے کان میں کہا کہ آپ نے قبلہ حضرت صاحب کو لا کر یہ کیا ستم ڈھایا ہے۔ میں آج شام بذریعہ ریل گاڑی پشاور والی فلور مل میں جا رہا ہوں۔ مالکان مل کی طرف سے پرسوں کا حکم پہنچ چکا ہے۔ خیر یہی باتیں کرتے ہم انجینئر صاحب کے مکان تک آگئے دیکھا کہ دو چار بستر بستر بند میں لیٹے ہوئے ہیں۔ ایک دو چار پانی کھڑی کی ہوئی ہیں۔ دوسری کمرے میں بچے درہی بچھا کر بیٹھ رہے ہیں۔ اور وقت کے انتظار میں ہیں کہ کب ٹانگہ آئے اور ریلوے اسٹیشن پر پہنچیں تاکہ ہر وقت پشاور والی گاڑی سوار ہو جائیں۔ انجینئر صاحب نے ایک چار پانی قبلہ حضرت صاحب کے لیے بچھا دی۔ ماحول کا اندازہ جتنا احساس سے ہو سکتا ہے۔ اتنا بیان سے نہیں ہو سکتا میری حیرانی تو ایک فاصلہ حیشیت رکھتی تھی۔ انجینئر صاحب کا حال قابل دید تھا۔ تبدیلی اس کے لیے سوہان روح بن چکی تھی۔ قبلہ حضرت صاحب نے بڑے اطمینان سے پوچھا چوہدری صاحب کیا بات ہے۔ انجینئر صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ ملتان شریف

کا دانہ پانی اُن کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ فرمانے لگے بستر کھولو اور گھر میں کہو کہ کھانا تیار کریں۔ آپ نے کہیں نہیں جانا۔ اسی مل میں رہنا۔ انجینئر صاحب کا خوشی سے چہرہ کا رنگ بدلا۔ حسب ارشاد کھانا تیار کیا گیا۔ ابھی منیر پر کھانا پُتنا ہی جا رہا تھا کہ ایک نامہ رساں تار والا لفافہ لے آیا۔ لفافہ کھولا۔ یہ تار مالکان مل کی طرف سے لاہور سے آیا تھا۔ جس میں درج تھا کہ تبدیلی کا حکم ثانی معطل سمجھی جائے۔ انجینئر صاحب اور اُن کے گھر والوں کی جان میں جان آئی۔ سب کے سب قبلہ حضرت صاحب پر فدا ہو رہے تھے۔ سرشام ہی ملتان شریف کے مشہور تحالفت چادریں تیل وغیرہ انجینئر صاحب کی طرف سے قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہونی شروع ہو گئیں۔

چونکہ مضمون دعوتوں کا چھڑ چکا ہے۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک آدھ اور واقعہ لکھ دوں اور ہر واقعہ کا سبق احباب کے فہم رسا پر چھوڑ دوں ہیں ایک سفر میں شاید کراچی سے واپس قبلہ حضرت صاحب کے ساتھ آ رہا تھا ساہیوال ریلوے اسٹیشن پر جب گاڑی کھڑی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لیے ایک گلاس پانی سامنے والے تل سے لاؤ۔ میں گلاس لے کر پانی لینے جا رہا تھا۔ کہ ایک شخص نے مجھے روکا۔ اور کہنے لگا کہ پانی رہنے دیجئے۔ میں قبلہ حضرت صاحب کے لیے بوتل لاتا ہوں۔ یہ شخص اُس ڈبہ میں کہیں ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ اور قبلہ حضرت صاحب کے کلام سے مخطوط ہو چکا تھا۔ میں نے اُس کی نہ مانی۔ خیر وہ شخص کچھ میری سونت کلامی سے مرعوب سا ہو گیا۔ اور واپس میرے ساتھ ہی ڈبہ میں آ گیا۔ قبلہ حضرت صاحب نے پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے پوچھا کہ یہ نوجوان کیا کہہ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا آپ کے لیے بوتل لانی چاہتا تھا۔ میں نے اچھی طرح روک دیا۔ کہ آپ خواہ مخواہ پیرو مرید ہیں آرہے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ کیا

یہ شخص ہمارا واقف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر آپ نے اسے بوتل لانے سے کیوں منع کیا۔ یہ نوجوان تو اپنا سودا اپنے رتبے سے کر رہا تھا۔ آپ کیوں دخل انداز ہوئے۔ اسے فرمایا کہ جاؤ بھی اپنی خواہش پوری کرو۔ وہ نوجوان خوش خوش گیا۔ اور بوتل قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ جن دوستوں کی اصلاح مقصود ہوتی یا ان کو کسی خاص طریق پر لانا ہوتا تو آپ ان سے زبردستی بھی خراج مال وصول فرماتے کسی عید الضحیٰ کے دوسرے دن میں صبح صبح سلام کے لیے حاضر خدمت ہوا آپ تھے۔ اور ساتھ والی کرسی پر مولانا مہر دین صاحب فاضل اجل بھی تشریف فرما تھے۔ دست بوسی کے بعد میں ابھی کرسی پر بیٹھا بھی نہ تھا کہ فرمانے لگے۔ کہ کل عید کے بعد آپ کیوں نہیں آئے۔ اور ہمارا حصہ کیوں نہیں لائے۔ گوشت کی دان و غیرہ۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ کل عید کا دن تھا۔ گوشت وغیرہ بناتے وقت نہ مل سکا۔ دوسرے آپ نے خود دُنبہ قربان کیا ہے۔ اس لیے آپ کو دان و غیرہ پہنچانے کا خیال نہ آسکا آپ نے بڑی بے تکلفی سے فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ اچھا اس کا جرمانہ ادا کرو۔ میں بڑا حیران تھا کہ اتنے بڑے عالم و فاضل کے سامنے میرے ساتھ یہ کیسی گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ مولانا صاحب کیا خیال کرتے ہوں گے لیکن وہ خاموش ایک اپنی تازی تصنیف شدہ کتاب "رد و افض" ہاتھ میں لیے ہوئے ہماری گفتگو سن رہے تھے۔ میں نے کھڑے کھڑے اپنے تھیلے سے بٹوا لیا۔ پانچ روپے روپے والے نئے نوٹ جو میں نے واپسی پر گھر مٹھائی لے جانے کیلئے رکھے تھے نکالے۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ میں نے کانپتے ہوئے وہ پانچوں نوٹ تخت پوش پر قبلہ حضرت صاحب کے قدموں کے پاس رکھ دیئے۔ اس تھر تھرا ہٹ میں میرے ہاتھ سے خالی بٹوا فرش پر آپ کی پا پوش مبارک کے قریب جا گرا۔ دل میں خیال آ رہا تھا کہ آج بٹوا

خالی ہو گیلیے۔ پہلے تو کبھی قبلہ حضرت صاحبؒ نے ایسا انداز نہیں برتا۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ دراصل رزق کی فراوانی آج سے شروع ہو گئی ہے وہی پر ریلوے ہیڈ کوارٹر کے قریب مجھے ایک صاحب ملے۔ جنہوں نے میرے بلیں روپے دینے تھے۔ انہوں نے یہ رقم ادا کی۔ جس سے میرا مٹھائی والا پروگرام بھی بحال رہا۔ اور وہ دن جاتے اور آج کا آئے۔ کبھی قلمت رزق کا خیال تک بھی دل میں نہیں گزرا۔

راہبر علمائے کرام

مولانا مہر دین صاحب مدظلہ کی حاضری میرے لیے ایک لطیف نکتہ بخش گئی۔ انہوں نے بیان کردہ کتاب قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ کہ قبلہ میں یہ کتاب تو لکھ چکا ہوں اور طبع بھی کرائی جا چکی ہے۔ لیکن یہ کوئی اتنی مقبول نہیں ہوئی۔ آپ کتابیں چھپواتے ہیں۔ اور وہ ہاتھوں ہاتھ پک جاتی ہیں۔ آپ مسکراتے اور فرمایا کہ مولانا صاحب کتاب کے ساتھ پڑھنے والوں کو روشنی بھی عطا فرماؤ۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے۔ تو نری کتاب کیا کرے گی۔ ”لقد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین“ کے تحت فرمایا کہ جب تک نور والی بات نہ ہوگی۔ کوئی دل کتاب سے موثر نہیں ہوگا۔ مولانا مہر دین صاحب کے علاوہ اور بڑے بڑے چوٹی کے عالم بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ اپنے جلسوں میں قبلہ حضرت صاحبؒ کو کرسی صدارت پر بٹھاتے۔ تقریر کے دوران میں قبلہ حضرت صاحبؒ کی طرف رخ پھیر کر آپ سے مسئلہ کی تصدیق چاہتے۔ اگر انہیں کوئی الجھن آ پڑے تو قبلہ حضرت صاحبؒ سے حل حاصل کراتے۔ مجھے یاد ہے کہ ابھی نیا نیا پاکستان بنا تھا۔ ایک دن حضرت پیر امانت علی شاہ

صاحبِ چشتی رحمۃ اللہ علیہ حاضر خدمت ہوئے اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی
 قیادت پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اس کی وضع قطع۔ اُس کے لباس اور
 اس کے عقیدہ پر تنقید کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ایسے شخص کی قیادت مسلمانانِ
 پاکستان کے لیے انجامِ بخیر نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب ایک سوال
 کا جواب دیجیے۔ فرعن کریں کہ آپ اس گلی سے گزر رہے ہیں۔ کچھ دور جاتے
 کے بعد آپ کی گلی کی نالیاں صاف کرنے والا جمہدار اپنے پھٹے پڑانے کپڑے
 پہنے ہوئے اور کیچڑ بھرے ہاتھوں سے آپ کا دامن تمام لیتا ہے۔ اور کہتا
 ہے کہ مولانا صاحب آگے نہ بڑھیں۔ وہ دیکھو ایک اڑدھا سامنے کی نالی
 کی موری سے سر نکالے ہوئے ہے۔ اگر اس نالی پر سے گزریں گے۔ تو نقصان
 ہوگا۔ آپ دور سے ہی اڑدھا کو دیکھ کر اس جمہدار کا ضرور شکریہ ادا کریں گے
 اس وقت نہ آپ کا خیال اُس کے پھٹے پڑانے کپڑوں کی طرف ہوگا۔ نہ
 کیچڑ بھرے ہاتھوں کی طرف جس خطرۂ عظیم سے اس جمہدار نے آپ کو
 اطلاع دی ہے۔ اُس کے مقابل میں اُس کے تمام تر عیوب آپ کی نظر
 میں کالعدم ہوں گے۔ ہندو قوم نے مسلمانوں کا نشان مٹانے کے لیے جو منصوبہ
 طیار کر رکھے ہیں۔ اُن سے محمد علی جناح نے آگاہ کر دیا۔ شاہ صاحب کو
 آپ کے کلام سے تسلی ہوئی۔ اور قائدِ اعظم زندہ باد کے زمرہ میں شمولیت
 فرمائی۔ کسی عالم کی تنبیہ مقصود ہوتی تو اس کا انداز بھی ایک نرالا نکالتے
 ایک صبح آپ ٹانگے پر سوار دہلی دروازہ کے قریب سے گزر رہے تھے۔
 دیکھا کہ مولانا ابوالحسنات محمد احمد (بھیا صاحب) عالم ابنِ عالم اور
 شیخ الحدیث قندہ ابوالبرکات سیّد احمد صاحب مدظلہ کے بھائی بغل میں
 ایک موٹی سی مثلِ دبائے دہلی دروازہ کے موڑ پر کھڑے ہیں اور ایسا معلوم
 ہوتا تھا کہ کسی کے انتظار میں ہیں۔ یہ دن قادیانی تحریک کے تھے۔ اور
 بڑے بڑے خود غرض سرمایہ داروں نے علماء کی جماعت کو مرزائیوں کے

خلاف آمد کار بنار کھا تھا۔ بھیا صاحب کو اس طرح کھڑے دیکھ کر قبلہ حضرت صاحب نے مرزا صاحب کو ٹانگہ کھڑا کرنے کا کہا۔ ٹانگہ عین بھیا صاحب کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ قبلہ حضرت صاحب اور بھیا صاحب آپس میں بے تکلف دوست بھی تھے۔ اور دونوں اکٹھے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ چکے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب نے پوچھا۔ مولانا صاحب کدھر کا ارادہ ہے۔ بھیا صاحب بوسلے کہ دزا ڈیٹی کمشنر کی کوٹھی تک جانا ہے۔ کسی ٹانگے یا بس کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے ٹسکرائے ہوئے فرمایا بہت خوب ذرا دیر سے ہوش آیا ہے۔ باقی پارٹیاں تو اپنی جلب منفعت حاصل کرنے کے لیے دوڑ لگا کر بہت آگے نکل چکی ہیں خیر کوئی بات نہیں مولوی ہونا! ان سے مل جاؤ گے۔ بلکہ سبقت لے جاؤ گے۔ بھیا صاحب کچھ کھسیانے سے ہو کر بوسلے کہ صوفی صاحب آپ ایسے ہی مذاق کرتے رہے۔ کیا کریں ان کے ساتھ ملنا پڑتا ہے۔

نہیں تیسرا فشین قصر سلطانی کہ گبند پر
 تو شاہین ہے سیرا کر پیاروں کی چٹانوں پر (اقبال)
 عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سالانہ اجلاس میں آپ بڑے بڑے جید علماء کو دعوت دیتے احباب اچھی طرح واقف ہیں کہ جو عالم بھی سٹیج پر آنا اپنی تقریر کے آغاز میں قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں اپنا نیا پیش کرتا اور دوران تقریر میں آپ کی توجہ خاص کا منتہی رہتا۔ جتنا آپ اُسے چلاتے وہ چلتا۔ کئی ایک مقرر تو اپنے نفس مضمون کو قبلہ حضرت صاحب کی بیان کردہ تصانیف سے ہی اخذ کر لیتے۔ اور اُسی کو جلسہ میں پیش کر دیتے۔ تاکہ کہیں اکھڑنے کا موقع ہی نہ آئے۔ آپ عالم کی قدر فرماتے جلسہ میں تقریر ختم کرنے کے بعد اگر کوئی عالم آپ سے رخصت طلب کرتا تو آپ مجھے اشارۃً اس کی خدمت کے لیے اس کے پیچھے بھیجتے۔ اس موقع

کی مناسبت پر اس عالم کی سواری وغیرہ کا انتظام کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ صدر مدرس نعمانیہ جو کہ تقسیم پاکستان کے بعد ہندوستان سے آکر اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے صبح کا وقت تھا۔ میں اور ایک اور دوست عرفانی صاحب موجود تھے وہ صدر مدرس اندر تشریف لائے۔ تو آپ تخت پوش سے اتر کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مصافحہ لیا۔ آپ کے کھڑے ہونے سے آنے والے کی قدر و منزلت بھی معلوم ہو گئی۔ وہ صاحب کسی حکم کے ماتحت آپ تک پہنچے تھے۔ اور اپنا پیغام لینے آئے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب نے اہمیت سے اُن کا پیغام اُن تک پہنچایا جس کے لیتے ہی وہ صاحب اجازت طلب کر کے واپس تشریف لے گئے۔ ہمیں بعد میں بتایا کہ یہ صاحب صدر مدرس نعمانیہ ہیں۔ ان کو بلایا گیا تھا۔ تاکہ ان کی امانت انہیں دی جائے

ترتیب تصانیف

عمر شریف کے آخری حصہ میں آپ تقاریر کا سلسلہ قطع کر چکے تھے اس کی بجائے آتش عشق کو روشنائی کا جامہ پہنا کر صفحہ قرطاس پر نمودار کیا۔ علم دوست احباب نے آپ کے کلام میں عواصی کی۔ اور اپنے کلام میں بطور محبت اُن کتابوں کا حوالہ دینا شروع کیا جو آپ کی تصانیف شدہ ہیں۔ تصانیف کتب آپ کے اہم کارناموں سے ایک ہے۔ کسی دوست نے بھی آپ کو کتاب کا مسودہ لکھتے نہیں پایا۔ دن میں آپ کے لیے کوئی ایسا وقت نہ تھا۔ جس میں کچھ لکھا جاسکے۔ فرماتے تھے کہ نماز فجر سے پہلے ایک آدھ گھنٹہ لکھنے کو مل جاتا ہے۔ تین چار پنسلیں گھڑ کر سامنے رکھ لیتا ہوں۔ اور ایک کیفیت کے ماتحت لکھ جاتا ہوں۔ ایک پنسل کا سر منہ

ہونے پر دوسری اٹھا لیتا ہوں۔ تسلسل اپنے آپ قائم رہتا ہے۔ ایک دفعہ آپ شرح قصیدہ غوثیہ کا مسودہ لکھ رہے تھے کہ کسی جگہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قول نقل کرنے کی ضرورت پڑی۔ آپ نے جب ان کا کلام نقل نہ پایا۔ تو غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الواقع سامنے تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے کہ کسی کا قول نقل کرتے وقت پورا پورا حوالہ بھی ساتھ دے دیا کریں یعنی کس کا قول ہے۔ کس کتاب میں ہے۔ اور کون سے صفحہ وغیرہ پر۔ قبلہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ آپ کی تشریف آوری پر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اللہ عزوجل کا شکر گزار ہوا کہ میری کتاب سیدی غوث الثقلین کی نگرانی میں لکھی جا رہی ہے۔ اس طرح دعائے معنی میں جو حضرت اولیں قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے بہت سے اشعار کی تصحیح بنفس نفیس حضرت اولیں قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی۔ اور کیوں نہ ہو۔ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مرتبہ قلندری جو ملنے والا تھا۔ اس کی پیش قدمی کے لیے اولیاء و اصدف آپ کی ہر طرح سے اعانت فرماتے رہے۔ یہ دونوں تصانیف آپ کے زمانہ اول سے متعلق ہیں۔ آپ کی تصانیف کی ترتیب ہی آپ کے بلندی درجات کی آئینہ دار ہے۔ وادی فقر کی پہنائیوں میں گم ہوئے تو کتاب الفقر مخزیٰ لکھ دی۔ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلعت زیب تن کی تو کتاب "جمال رسول" صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں آئی۔ اس خلعت نے جو حقیقت امر سے شناسا کرایا تو "جمال الہی" عزوجل کو کتابی رنگ دیدیا۔ جس مقام پر فائز اس کی بات کی۔ نہ پہلے آگے بڑھے اور نہ آگے بڑھ کر پیچھے آئے۔

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

فرمایا کرتے تھے کہ جس انداز سے کتاب لکھی جاتی ہے اگر اسے اسی انداز و ماحول میں پڑھا جائے تو سودمند ہے ورنہ نہیں۔ آپ کی پینل سے

تحریر منشیانہ اور شکستہ تھی۔ جیسے عدالتی محرروں کی ہوتی ہے مجھے اپنے والد ماجد کی طرف سے جو عدالت میں ناظر رہ چکے تھے۔ ایسی تحریر پڑھنے کا ملکہ حاصل تھا۔ عموماً نماز مغرب کے بعد قبلہ حضرت صاحبؒ بالا خانہ سے کسی کتاب کا مسودہ ساتھ لے آتے اور مجھے پڑھنے کے لیے فرماتے ہیں پڑھتا جاتا اور ساتھ ساتھ آپ کے چہرہ انور کی کیفیات کا مشاہدہ بھی کرتا جاتا۔ اگر میں کہیں رک جاتا یا تسلسل توڑتا تو یہ آپ کی طبع مبارک پر گراں گزرتا۔ خاموشی سے مجھے آگے پڑھ جانے کا اشارہ فرماتے۔ میری غلطیوں پر تصحیح فرماتے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے بجائے نور اللہ مرقدہ کے نور اللہ مرقدہ یعنی اقتدا نور کو بغیر تشدید کے پڑھا تو فرمانے لگے۔ روویں بی اے نوں یہ لفظ نور اللہ ہے نہ کہ نور اللہ سالانہ جلسہ کے اشتہار کے نیچے میرا نام محمد یوسف چوہدری لکھواتے۔ ایک دفعہ میں پوچھ بیٹھا کہ اس لفظ چوہدری کو نام کے بعد خطوط ودانی میں ڈالنے کا کیا مجید ہے۔ فرمایا کہ نام کے بعد ایسے چوہدری لکھنے سے ظاہر ہوتا کہ آپ اپنے کو چوہدری نہیں کہتے بلکہ آپ کو چوہدری کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ مجھے ایک دفعہ ایک سفید کاغذ دیا اور فرمایا کہ اسے آدھا بھاڑ دو۔ کچھ لکھنا مقصود تھا۔ ایک حصہ سے دوسرے حصہ کو خوب چمٹا کر اور درمیانی حصہ کے دونوں سروں کو انگوٹھے سے خوب چمٹا کر بھاڑنے کے لیے دوبارہ کاغذ کھولا۔ کاغذ کے اندر والے حصہ کو رو کر کے دونوں طرف سے جب کاغذ کھینچا تو دونوں ہاتھوں میں بجائے پورے آدھا کاغذ آنے کے ایک ہاتھ میں ۱/۲ اور دوسرے میں ۱/۳ آیا۔ آپ مسکرائے میرے ہاتھ سے کاغذ کے ٹکڑے پکڑ لیے۔ ایک ٹکڑے کو نئے سرے سے کیا۔ درمیان کو انگشت مبارک سے دبایا اور کاغذ کو اس طرح اٹا رہا دیکر بھاڑا۔ اور ایسا انصاف برتا کہ میں شرمندہ ہوا۔ یہ آپ کی چھوٹی پیاری ادا مجھے ابھی تک سرور بخش رہی ہے۔ جب کبھی کاغذ بھاڑنے

موقعہ آتا ہے قبلہ حضرت صاحب کی یہ ادا سامنے آجاتی ہے۔ دیکھنے میں یہ بات کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی۔ واضح یہ کرنا ہے کہ اس مردِ کامل کی شانِ امر کیسے تفریط و افراط کو گھیرے ہوئے تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑے سے بڑے مقام تک کی تمام صلاحیتیں احباب میں ودیعت کرنے پر قدرت بھی رکھتے تھے۔

وابستگی قرآن

سمرندہ بن پنجاب میں آپ طریقت سہروردیہ کے مجاہد ہیں۔ آپ ہی کے دم قدم سے اس سلسلہ کا ازہ سمرندہ آغاز ہوا۔ مختلف سلسلوں کے طریق ذکر و عبادات میں امتیازات کا "تبلیغ اسلام اور صوفیائے کرام کے تحت اپنی کتاب الفقر فخری" ہیں تحریر فرماتے ہیں۔ اس طریق سہروردیہ میں سانس بند کر کے اللہ ہو کا ورد کرنے کا بڑا رواج ہے۔ اس سلسلہ سے منسلک ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں کے قائل ہیں۔ سماع سے اعتداعی برتتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن پر خاص طور پر زور دیتے ہیں۔ ایک اور جگہ اسی کتاب "الفقر فخری" میں اسباق سلسلہ کے تحت تلاوت قرآن کو ہی مقدم رکھا ہے۔ اور اسے اس طریقت کا امتیازی نشان بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے کہ احباب کو قبلہ حضرت صاحب اور قرآن سے وابستگی کے تحت اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر آگاہ کروں۔ احباب کی خدمت میں مندرجہ ذیل دو احادیث شریفہ نقل کرتا ہوں تاکہ فضیلت کلامِ حقیقتِ امر واضح ہو جائے۔ حدیث نمبر ۱: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ليقول الرب تبارک وتعالی من شغل القرآن عن ذکری و مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطى السائلین۔ و افضل کلام اللہ علی سائر کلام کفضل اللہ علی خلقہ۔ دواۃ

ترمذی و دادمی و بیہقی فی شعب الایمان - ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتا ہے پروردگار برکت والا اور بلند جس کو باز رکھے قرآن میری یاد سے اور مانگنے میرے سے تو دیتا ہوں اس کو بہتر اس چیز سے کہ دیتا ہوں مانگنے والوں کو۔ اور بزرگی کلام الہی کی تمام کاموں پر ایسی ہے جیسے بزرگی اور بہتری اللہ عزوجل کی اس کی تمام مخلوق پر اللہ اکبر ذرا لفظ "عن ذکری" میں گم ہو کر دیکھو۔

ترجمہ حدیث نمبر ۱۲: روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "تلاوت قرآن فی الصلوٰۃ افضل ہے تلاوت غیر الصلوٰۃ کے اور پڑھنا اس کا غیر الصلوٰۃ افضل ہے۔ تسبیحات و تکبیرات سے اور پڑھنا تسبیحات کا بہتر ہے۔ خیرات و صدقات سے اور خیرات و صدقات بہتر ہیں روزہ سے۔ اور روزہ ڈھال ہے آگ و دوزخ کی سے۔" ان دونوں حدیثوں کی تشریح شرح مشکوٰۃ مظاہر الحق میں ملاحظہ فرمائیں حقیقت امر کا قرآن صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم اور صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن یہ فرق قلندر رحمۃ اللہ علیہ احباب کو معلوم ہو گا۔ کہ آپ بیٹھا کہ جس تخت پوش پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس جگہ کے اوپر دیوار کے ساتھ کوئی دو مرتبہ ایک بلوری سنہری چو کھٹہ آویزاں تھا جس میں سارا قرآن الحمد سے والناس تک لکھا ہوا تھا۔ یہ بار ایک عکسی خط مصری سنہری مائل کاغذ پر مجھے ایسا معلوم ہوا کرتا جیسے کہ ایک گہرے سمندر کا پانی۔ فن کار کی شوخی نے ہر سورت کا شروع سرخ رنگ کی چھوٹی سے مستطیل سے کیا ہوا تھا اور ایسی ۱۴ سرخ مستطیلیں اس ہرے گہرے سمندر میں کشتیوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ بہت ہی بار یک ہونے کے باعث اس تحریر کو بغیر خوردبین کی مدد کے پڑھنا محال تھا۔ خیر نظرارہ سے ہی شوخی تحریر ٹپکتی تھی۔ سارے کمرہ میں سوائے اس چو کھٹے کے کوئی اور جگہ کھٹا نہ تھا۔ اور اسی منقش قرآن کے نیچے

محکم قرآن جلوہ فگن تھا۔ جو اس کا غز پر نقش تھا۔ وہ اس ہستی میں عیاں بخبرہ
 شاہد ہے کہ صاحب خانہ کا مزاج، اس کے اطوار و اخلاق اور اس کی پسندگی
 اس کے ڈرائینگ روم سے ہی پھانپ لی جاتی ہے جس قماش کا آدمی ہو اس
 انداز کا ظہور اس کے کمرہ میں پایا جائے گا۔ کمرے کا معیار آرائش صاحب خانہ
 کی طبیعت کے رجحان کا عموماً آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کے کتب خانہ میں
 قرآن مجید کی تفاسیر کے علاوہ مختلف سائز کے بہت سے نسخہ جات موجود تھے
 میرے شوق کے پیش نظر آپ نے ایک بہت ہی عمدہ چھوٹے سائز کا نسخہ
 مجھے عطا فرمایا۔ جو ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ کی نظر فیض اثر سے
 مجھے کلام پاک کا شوق ہوا۔ آپ کے فرمان کے مطابق میں کوئی سورۃ حفظ یاد
 کر لیتا۔ اور آپ کو سنا دیتا۔ آپ مجھے کوئی دوسری سورۃ حفظ یاد کرنے کا
 حکم دیتے۔ کوئی ہفتہ عشرہ بعد وہ بھی حفظ کر کے سنا دیتا۔ کافی عرصہ ایسے
 ہی گزرتا رہا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں نے حفظ کردہ سورۃ سنائی اور کسی
 دوسری سورۃ کے لیے اجازت مانگی تو فرمانے لگے۔ کہ کیا اچھا ہو اگر تم شروع
 سے ہی حفظ کرنا شروع کر دو۔ اللہ عزوجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اللہ
 آپ کی مدد فرمائے۔ یہ کوئی سنہ ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہو گا۔ اس وقت سے حسب ارشاد
 حفظ کرنا شروع کیا ہوا ہے۔ تقریباً ایک تہائی سمندر پار کرچکا ہوں۔ حافظ
 کہلانے کا شوق نہیں ہاں یوم الدین میں زمرہ حفاظ میں سے شمار ہونے کی تمنا
 ہے جس کے پورے ہونے کی سند صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے
 مل چکی ہے کہ جو کوئی قرآن حفظ یاد کرتا۔ انتقال کر جائے۔ تو اللہ عزوجل اس
 کو قیامت کے روز گروہ حفاظ میں سے اٹھائے گا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ
 قرآن پاک کے پڑھتے یا سنتے وقت آدمی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس ماحول
 میں لے جائے جس ماحول میں آیات کا نزول ہوا ہو۔ احباب ذرا ان الفاظ پر
 غور فرمائیں کہ کونسی زبان ان الفاظ کو اپنے پر لانے کی جرأت کر سکتی ہے

سوائے اس کے جو صورتِ امرِ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔ میں نے اکثر یہ کیفیات آپ کے چہرہ انور پر مشاہدہ کیں جب آپ کبھی کسی میلاد شریف میں یا کسی ختم شریف میں شرکت فرما ہوتے اور اپنے چہرہ کا ایک پارہ اپنے سامنے رکھ کر آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کرتے۔ آپ کے ساتھ ساتھ بیٹھنے والے دوست آپ کے چہرہ اقدس سے پہچان جاتے کہ آیت وعدہ کی ہے یا وعید کی کوئی امر بالمعروف ہے یا نہی عن المنکر اسی مجلس میں اگر کسی آیت کے مفہوم کو کسی پاس والے دوست کو بتانا مقصود ہوتا تو بڑے اعلیٰ انداز سے اسے پڑھتے پڑھتے اپنے قریب آنے کا اشارہ فرماتے اور اس آیت پر انگشت مبارک رکھ اس کے معانی آہستگی سے اسے بتاتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کسی ختم شریف پر ہم چند دوست ایک دوست کے ہاں گئے۔ قبلہ حضرت صاحبِ ساتھ تھے۔ پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بڑے صاحبزادے داہنی جانب بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ اور آپ کی بائیں جانب میں بھی تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو اشارہ سے قریب کیا۔ اور سورۃ المائدہ میں بیان آتا ہے "وہم لا یفقیہون" اس پر انگلی رکھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت سے فقہ کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسے ہزاروں نکات ہیں جو آپ نے مجھے سکھائے اگر میں ایک ایک کر کے انکو تفصیلاً بیان کرنے لگوں۔ تو یہ ایک علیحدہ کتاب بن جائے۔ اس کتابچہ میں صرف آپ کا حال پیش نظر ہے۔ اس لیے صرف چند آیات کے معنی جیسے ماحول میں ظاہر کئے گئے۔ عرض کرتا ہوں۔ آپ ایک شام اپنی بیٹھک کے دروازہ سے باہر گلی میں کھڑے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک دو اور دوست بھی تھے۔ دیکھا کہ گلی میں سے آپ کی بھینس دوسرے مکان سے جہاں وہ بندھی ہوئی تھی۔ زنجیر توڑ کر بھاگی چلی آرہی ہے۔ اس کی تندگی کے پیش نظر قبلہ حضرت صاحبِ جھٹ گھبرا کر اندر کمرہ میں داخل ہو گئے اور ہمیں بھی اندر آنے کو فرمایا۔ خیر بھینس کو تو کسی نے سنبھالا۔ لیکن میرے دل

میں فوراً وسوسہ پیدا ہوا کہ اس مرد کی گھبراہٹ اور اندر داخل ہونا خوف سے خالی نہیں۔ اُدھر کلام پاک میں اُن کے لیے لاخوف علیہم ولا هم یحزنون آیا ہے میں نیا نیا سلسلہ میں داخل ہوا تھا۔ اور کلام پاک کے مطالعہ سے بھی ابھی پوری طرح واقفیت نہ تھی۔ یہ بھی جرأت نہ تھی کہ قبلہ حضرت صاحب کے روبرو اس آیت کے معانی پوچھ سکوں۔ خیر یہی وسوسہ دل میں لئے کہ اگر یہ مرد ولی اللہ ہوتا تو اس طرح بھینس سے ڈر کر اندر داخل نہ ہوتا۔ گھر واپس آیا۔ رات کو مجھے خواب میں کلام پاک میں سے ایک آیت جلی حروف میں لکھی ہوئی کہ الیوم لاخوف علیکم ولا انتحزنون دکھائی گئی۔ اور جس پارہ اور سورت میں یہ آیت تھی۔ وہ بھی ظاہر کیا گیا۔ صبح میں نے کلام پاک کھول کر یہ آیت نکالی اس کی تفسیر بھی پڑھی تو معلوم ہوا کہ لاخوف علیہم ولا هم یحزنون کا اطلاق اگلے جہان میں ہے نہ کہ یہاں اس طرح ایک تفسیر کی عبارت جو لاہور کے نکتہ وروں سے حل نہ ہو سکی۔ آپ نے مجھے خواب میں بتائی۔ آپ کی ظاہری حیات طیبہ کے بعد تفسیر دُنیوی میرے زیر مطالعہ تھی۔ اس تفسیر کا اردو بڑا جامع اور دقیق ہے۔ ایک دن سورہ یسین شریف پر جب پہنچا تو صاحب تفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ یسین کے تحت لکھا کہ "یا حرف ندا ہے۔ اور کسی صورتِ امر کا خطاب ہے یہ اس لئے کہ یہ حرف نس اپنے میں سویتِ اعتدالیّت رکھتا ہے کہ درمیانِ زبر اور بیاناتِ اسکی کے موافقت اور برابری ہے۔ جو کسی اور حرف میں نہیں پائی جاتی۔ لہذا مختص بجنور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔" معنوں پر غور کیا۔ لیکن کچھ حائل نہ ہوا دوستوں سے پوچھا لیکن کوئی نہ بتا سکا۔ آخر علمائے کرام کی طرف رجوع کیا بلکہ یہ عقیدہ کے بڑے عالم کو یہ عبارت لکھ کر بھیجی لیکن کسی طرف تسلی بخش جواب ملا۔ کسی نے کہا عبارت ہی غلط ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ حرف "س" بھالی ہے۔ جلالی نہیں۔ کسی نے کچھ کسی نے کچھ۔ ایک بڑا عالم لکھا کہ یہ زبر بیاناتِ صرف

کی اصطلاحات ہیں۔ لیکن کچھ پتے نہ پڑا۔ نہ زبر و بیئات کی تفسیر آئے نہ کوئی حل نکلے۔ زبر و بیئات کے نرے معنے کچھ کام نہ دیں۔ اس چکر میں کوئی چار چھ ماہ گزر گئے۔ ایک اتوار روضہ اقدس حسب معمول حاضری کے لیے گیا۔ وہاں یہ مہتمم بھی پیش کر دیا۔ رات خواب میں دیکھا کہ قبلہ حضرت صاحب تشریف فرما ہیں اور ایک تختہ سیاہ پر مجھے حرف "و" لکھنے کو فرمایا۔ ایک چاک کا ٹکڑا بھی آپ نے خود ہی جیب مبارک سے نکال کر دیا۔ فرمایا کہ اس حرف "و" کے سامنے "زبر" لکھ دو۔ پھر فرمایا کہ "الف" ایسے لکھو اور اس کے سامنے بیئات لکھ دو یعنی

و = زبر

الف۔ بیئات

میری آنکھ کھل گئی۔ میں خوشی سے بھولا نہ سمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ "س" ہی ایک ایسا حرف ہے جو زبر و بیئات میں موافقت اور برابری رکھتا ہے۔ کسی اور حرف کو یہ شرف حاصل نہیں۔ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص اس لیے کہ آپ بھی ظاہری و باطنی ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں آپ کے اوامر و نواہی کی پابندی سب کے لیے یکساں ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ عز و جل نے اپنی کائنات میں سے کسی شے کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھایا۔ سوائے اپنے کلام پاک کے۔ اس کی طرف سے یہ ذکر اُترا اور وہی اس کا محافظ ہے۔ پس یاد رکھو کہ جو چیز محافظت میں رکھی گئی ہو۔ اسکی وابستگی سے بھی حفاظت لازم آئے گی "نحن نزله ذکر و انا له لحاظون" والی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر کرتے آپ ایک بڑی مزیدار کہانی بیان فرمایا کرتے تھے۔ جنگ عظیم کے ایام تھے۔ سیالکوٹ چھاؤنی سے دو پاکستانی آزاد قبائل کے پٹھان ایک ہندو میجر دگیل کو پکڑ کر اپنے علاقہ کی جانب اٹھالے گئے۔ سرحد پار کرنے کے بعد اس میجر صاحب کو ایک گدھے پر بٹھا

دیا اور دونوں پٹھان گدھے کے دونوں طرف ساتھ ساتھ چلے۔ ادھر اس
 میجر کی حراست کی خبر بذریعہ دائر لیس ہیڈ کوارٹر ز دہلی پہنچائی گئی۔ وہاں
 سے ایک مسلح ہوائی جہاز میجر صاحب کے لیے حسب نشانہ ہی روانہ ہوا
 جہاز کے کپتان نے دیکھا کہ ایک لق و دق میدان میں سے دو پٹھان میجر
 صاحب کو گدھے پر سوار لیے جا رہے ہیں۔ پٹھانوں نے بھی جب ہوائی
 جہاز کو اپنے اوپر منڈلاتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ دشمن ہمیں گولی کا نشانہ بنانے
 والا ہے۔ فوراً گدھے کے ساتھ دونوں طرف چھوٹ گئے اور اس طرح
 چھوٹے کہ گدھے کو بھی ہانکتے گئے۔ جہاز کا کپتان اگر گولی چلائے تو میجر و گھل بھی
 ساتھ جائے کیوں کہ میجر صاحب کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے اس
 کے ساتھ والے گدھے اور گدھے کے ساتھ والے پٹھانوں کی بھی جانیں
 محفوظ ہو گئیں۔ میجر صاحب کو لڑائی منہم ہوتے کے بعد زکثیر بطور جاں بہا
 دے کر واپس لیا گیا۔ اسی طرح آیت لا امنتون والا امنتون مسلمون کی تفسیر
 بیان فرماتے آپ اس مجذوب کا واقعہ ضرور دہرا تے جس نے آپ کے
 ساتھ ہی اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں کچھ عرصہ گزارا تھا
 ایک دن طلباء نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی میں اس مجذوب
 کو کہا کہ اس آیت مبارکہ لا امنتون والا امنتون۔ الخ کی تفسیر بیان فرمائیے۔ کہ یہ کیسے
 لازم ہے کہ ایک آدمی کو موت آئے اور وہ اس وقت ضروری طور پر مسلمان
 ہی ہو۔ مجذوب صاحب نے پہلے تو ٹالا لیکن لڑکوں کے اصرار پر وہ رضا مند
 ہو گیا۔ کہنے لگا کہ دل چاہتا تھا۔ کہ کچھ دن اور جیٹیں لیکن یہ چھو کر سے زندگی
 کے دن پورے کرنے نہیں دیتے۔ اچھا میرے لیے پانی لاؤ۔ تاکہ وضو کر لوں
 وہ مجذوب صاحب وضو کر کے لیٹ گئے اور لڑکوں کو کہا کہ میرے اوپر
 ایک چادر اوڑھا دیں۔ بعد میں تفسیر بتاؤں گا۔ حسب ہدایت لڑکوں
 نے اس مجذوب صاحب پر کپڑا اوڑھا۔ اور اس انتظار میں تھے کہ اب

کچھ بیان فرمایاں گے۔ لیکن چند ساعت تک جب وہ نہ بولے تو آپ کے چہرہ سے چادر سر کاٹی۔ دیکھا کہ آپ کی روح نفسِ عنفری سے پرواز کر چکی ہے۔ چہرہ پر مسکراہٹ تھی۔ ہم سب کے سب حیران تھے۔ کسی نے قبلہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خبر کر دی۔ جب آپ تشریف لائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ یہ مجذوب آپ کو آیتِ ولا تموتن الا وانتم مسلحون کی عملی تفسیر بتا گیا ہے جو آپ کو کبھی نہیں بھولے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ موت و حیات قبلیہ تخلیق سے ہیں اور ان میں سب سے افضل و اشرف حضرت انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باعث باقی تمام خلقت پر حاوی ہے اور اس میں موت و حیات بھی شامل ہے۔ یہ جب چاہے مر جائے۔ اور جب چاہے جی اٹھے۔ بسندھ کے علاقہ میں ایک مجذوب کا واقعہ بیان فرمایا کہ جب وہ مجذوب انتقال کر گیا۔ اسے ایک چار پائی پر لٹایا ہوا تھا۔ اور وہاں کے چند لوگ اس گے گرد بیٹھے کچھ دفن و تدفین کا بندوبست کر رہے تھے۔ کہ ایک مائی بڑھیا عورت پاس سے گزری۔ پوچھا کہ کون مر گیا ہے جواب ملا کہ فلاں مست۔ بولی کہ مست صاحب آدمی تو اچھے تھے لیکن مرنے کا دن منگل لیا ہے اور یہ منگل کا دن کوئی اچھا شگون پیش نہیں کرتا اس بڑھیا عورت کا یہ کہنا ہی تھا۔ کہ مست صاحب چار پائی سے اٹھ بیٹھے فرمانے لگے کہ مائی صاحبہ کو نسا دن اچھا ہوتا ہے۔ ان کے اٹھ بیٹھنے سے خوف تو لازمی تھا۔ ڈرتی ہوئی بچاری بڑھیا بولی کہ جمہرات کا دن اچھا ہوتا ہے۔ فرمانے لگے کہ اچھا اب جمہرات کو ہی مریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بدھ کا دن اور جئے اور جمہرات کو چل بسے اور ولا تموتن الا وانتم مسلحون کی تصدیق کر گئے۔ آپ کی صحبت فیض یاب ہوتے ہوئے کسی تفسیر کے مطالعہ کی ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن میری لاعلمی کے پیش نظر

آپ نے تفسیر "مواعظ الرحمن" کی تمام جلدیں اپنے کتب خانہ سے نکالیں اور مجھے ایک ایک کر کے مطالعہ کرتے کا ارشاد فرمایا۔ میں نے یہ ساری تفسیر تقریباً پانچ سال میں آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں ہی ختم کی جو حقائق مجھے اس تفسیر کے مطالعہ میں پیش آنے قبل حضرت صاحب سے انکا حل حاصل کرتا۔ آپ ایسے ایسے نکات بیان فرماتے جو کسی تفسیر میں بھی نہ پائے جاتے۔ آپ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ یوسف صاحب اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا بخشا ہے۔ زورِ قلم بھی عطاء کیا ہوا ہے۔ دل چاہتا ہے۔ کہ آپ دوستوں کی ملازمت وغیرہ چھڑائی جائے۔ اور کسی کھلی فضا میں علیحدہ ہو کر حقیقت امر کے کلام کا ترجمہ اور تفسیر لکھی جائے۔ اللہ عز و جل کے فضل و کرم سے ترجمہ اگر اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے افضل نہیں تو بفضلہ تعالیٰ کسی درجہ کم بھی نہیں ہوگا۔ صاحب امر بغیر دیکھے نہیں کہتا۔ آپ کو کھلی فضا بل چکی ہے۔ ذہن رسا اور زورِ قلم دیکھیں کس کو بخشا جاتا ہے۔ اور یہ تفسیر والا کام کس سے اور کب لیا جاتا ہے۔ آپ کے زیر سرپرستی انشا اللہ یہ کام ہونا ہی ہونا ہے۔ قید اوقات صرف ہمارے لیے ہے یہ اولی الامر حضرات ایسی پابند یوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ آپ دوستوں کی درخواست پر ہر ایک کی طبیعت کے موافق کلام پاک سے کوئی آیت یا سورۃ بطور ورد۔ وظیفہ یا چلہ پڑھنے کو فرماتے اور ساتھ ساتھ ایسے وظائف کی تکمیل تک آپ اس دوست کی خاص نگہبانی رکھتے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے شوق ظاہر کیا کہ کوئی چلہ کاٹوں آپ نے مجھے سورۃ مزمل تشریف کچھ ایسے تکرار سے پڑھنے کو فرمایا کہ سجدہ کا ایک شمارہ کوئی آدھ پون گھنٹہ لے جاتا۔ مجھے ایسے شمارے گیارہ کرنے تھے۔ اور

مفسر کردہ وقت نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کے درمیان تھا۔ میعاد
چلے کشتی وہی اکتالیس روز تھے۔ آپ کا ارشاد ترکیب سن رہا
تھا۔ کہ کیوں ایسی درخواست پیش کی۔ نہ کرتا نہ مشقت میں پڑتا
آپ نے فرمایا گھبرائیے نہیں چند روز تک رمضان المبارک
شروع ہونے والا ہے۔ فجر سے پہلے سحری کے لیے تو جاگنا
ہی ہے۔ ذرا کچھ وقت اور پہلے بستر چھوڑ دینا۔ تیس دن یہ تو بڑی
آسانی سے گزر جائیں گے۔ رہ گئے باقی۔ گیارہ دن اللہ عزوجل کی مدد
سے وہ بھی پورے ہو جائیں گے۔ فکر مت کریں۔ کمر باندھیں اور اس
چلے کے لیے طیار ہو جائیں۔ جب یہ چلے پورا کر لیں تو روزانہ ایسے
ہی تکرار کے ساتھ کسی معینہ وقت پر اس سورۃ شریف کو پڑھ لیا
کریں۔ دین و دنیا کی بہتریاں پاؤ گے۔ چلے کشتی کے متعلق فرمایا
کرتے تھے کہ یہ صورتِ اموصلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غارِ حرا
والی ادا کی تقلید ہے۔ تہذیبِ نو کے راندے ہوئے جو ایسے طریق
عبادت سے چڑتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ آپ اپنی اولاد کو
عمر کے ایک حصہ تک اعلیٰ تعلیمی معیار دیتے ہیں۔ اور اس دوران
تعلیم میں آپ ان سے کوئی ایسی توقع رکھتے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہے
کہ ان کا زمانہ تعلیم کسی دنیاوی اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لیے
ہے۔ جہاں پہنچ کر یہ ہمیں اور اپنے آپ کو بھی نفع پہنچا سکیں گے دنیاوی
منصب کے لیے اگر ان کے بچے بیس پچیس سال بغیر کمائے گزار دیں
تو ٹھیک ہے۔ اگر کوئی راہِ د اپنے پیدا کرنے والے خالق کی معرفت
میں چند محدود ایام تنہائی میں گزارے تو اس پر آوازے کئے شروع
کریں :-

ع۔ بیاہر
بریں عقل و دانش بیاہر گریست

بچہ اپنی اولاد سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی آپ

آپ کلام پاک کی سیاہی اور اوراق کو لباسِ قرآن کا تام
 دیتے۔ اور ان اوراق و سیاہی میں جو حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ انہیں قرآن
 کہتے۔ کلامِ حقیقتِ امر کے تحت میں نے اسی کتابِ اجتماعِ صدیق کے پہلے
 حصہ میں جو نکات بیان کئے ہیں۔ وہ سب کے سب قلمِ حضرت صاحبِ
 کی ہی نظرِ فیض اثر کا صدقہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ افسوس ہے
 اس شخص کی دانش پر جو رقعہ کی تو تصدیق کرے اور رقعہ لانے والے
 پر شک رکھے۔ اس کے ذکر کو مکروہ جانے۔ اس کی فصل کاٹنے کے
 درپے رہے۔ اور اسی رقعہ میں سے اس کے عیوب ڈھونڈھنے میں
 لگا رہے۔ یہ عجب نہیں تو اور کیا کہ ایک محب اپنے محبوب کو پیغام
 دے۔ اور اس پیغام میں اپنے محبوب کی ہی تنقید کرے۔ عیاذاً باللہ
 یہ اپنی عقل کے گز سے نبوت کی پنہائیوں کو ناپنے والے خاوحی الی
 عبدہ ما اوحی کی شان رکھنے والے کو کیا سمجھ سکیں۔



مشغلہ تعویذات

صاحبِ امر حضرات صاحبِ جذب ہوتے ہیں اور یہ توفیقِ رفیقِ حقیقتِ امر کی طرف سے انہیں کو عطا ہوتی ہے جو اس امانت کو کما حقاً نبھا سکیں۔ احبابِ بخوبی واقف ہوں گے کہ یہ مردِ واحد رازِ حقیقتِ امر سنبھالے ہوئے ہزاروں دوستوں کے رازوں کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ کوئی دوست دعوتے سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے دوست کا تعلق قبلہ حضرت صاحب سے کیسا تھا اسے کیا سبق دیا گیا۔ اسے کیسے اس راہ پر لایا گیا اور چلا یا گیا۔ جیسے طبیعتوں میں اختلاف ایسے سے قبلہ حضرت صاحب کے ساتھ تعلق میں اختلاف میں نے علیحدہ علیحدہ احباب کی کہانیاں سنیں۔ ہر ایک کو یہی کہتے پایا۔ کہ میری طبیعت کا فلاں فلاں رجحان قبلہ حضرت صاحب کی طبیعت سے موافقت و برابری رکھتا تھا۔ اس لئے قبلہ حضرت صاحب مجھے زیادہ محبوب تھے اور ان کو میں زیادہ پسند تھا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ قبلہ حضرت صاحب سرتاجِ اولی الامر حضرت تھے۔ مخلوق کی طبائع کے جامعہ لیکن سب سے الگ۔ میں اس جذب والی صلاحیت سے بالکل کورا تھا۔ آپ اکثر اوقات مجھے اس کمزوری سے آگاہ کرتے۔ فرماتے خبر نہیں کہ تیرے پیٹ میں کوئی بات کیوں نہیں پختی۔ آپ کا معمول تھا کہ جب صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لاتے۔ تو دوپہر تک آپ خلقِ خدا کی حاجت روائی فرماتے۔ مردِ وزن اپنی اپنی غرض لئے حاضر ہوتے۔ آپ نے تعویذات کا شغل بھی رکھا ہوا تھا۔ کسی کو جب تعویذ عنایت فرماتے اگر وہ پوچھ لیتا کہ قبلہ

پر مہیز وغیرہ تو نہیں ہے تو خوش طبعی کے تحت فرماتے کہ کھانا کھانا
 نہیں اور لباس پہنتا نہیں۔ اگر کوئی عورت تعویذ سے کر پوچھتی کہ کتنے
 پیسے دوں تو فرماتے کہ کبھی مانگ کر لیا نہیں یا کسی سے بے تکلفی کی بنا پر
 فرمادیتے کہ حج کے پیسے نکال دیجئے تاکہ یہ فریضہ ادا کر لیں۔ عورتیں
 طرح طرح کے سوالات کرتیں آپ ہر ایک کو ان کے مزاج کے مطابق
 جواب دیتے۔ اگر کوئی عورت کہتی یہ میرا بچہ بڑا شرارتی ہے بچہ
 نہیں رہ سکتا تو فرماتے کہ بندر اور بچہ دونوں شرارتی ہوتے ہیں وہ عورت
 کچھ کھسیانی سی ہو جاتی۔ اگر کوئی عورت تعویذ وغیرہ سنبھال کر فریضہ دعا
 کے لئے کہتی تو فرماتے کہ بس یہی دعا اور یہی بددعا ہے جیسے بتایا گیا ہے
 جاکر عمل کرو۔ زیادہ وقت ضائع نہ کرو۔ ایک دن ایک میاں بیوی
 اپنے ایک تین چار ماہ کے کمزور بچے کو لیکر حاضر خدمت ہوئے اور
 تعویذ کی درخواست کی آپ نے انہیں تعویذ دے کر فرمایا کہ بچہ کی حالت
 پر آپ خود بھی رحم کریں تاکہ اس کی صحت بحال رہے۔ مجھے یاد ہے کہ موصنع
 سمسانی یا منجر وال سے ایک بہت بوڑھی گوالن جو شہر میں اُپلے بیچنے کے
 لئے آیا کرتی تھی وہ اکثر اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر خالی ٹوکروں سے قبل
 حضرت صاحب کی خدمت میں آجایا کرتی۔ ٹوکروں ایک طرف رکھ دیتی اور
 تحت پوش کے سامنے وہ بڑھیا فرش پر ہی بیٹھ جاتی۔ اور اپنے اوزار بند
 سے نقدی کھولتے قبلہ حضرت صاحب سے دسے مولوی، کا خطاب دیتی بہت
 سے تعویذات کی درخواست کرتی۔ قبلہ حضرت صاحب سے اماں جی کہتے
 اور اس کی لڑکی۔ اس کی بہو۔ اس کے بیٹے اور اس کے خاوند کو علیحدہ علیحدہ
 تعویذ دیتے وہ بھی علیحدہ علیحدہ ان تعویذوں کو باندھ لیتی۔ آپ فرمایا
 کرتے کہ اس اماں کا اخلاص سے دسے مولوی، کہہ کر پکارنا آپ کے ان خطابات
 سے جو تصنع و بناوٹ کی آمیزش لئے ہوتے ہیں کہیں بہتر ہے بارہ ایک بچے

دوپہر تک میز فروٹ وغیرہ کے تذرانوں سے لدی ہوتی۔ بشیر کو فرماتے کہ اوپر سے جاؤ۔ تخت پوش سے نقدی اکٹھی کر کے ٹوپی میں ڈال لیتے مسکراتے اور مجھے فرماتے کہ اب دوکان بند کر لیں۔ کھانے کا وقت ہوتا تو اوپر سے پیغام آجاتا۔ کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے اور شام کو دوبارہ محفل ہوتی جو نماز عشاء تک رہتی۔ روزہ کے معمول سے ایک عام انسان جو آپ کا اندازہ لگائے تو کیا حاصل کرے۔ تعویذات میں نہ کوئی درویشی پوشیدہ ہے۔ اور نہ ہی یہ درویش کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کو تعویذ دے خود فرمایا کرتے تھے کہ تعویذات میں تعویذ دینے والے کی کیفیت کام کرتی ہے۔ نہ کہ سیاہی۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک روز آپ اپنے خادم اور گدھے کے ساتھ کسی قریب کی مسجد میں ٹھہرے۔ ساری رات نہ کوئی مسجد میں آیا اور نہ کسی نے کھانے کا پوچھا۔ علی الصبح خادم نے کسی چوہدری کے گھر صدا دی تو سخت جواب ملا اور معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب کی عورت دروزہ میں مبتلا ہے۔ دو چار روز سے کراہی ہے بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ خادم نے اپنے قبلہ پیر و مرشد کا بتایا کہ رات کے مسجد میں آئے ہوئے ہیں چوہدری صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ ساتھ ہی پر تکلف کھانے حضرت صاحب کے لئے اور ہر چارہ گدھے کے لئے بھی لے گئے۔ آپ نے اور خادم نے کھانا کھایا۔ گدھے کو بھی چارہ ڈالا۔ اور خوشی میں یہ لکھا۔

سے مراجعہ شد خرم و انیز جاشد

زن دہقان بزائد یا نہ زاید

اور اس چوہدری کو دیا کہ اپنی عورت کی بائیں ران پر یہ کاغذ کا ٹکڑا کسی کپڑے میں لپیٹ کر باندھ دیں۔ چنانچہ حسب ارشاد عمل کیا بچہ پیدا

ہو گیا اور آپ کی کیفیت کا وہ زور تھا کہ اب تک یہ شعر لکھ کر اگر کسی
وروزہ والی عورت کو باندھا جائے انتشار اللہ تکلیف کم پائے۔ فرمایا
کرتے تھے کہ بنفشہ۔ یہی دانہ میں تو اثر ہو اور کلام پاک میں اثر نہ ہو یہ
کہاں کا فلسفہ ہے۔

مزارت اولیاء کرام

بچے آپ کی معیت میں مزارت اولیاء کرام پر حاضری کا شرف
بھی حاصل ہوا۔ قبلہ حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف
والوں کی حاضری کا ذکر کہیں پیچھے لکھ چکا ہوں۔ سالانہ عرس شریف کے
موقعہ پر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کی حاضری بھی آپ کی
معیّت میں نصیب ہوتی۔ عرس کے دن شروع تھے۔ کسی دوست
نے آکر کہا کہ قبلہ داتا صاحب کی حاضری کے لئے کس وقت جانا ہے تو
فرمایا کہ جب پیغام آئے گا چلے جائیں گے۔ بن بلائے کسی کے پاس جانا
اچھا نہیں ہوتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند
خصوصی مہمان جن کی گنتی بمشکل چھ تک ہوتی ہے اس عرس شریف پر آئے
ہوئے ہوتے ہیں حسب ارشاد داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی دیکھ
بھال کرنی ہوتی ہے جس کے لئے جانا پڑتا ہے۔ باقی مخلوق سب طفیلی
ہوتی ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ داتا صاحب کی حاضری پر
اللہ عز و جل سے یہ کیوں نہیں مانگتے کہ جیسے یہ مرد کامل پیدا کیا ہے ایسا
ہمیں بھی بنا دے۔ سبحان اللہ آپ کی علو مرتبت۔ ہم دوستوں کو
تقریباً ہر مزار پر جہاں مراقبانہ حالت میں بیٹھاتے تو یہی فرماتے کہ اگر
کوئی کشف ہوا تو اللہ سے اللہ ہی مانگنا۔ دنیا کی طرف نہ آنا۔ دنیا

سب کی سب جھونگے میں ہی آجاتی ہے۔ داتا صاحب سے آپ
 کے گہرے تعلق تھے۔ ایک روز ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ کہنے
 لگا کہ رات مجھے داتا صاحب خواب میں ملے ہیں اور انہوں نے میری
 اصلاح کے لئے آپ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپ قبول فرمائیں۔ قومی
 کوئی چالاک منش تھا اور بزرگوں کی آزمائش اپنا معمول بنائے ہوئے تھا
 قبلہ حضرت صاحب نے جواب میں فرمایا۔ داتا صاحب نے اگر آپ
 کو آگاہی دی تھی تو قلعہ گوجر سنگھ کوئی دور نہیں تھا مجھے بھی یہاں فرما
 سکتے تھے کہ فلاں فلاں شخص بھیج رہا ہوں اسے نگاہ رکھیں۔ مجھے آپ
 کی بابت کچھ آگاہی نہیں لہذا تشریف واپس سے جائیں اور ایسی عادت
 سے باز آئیں۔ عرس شریف کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی آپ داتا
 صاحب کے مزار اقدس پر جاتے۔ عموماً آپ کا وقت عراس کے موقع
 پر مغرب و عصر کے درمیان ہوتا۔ سرانے کی جانب چند منٹ کے
 لئے تشریف فرما رہتے اور واپس آجاتے۔ عرس کے دنوں میں اب
 بھی وہ جگہ سہروردی احباب کے لئے مخصوص ہے اور اس کا اہتمام پہلے
 تو مرزا غلام محی الدین صاحب مرحوم کے سپرد تھا۔ اب ان کے چھوٹے بھائی
 مرزا غلام حسین صاحب یہ فرض انجام دے رہے ہیں و عابے کہ
 اللہ عزوجل تا ابد اسے بھانے کی توفیق اسی خاندان میں رکھے۔ آمین۔
 ایک دفعہ یوم صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقع پر آپ مرنگ
 (لاہور) کی کسی مسجد میں واعظ فرما رہے تھے رات بارہ ایک بجے واعظ
 شریف ختم ہونے پر واپس قلعہ گوجر سنگھ آئے میرے ساتھ چوہدری
 محمد مدین صاحب منیر و ہاڑی والے بھی تھے۔ آپ نے قلعہ پہنچنے
 پر فرمایا۔ کہ آپ دونو دھر میوڑہ جا کر کچھ آرام کر لو اور علی الصباح کوئی
 ٹانگہ وغیرہ لے کر واپس یہاں آجانا یہاں سے تینوں اکٹھے حضرت میا منیر

صاحب رحمۃ اللہ علیہ جانتیں گے۔ حسبِ ارشادِ ہم دونوں بھائی و بھریہ
گھر پہنچے۔ نیند وغیرہ تو نہ آئی فیصلہ کیا کہ ساتھ واسے ہمسایہ کو جس
کے پاس ٹانگہ ہے جگا دیں اور قلعہ پہنچیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ کوئی
دوڑھائی بچے قریب واپس قلعہ پہنچ گئے۔ ٹانگہ بازار میں کھڑا کیا اور
خود دونوں بچی سیڑھیاں چڑھتے جب مکان کے قریب پہنچے۔ ہم
نے دیکھا کہ بالا خانہ کی پتی چل رہی ہے۔ آپ نے ہماری آہٹ پاتے
ہی چہرہ انور کھڑکی سے باہر نکالا۔ فرمایا۔ اچھا ہم آ رہے ہیں۔ ہم حیران
تھے کہ آپ نے کب آرام کیا ہوگا۔ خیر ہم معیت حضرت صاحبِ ٹانگہ
پر سوار حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر آ گئے۔ حسبِ ارشاد
روشنی بند کی اور مراقبانہ حالت میں بیٹھ گئے۔ صبح کی افان ہونے پر
آپ اُٹھے اور میں بھی اُن کے ساتھ باہر آ گیا۔ آپ میاں میر صاحب
کے مزارِ شریف کے تحت والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے
ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا جو بدری صاحب کو بلا لاؤں تو فرمایا کہ
اسے رہنے دو۔ وہ خوب مزے لے رہا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ وہ
بڑے دروازہ سے جو آدمی باہر گزر رہا ہے۔ ہمارے ساتھ اندر بیٹھا
تھا اس نے قبلہ حضرت میاں میرؒ کے حضور کوئی روٹی کا مسئلہ پیش
کیا ہوا تھا۔ حضرت میاں میرؒ نے مجھے فرمایا تھا کہ اس کا آٹے والا کام
کر دیا گیا ہے۔ اسے اطلاع دے دیں آپ اس شخص کو حضرت
میاں میرؒ کی طرف سے یہ خوشخبری دے آؤ۔ ہمیں باہر آتے یہ یاد
نہیں رہا۔ میں بھاگا بھاگا اس شخص کے پاس پہنچا۔ میرے دریافت
کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی وہ ایک آٹے کی چٹکی کی درخواست کر رہا تھا
میں نے اسے خوشخبری دی کہ آپ کا کام بن گیا ہے۔ اُس نے وہ خوشی
میں اچھلنا شروع کر دیا۔ میں نے واپس آکر قبلہ حضرت صاحب سے

چوہدری محمد دین صاحب کی بد نظری کی شکایت کی اور عرض کیا کہ قبلہ یہ باز نہیں آتا کوئی ایسا ہاتھ پھیرو کہ اس کی شہوانی طاقت سب جذب ہو جائے آپ نے ایک عجب انداز سے سر مبارک پھیرا اور فرمایا کہ صورت امیر صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول سامنے لاؤ اور اس اصحابی و دوکاندار کی کچھوروں والی حدیث شریف یاد کرو۔ باوجودیکہ نوزنبوت کی شعاعیں جلوہ ریز تھیں۔ لیکن ایک غیر ارادی لغزش پھر بھی سرزد ہوئی۔ احساس زیاں کام آیا اور یہ شفقت نبوی قیامت تک کے لئے اس امت مرحومہ کے سارے غلاموں کو باعث استغاثہ ہوئی۔ جب آیہ مبارک نازل ہوئی۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ جان لو کہ احساس منزل کی سیڑھی ہوتی ہے۔ چوہدری صاحب کا احساس کہ وہ بڑے افعال کا مرتکب ہوتا ہے اور آپ کو اپنی اصلاح کے لئے سفارشیں لاتا ہے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی دن وہ ایسے افعال سے باز آجئے گا۔ ہم دونو تحت والی دیوار سے اوٹ لگائے آئے سامنے یہ گفتگو کر رہے تھے کہ چوہدری صاحب بھی اندر سے باہر آگئے نماز فجر وہیں ادا کی اور دوپہر تک قبلہ حضرت صاحب نے دھر پیورہ میں ہی میرے عزیز خانہ پر آرام فرمایا۔ یہ اتوار کا دن تھا سب سے پہلے مجھے آپ کی معیت میں جس مزار پاک کی حاضری کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت شاہ جمال سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ یہ آرام گاہ اچھرہ کے قریب نہر اور فیروز پور روڈ کے درمیان ایک اونچے دھڑے پر واقع ہے۔ قبلہ حضرت صاحب مرزا صاحب مرحوم اور میں تینوں سرشام وہاں پہنچے۔ آپ نے مجھے مراقبہ سکھایا۔ واپسی پر ہمارا ٹانگہ حضرت شاہ عنایت کے مزار اقدس سے گزرا۔ آپ نے اشارہ کرتے فرمایا کہ یہ آپ کی برادری کا مرد ہے حضرت بٹھے شاہ صاحب کا پیر۔ میں نے بٹھے شاہ صاحب کی طرز زندگی کوئی بات کہی۔ فرمانے لگے کہ لا تقربوا الصلوة وانت وسکرا۔

والی آیت کا ترجمہ یاد ہے۔ خود ہی فرمایا کہ جب دھالیں ڈالی جائیں تو عبادات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب خود ٹانگہ چلا رہے تھے یہ تفسیر سن کر بے خود ہو گئے اور سارا راستہ قلعہ گوجر سنگھ تک جھومتے ہی گئے۔

ایک دفعہ آپ کے ساتھ کسی کام کے لئے شاید رہ جانا تھا۔ واپسی پر فرمانے لگے کہ جہانگیر کے مقبرہ سے ہوتے جائیں۔ چند منٹ جہانگیر کی قبر پر مراقبہ کیا۔ فرمایا کہ میں نے جہانگیر کو دیکھا۔ ایک خوبصورت نوجوان مرد۔ موٹی موٹی سرنگیں آنکھیں جن میں آنسو ڈبڈب رہے تھے۔ میں نے اُس سے ایک سوال کیا کہ مرنے کے بعد کیسا پایا ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ واللہ غالب علی امر۔ ایک شام ابھی دفتر بند ہونے میں چند منٹ باقی تھے مجھے کسی نے پیغام دیا کہ باہر سڑک پر آپ کے قبلہ حضرت صاحب ٹانگہ میں تشریف فرما ہیں اور آپ کو بلا تے ہیں۔ میں جب چند دفتری دوستوں کے ساتھ باہر نکلا تو آپ ٹانگہ سے اتر کر فیکٹری کے بڑے دروازہ کی طرف آرہے تھے میں نے سلام عرض کیا۔ فرمانے لگے حضرت اسماعیل شاہ صاحب المروف ”وڈے میاں“ کے مزار پر حاضری کا ارادہ تھا۔ خیال کیا جاتی دفعہ راستہ میں آپ کو بھی ساتھ لے جائیں آپ کے ساتھ کوئی صاحب یابین قریشی کراچی سے کسی اپنے مطلب کے لئے آتے ہوئے تھے۔ ابھی ہم سڑک پر ٹانگہ تک نہیں پہنچے تھے کہ ایک مجذوبہ مانی جو روزانہ ان ورکشاپوں کے ارد گرد چکر کاٹتی دیکھی جاتی تھی ایک آدھ سیر گرم جلیبیاں کاغذ میں پیٹے ہوئی حاضر خدمت ہوئی۔ سلام عرض کیا اور وہ جلیبیاں پیش کیں۔ میں اور میرے ساتھ والے دفتر کے ساتھی حیران یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے نذرانہ قبول فرمایا اور ہمیں بانٹ دیا۔ اس دن کے

بعد ہم نے اس مجذوبہ مائی کو اس علاقہ میں نہ پایا مزار اقدس پر پہنچے
آپ نے اہل مزار کی مختصر سی زندگی کے حالات بیان فرمائے۔ یا مین
صاحب کا سوال بھی پیش کیا گیا جو حل ہوا اور اسے خوشخبری دی گئی۔
میں نے ایک ایک حاضری اختصار کے پیش نظر بیاں کی ہے تاکہ
قارئین کو علم اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق حظ اٹھا سکیں۔ آپ فرمایا کرتے
تھے کہ کسی اہل مزار کی حاضری سے پہلے موتو قبل انت موتو والی کیفیت
وارد کریں۔ جس کا مشاہدہ مطلوب ہو وہ مشہود کی صفات اپنے میں
لائے۔ دیکھا نہیں کہ ڈنگل وغیرہ دیکھنے کے لئے دور دور سے گاؤں
کے نوجوان لڑکیاں بنا کر نکلتے ہیں اور سارا راستہ شانے ہلاتے اور
چھلانگیں لگاتے اس ڈنگل تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کو دیکھا
ہوگا کہ جب انہیں کسی مرگ پر افسوس کے لئے کسی دوسرے گاؤں جانا ہوتا
ہے تو گاؤں کی حد آنے پر بین کرنے شروع کر دیتی ہیں۔ ان اہل اللہ نے
بھی انقطاع اسباب کیا ہوتا ہے۔ انکے ملنے کے لئے بھی تمام اسباب
سے انقطاع لازمی آتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اولی الامر حضرات
اپنے انتقال کے بعد اپنی آرمگاہ خود پسند فرماتے ہیں اور اپنے مزار
کی تعمیر وغیرہ بھی اپنی منشا کے مطابق کراتے ہیں۔ ہم نے اس ارشاد کی
تصدیق اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی۔ آپ کے ان ظاہری آنکھوں سے
پردہ فرمانے کے بعد پورے چار سال بلکہ اس سے بھی کچھ اوپر دوستوں
نے دیکھا ہوگا کہ آپ کا مزار پاک مسطح رہا۔ نہ کوئی خاص نشان قبر نہ کوئی
تعویذ قبر۔ ختم شریف میں مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات پڑھتے وقت
جب یہ مصرع۔

”بعد مردن قبر میری ہو مے کاخ“

سننا تو ہیں دل ہی دل میں سوچتا کہ نہ آپ کے مندرجہ بالا ارشاد کی

بجا اور ہی اور نہ ہی اس مصرع کی کوئی تکمیل ہو رہی ہے جگہ کا پسند فرماتا تو اس انتقال والے دن ہی ثابت ہو گیا تھا۔ جب قبرستان فی بی پاک و امن میں قبر کو لحد تک پہنچایا گیا۔ بلکہ کچھ اینٹیں بھی درست کی گئیں لیکن آپ نے کسی دوست کی زبان سے اس جگہ کو منسوخ فرمایا کھلی فضا ہنجر وال شریف کا اشارہ کر دیا۔ وہی اینٹیں ٹرک میں لا دھیں گئیں اور رات کے پہلے حصہ میں ہی جگہ بالکل طیارہ کر لی گئی۔ یہ تعمیر والا مسئلہ دلوں میں چکر کاٹ رہا تھا اور ہر دوست اس کے انتظار میں تھا کہ ”بعد مرون قبر میری ہو دے کا رخ“ کب پورا ہوگا۔ آخر ہم سب نے وہ بھی پورا ہوتے دیکھا اور انشاء اللہ قیامت تک یہ بے مثال روضہ اپنے حسن و کمال میں درجوں بلند ہوگا۔ اور بقول قبلہ حضرت صاحب ”گہوارہ محاسن“ بنے گا۔

مجھے آپ کی معیت میں آپ کے پیر و مرشد حضرت قبلہ بابا جی حیات گڑھی کے مزار انور پر حاضری دینے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء بروز بدھ وار ہوا قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے سالانہ عرس مبارک پر ہم کافی دوست قبلہ حضرت صاحب کی ہمراہ لاہور سے گجرات پہنچے وہاں سے ناشتہ وغیرہ کر کے کچھ پھل و مٹھائی خریدی اور دیہاتی ٹانگوں پر سوار موضع حیات گڑھ نزد جلال پور جٹاں قبل دوپہر پہنچ گئے۔ فروٹ و مٹھائی علیحدہ دو ٹوکروں میں رکھی گئی تھی تاکہ قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادوں کو برابر کا حصہ ملے۔ دوپہر کا کھانا آپ کے چھوٹے صاحب زاوے فضل الہی صاحب کے ہاں تھا۔ دیہات کے چند معزز حضرات بھی کھانے میں شامل تھے۔ ایک دلچسپ تعارف جو کھانا کھانے کے بعد اسی کمرے میں کرایا گیا وہ ہندوستان سے آئے ہوئے

ایک مہاجر سے تھا۔ یہ لکھنوی وضع کا ایک نوجوانی موچھیں بڑھائے ہوئے۔ دائرہ منڈھائے ہوئے۔ شیروانی زیب تن کئے ہوئے اور لال ٹوپی سر پر رکھے ہوئے حاضر خدمت جو ہوا تو کسی نے دیہات والوں میں سے کہا کہ قبلہ یہ ہمارے بڑے عالم و فاضل شاعر لکھنؤ سے آئے ہیں آپ کی زیارت کا شوق رکھتے ہیں۔ وہاں قبلہ باباجی کے مزار پر حاضری دیتے وقت یہ کچھ اپنا کلام بھی سنائیں گے بڑے فصیح و بلیغ شاعر ہیں۔ یہ صاحب کچھ ایسے نظر آ رہے تھے کہ اپنے خوشامدی الفاظ سن کر خوشی سے پھولے نہیں سمار رہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے آہستہ سے اپنے انداز میں فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ ”فی کل وادی یھیمون“ وہ صاحب پہلے ہی اپنے تعریفانہ الفاظ سُکر آپ سے باہر تھا۔ جب قبلہ حضرت صاحب کے یہ الفاظ سنے تو اس نے خیال کیا کہ شاید آپ نے بھی میری ہی تعریف میں یہ عربی الفاظ بولے ہیں۔ بہت جھوٹا اور شاعرانہ انداز میں واہ واہ قبلہ صاحب واہ واہ کی داد دینے لگا۔

قبلہ حضرت صاحب میری طرف دیکھ کر مسکراتے۔ اور اس مسکراہٹ میں ہی بتا گئے کہ یہ کتنا جاہل شاعر ہے۔ خیر یہ لطیفہ ضمناً لکھ دیا ہے دیہات سے کوئی ایک آدھ فرلانگ مشرقی جانب قبلہ باباجی کی آرام گاہ ہے۔ قبلہ حضرت صاحب تعمیرِ روضہ اور گنبد وغیرہ مکمل کرا چکے تھے سب دوست اندر حاضر ہوئے۔ مراقبہ میں بیٹھے کوئی آدھ گھنٹہ بعد قبلہ حضرت صاحب جب باہر تشریف لائے تو میں نے اس بیس سالہ صحبت میں پہلی اور آخری بار آپ کو ابدیدہ پایا۔ آپ کا چہرہ مبارک بالکل سرخ اور آنکھوں سے لگاتار آنسو ٹپک رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بے بسی کی کیفیت ہے۔ سب دوست بھی اسی کیفیت میں

پڑتا ہے آپ ہرگز ہرگز اس کو چسندہ نہ دیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ
 پڑھ کر ہم میں سے چند دوست برہم ہوئے لیکن قبلہ حضرت
 صاحب نے فرمایا کہ فقیر کو ایسی باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ
 اشتہار کل علی الصباح کوئی شخص وہاں لاہور ہماری بلٹھاک میں بھی
 دانستہ گرا گیا تھا۔ میں نے اسے پڑھ لیا ہے۔ ایسے ہوا ہی کتنا ہے
 کوئی بات نہیں۔ قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادے ساتھ
 تھے۔ چھوٹا بولا کہ قبلہ یہ میرے صاحبزادے اسماعیل کے کسی مرید کی
 غلطی سے لکھا گیا ہے۔ ہم اس کی معذرت چاہتے ہیں۔ قبلہ حضرت
 صاحب مسکرائے اور فرمایا آپ دونوں ہماری بڑی سرکار ہیں۔ معذرت
 کی کیا بات ہے۔ آپ کے دور قلندر می کا آغاز قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے
 وصال شریف کے بعد ہوا اور اس عالم خلق میں آپ اسی منصب پر
 پورے سات سال فائز رہے۔ یعنی ۲۵ صفر ۱۳۷۸ھ بمطابق ۹ ستمبر
 ۱۹۵۸ء آخری چہار شنبہ تک قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق دیکھو کہ
 دن ہی صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا لیا اور قبلہ حضرت صاحب
 کی انتہا یہ کہ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت بھی گوارا نہ کر سکے اور
 چند ایام پیشتر ہی وصال پایا۔ اور اپنے محبوب سے جا ملے۔ صورت
 امر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غسل صحت کا دن ماہ صفر کا آخری
 چہار شنبہ تھا جس کے بعد وصال شریف تک آپ نے غسل صحت
 نہیں فرمایا۔ آپ تو اس دن صاحب فرارش ہوئے لیکن قبلہ
 حضرت صاحب نے جینا ہی گوارا نہ کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علم غیب

آپ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی بین دلیل تھے۔
 اکثر فرمایا کرتے کہ اگر کوئی منکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب میں
 آپ سے مباحثہ کرے تو اسے قلعہ گو جبر سنگھ کا راستہ دکھا دیا کریں۔
 ہم انشا اللہ اس کی تسلی کریں گے + پوشیدہ باتوں کو روشن کی طرح دیکھتے
 اور کمال یہ کہ سنت کا دامن نہ چھوڑتے + کئی دفعہ ہم جیسے کم ظرف
 دوستوں نے اصرار کیا کہ عرس کے موقعہ پر اتنے بڑے بڑے سائبان بارش
 کی روک تھام کے لئے ہر سال کرایہ پر منگواتے ہیں بارش وغیرہ تو ہوتی تھیں۔
 حفظ ماتقدم کی وہاں ضرورت ہے جہاں تقدم غیب میں ہو۔ آپ سے بھلا
 کیا نہاں ہے۔ آپ پہلے سے ہی دیکھ لیا کریں تاکہ آپنی رقم بچ جائے۔
 آپ ہم لوگوں کے ایسے کہنے کو بُرا جانتے۔ فرمایا کرتے نادان نہ بنو۔ ہر
 شے کو اس کی ظاہریت پر چھوڑو + اچھی خاصی گرم دھوپ میں کسی دوست
 کو ارشاد فرماتے کہ جاؤ دیکھ آؤ کہ دین محمدی پر لیں کھلا ہے یا بند اگر کھلا
 ہو تو ان کو فلاں فلاں مسودہ دے آنا۔ دوست کو ارشاد کی بجا اور ہی
 تو کمر فی ہوتی لیکن اسے تامل اس بات پر ہوتا کہ یہ صاحب نظر یہاں سے
 ہی دیکھ کر کیوں نہیں بتا دیتا کہ پر لیں بند ہے یا کھلا۔ میرے ساتھ خود
 کئی بار ایسے مواقع پیش آئے۔ شروع شروع کے دن تھے۔ حکم بجا
 لاتا۔ دل میں کڑتا رہتا۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ مغرب کے بعد سڑکیوں
 کے دونوں میں جب بارش اور آندھی اپنے پورے زوروں پر تھتی اور
 میں اکیلا آپ کے پاس تھا۔ فرمایا کہ چمن سے خط آیا ہے۔ اُس دوست
 کی والدہ کچھ بیمار رہتی ہے اس کے لئے دوائی منگوائی ہے۔ آپ بوری

سر پر اوڑھ لیں اور سائیکل لے کر آسٹریلیا دواخانہ سے جو یوے اسٹیشن کے قریب ہے فلاں فلاں ادویات لے آئیں۔ سائیکل کا ایسے طوفان میں چلانا دشوار تھا۔ لیکن امر کے تحت سائیکل لیا بورمی لپٹی آپ نے کچھ نقدی بھی دی۔ دواخانہ سے دو عدد کیشی لایا۔ واپس جب حاضر ہوا تو دیکھ کر فرماتے لگے کہ غلط دوائی لے آئے ہو۔ وہ معجون جو تم لائے ہو۔ درکار نہیں دوسری معجون لاؤ۔ اور یہ کام جلدی کرو صبح ان کو یہ دوائی پارسل کرنی ہے۔ چنانچہ پھر اسی بارش اور آندھی میں دوبارہ دواخانہ پہنچا۔ اپنا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور فرمودہ دوائی لاکر دی مسکرائے اور فرمایا کہ ایک دوائی اور رہ گئی ہے۔ ہمیں اس کا خیال نہ آیا۔ لگے ہاتھ تیسرا پھیرا بھی ڈال لیں اور یہ دوائی بھی خرید کر لائیں۔ میں حیران تھا کہ آج رات مجھ سے کیا ہو رہا ہے۔ ان شرابور کپڑوں میں ابھی گھر بھی جانا ہے۔ خیر حسبِ ارشاد تیسرا چکر کاٹا آپ ایک چھوٹی سی مٹی کی انگلیٹی تخت پوش پر اپنے سامنے رکھے سیاہ کبیل اوڑھے شاہانہ انداز میں جلوہ افروز تھے۔ مجھے بٹھا کر ایک پیرو مرید کا قصہ سنایا کہ ایک مرید پیر کے لئے جنگل سے لکڑیاں لایا کرتا تھا۔ ایک روز لکڑی کاٹتے اس کے پاؤں کا انگوٹھا کاٹا گیا۔ تو انگوٹھے کو بھی ساتھ اٹھائے جنگل سے واپس مکان پر آیا۔ لکڑیوں کا کٹھ وہیں ڈال کر انگوٹھا بھی جو ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا پیر کی طرف پھینکا اور ہمیشہ کے لئے رخصت مانگنے کی مٹھان کر کہنے لگا کہ یہ لو انگوٹھا۔ میری ساری عمر کی خدمت کا صلہ۔ پیر صاحب امر تھا۔ انگوٹھا پکڑا اسے واپس بلایا۔ انگوٹھے کو لب لگا کر اس کی اصل جگہ جوڑ دیا اور فرمایا کہ اب آپ کو رخصت ہے۔ اس منزل میں اگر جان دے کر سودا ہاتھ لگے تو بھی سستا ہے آپ ایک انگوٹھے کے علیحدہ ہونے پر ہی بہم ہو گئے +

فرمایا کرتے کہ بہت سے دوست خواہش رکھتے ہیں کہ اُن کے کوٹ
 پتلون میں کوئی بل بھی نہ آئے اور انوارِ حقیقتِ صورتِ امیرِ علیہ السلام
 اور اسرارِ معرفتِ الہیہ اُن کی جیبوں میں ڈالے جائیں + وہ میری
 اس زندگی کو دیکھ رہے ہیں جو ان کے سامنے ہے اور جو گزرا چکا ہو
 اس سے ناواقف ہیں + آپ کا ظاہر ہی شاہانہ ٹھاٹھ دیکھ کر دل تو ہر
 دوست کا چاہتا کہ ایسا بن جائے۔ لیکن اس شاہانہ ٹھاٹھ میں جو درویشی
 پنہاں تھی وہ کمال سے لائے + بہت خوب صورت بید سے بنا ہوا
 تخت پوش سامنے بڑا میز ارد گرد کرسیاں۔ ایک دن کسی امیر
 دوست نے خواہش ظاہر کی کہ قبلہ اگر اجازت دیں تو میں میز پر
 ٹیلی فون سٹ (St) کرادوں۔ تاکہ مقدور کھنے والے دوستوں
 کو ہم کلامی میں آسائش ہو جائے اور بوقتِ ضرورت آپ کے بھی
 کام آئے۔ فرمانے لگے شاہ صاحب جب ہمارا اندر والا فون کام
 نہ کرے گا تو لگوا دینا۔ ابھی اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے اُس فون
 کے ہوتے کبھی کسی دوسرے فون کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی +
 سالانہ عرس پرچمن والے دوست آئے ہوئے تھے۔ صبح کا وقت
 تھا۔ انہوں نے درخواست کی کہ سرکار اگر اجازت دیں تو چند منٹ
 کے لئے یہاں باہر لاہور ہوٹل سے چمن فون کرائیں تاکہ بچوں کی خیریت
 وغیرہ معلوم ہو جائے۔ میں پاس ہی بیٹھا تھا فرمانے لگے کہ فون
 کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے رات پتہ کر لیا تھا۔ بخار والی بچی
 کو اب بخار نہیں۔ آپ کے چمن سے روانہ ہونے پر ہی ٹوٹ گیا تھا۔
 چمن والے دونوں دوستوں کو علیحدہ علیحدہ اُن کے گھروں کی خیریت کچھ
 ایسے بیان فرما رہے تھے کہ فون و مراسل تصدیق ہو رہے تھے۔
 وہ حیران تھے کہ ہم لاہور میں ہیں یا اپنے اپنے گھر چمن میں۔

نظم و ضبط

سارے عالم کا نظم و ضبط سنبھالنے والے کے لئے اپنے گھر کا کنٹرول ایک معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس گئے گزرے زمانہ میں پر وہ ہی کو لے لیجئے کوئی شخص بھی الا ماشاء اللہ دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے گھر پر وہ کا پورا پورا اہتمام ہے۔ بڑے بڑے عالم اور پیران طریقت کے گھروں کا حال جب سنتے ہیں تو سکوت اختیار کرنا پڑتا ہے اور سوائے اس کے کہ یہ اُن کی آزمائش کی ایک حجت ہو اور کچھ نہیں کہہ سکتے + یہ بات ہم نے قبلہ حضرت صاحب کے گھر میں کبھی نہ دیکھی۔ حرم سرا کے اقدس اوپر والی منزل تھی۔ کیا مجال کہ کوئی غیر محرم خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اوپر جاسکے + اور موقع پر نہیں تو عموماً بیاہشت دیوں میں ضرور یہ مستورات بے پردگی کا شکار ہو ہی جاتی ہیں۔ ہم نے دو نو بڑے صاحبزادگان کی شادیاں بھی دیکھیں۔ باجوں گاجوں والے میراثی۔ ڈوم وغیرہ بھی گلی میں آئے۔ لیکن اللہ اکبر اوپر والی منزل سے کبھی کسی دوست نے چلن بھی سرکستی نہیں دیکھی۔ کوئی دوست بتائے کہ آخر اس نے اپنی حاضری کے دوران کبھی ان محنت کی شہزادیوں کو دیکھا۔ ہر گز ہر گز نہیں۔ یہ سب کچھ اس مرد قلندر کا ہی تصرف تھا۔ ویسے عام انسان کے بس کی یہ بات نہیں + آپ کے دولتکدہ کے بالمقابل اُسی گلی میں ایک ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر صاحب کا بالائخانہ تھا یہ صاحب عموماً اپنا زیادہ وقت قبلہ حضرت صاحب کی بیٹھک میں ہی گزارتے تھے۔ معمر۔ شریف الطبع و بنا دار و صنع کے آدمی تھے۔ اور دنیاوی تجربوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ میں نے

ان کی زبانی سنا کہ قبلہ حضرت صاحب کے گھر کی کوئی عورت ہم نے
 کبھی نہیں دیکھی اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس گھر سے کبھی کسی
 بچہ کے رونے کی آواز آج تک نہیں سنی۔ آخر آپ کے پانچ صاحبزادے
 اور چار صاحبزادیاں اس گھر میں صغیر سنی کے زمانے میں رہے اور یہیں
 پلے پوسے آپ کی ساری کی ساری گھریلو زندگی قابل رشک تھی۔ مختصار
 کے پیش نظر آپ کے ایک ادنے گھریلو تصرف کی مثال پیش کئے دیتا
 ہوں۔ ایک شام آپ کے پاس ایک مولوی صاحب بیٹھے تھے۔ رشتہ
 میں آپ کی بھاؤ جہ کے بھائی تھے۔ غیر محرم ہونے کے سبب ان کی
 رات کی رہائش کا انتظام بیٹھک میں ہی کرنا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب
 نے انہیں بڑے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا کہ حضرت رات کو کیا کھائیں گے
 تاکہ وہی چیز پکوائی جائے۔ اس نے بھی بے تکلف لہجے میں جواب دیا
 کہ ہمارے ہی مرضی کون کرے گا یہ تو گھر والی کی مرضی پر ہے جو کھلا دے
 آپ نے فرمایا آپ بولیں تو سہی۔ گھر والوں سے بھی پوچھ لیں گے۔
 خیر اس مولانا صاحب نے کہا کہ مچھلی کھانے کو جی چاہتا ہے۔ بات ختم
 ہوئی۔ اتنے میں اوپر سے بشیر خادم کوئی چیز بازار سے خریدنے کے
 لئے اترا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اوپر واپس جاؤ اور اپنی اماں بی سے
 پوچھ کر بتاؤ کہ آج کیا پکانا ہے۔ بشیر صاحب اوپر چلے گئے اور واپس
 آکر کہنے لگے کہ اماں بی کہتے ہیں کہ مچھلی لادیں آپ مسکراے اور ان مولانا
 صاحب کو کہا کہ دیکھا ہمارا تصرف آپ خواہ مخواہ ڈر رہے تھے۔ گھر
 والوں نے بھی وہی کہا جس کی آپ کو خواہش تھی۔ مولانا صاحب کچھ
 اس متمہ سے حیران ہوئے۔ میں اس وقت حاضر خدمت تھا۔ جان گیا
 کہ یہ سب تصرفات کی برکات ہیں جو آپ کی معرفت اس گھر پر نازل
 ہو رہی ہیں +

ساری کی ساری اولاد آب ماشا اللہ جوان ہے بعد اپنی اپنی ذمہ
 داریاں اٹھائے ہوئے ہیں۔ سب میں جو ہر شرافت نمایاں اور ان
 کا انداز گفتگو کچھ کچھ حضرت صاحب سے موافقت رکھتا ہے + آپ کی
 حیات طاہرہ میں سوائے دو بڑے صاحبزادگان کے باقی اولاد کم سن ہی تھی
 اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کو بچوں کی دیکھ بھال کے علاوہ روزانہ آئے گئے
 دوستوں کی خاطر داری ان کے لئے کھانا و چائے وغیرہ تیار کرنی شکوہ سنج
 عورتوں کی دلجوئی۔ ان کے ساتھ حسن سلوک یہ سب کچھ کرنا پڑتا۔ اس محلہ کی
 ایک خادمہ مائی گا ماں آپ کا کبھی بھی ہاتھ بٹاتی جس کا نان و نفقہ بھی قبلہ حضرت
 صاحب کے ذمہ تھا۔ یہ دونو عورتیں گھر کا انتظام کچھ اس طریقے سے سرانجام
 دیتیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا۔ پانچ دوستوں کے لئے چائے آگئی ہے۔
 دس اور آگئے ہیں تو ان کے لئے بھی تیار شدہ چائے اوپر سے لائی جاتی
 ہے کھانا کھانے والے کو بروقت کھانا مل رہا ہے۔ مائی گا ماں کو تو سعادت
 ج نصیب ہوئی اور اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کو دن جمعۃ المبارک اور مہینہ
 رمضان المبارک میں اپنے پاس بلایا۔ انا للہ وانا علیہ راجعون
 اور قیامت تک کے لئے حساب و کتاب سے بے نیاز کر دیا۔ آپ کا
 مزار شریف بھی ہجر وال قبلہ حضرت صاحب کے جوار میں ہی ہے۔ جیسی
 مشقت ویسا اجر۔ اس اجر و مشقت کے تحت آپ سے ایک منقول
 واقعہ بھی لکھ دیتا ہوں۔ ایک دفعہ سالانہ میلاد شریف پر میں آپ کی
 معیت میں موضع سمسانی گیا۔ عصر کا وقت ہوگا۔ آپ ایک بڑے
 پلنگ پر رونق افروز تھے اور میں احاطہ میں ایک علیحدہ چارپائی پر بیٹھا
 تھا۔ آپ کے ارد گرد گاؤں کے لوگ اپنی اپنی حاجتیں پیش کر رہے
 تھے۔ میں نے دیکھا کہ ساتھ والے احاطہ میں ایک مائی بھینس کا دودھ
 دھو رہی ہے۔ اسے دودھ دھوتا دیکھ کر میرا خیال اپنے آبائی گاؤں

کی طرف جہاں سے پاکستان بننے پر ہم لوگ مہاجرین کو یہاں آئے تھے لوٹا۔
والدہ مرحومہ اپنی بھینس اور اُن کا دودھ دوتنا وغیرہ جو دل میں
آیا تو آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ قبلہ حضرت صاحب نے یہ دیکھ کر مجھے پاس
بلایا اور حال دریافت کیا عرض کرنے پر آپ نے ایک بڑی عمدہ کہانی
مجھے سنائی۔ فرمانے لگے کہ ایک عورت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب
گوڑہ شریف والے کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کرنے لگی کہ کیا یہ
سچی حدیث ہے کہ ایک بچہ جنتی عورت نماز کا وقت پائے اور وہ اُس
حالت میں ہو کہ بچہ کا کچھ حصہ ابھی جسم سے باہر نکلا ہو تو اُسے چاہیے کہ
گڑھا کھود کر یا ایسی جگہ جہاں بچہ کا حصہ سما سکے بلٹھی بلٹھی ہی نماز ادا کرے
آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ حدیث شریف بالکل صحیح ہے۔ عورت بولی
کیا یہ حدیث کسی مرد کی زبان سے ہے یا عورت کی۔ آپ نے فرمایا
کہ یہ حدیث شریف سید البشر صورت امیر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔
عورت بولی تبھی تو۔ اگر کسی عورت سے ہوتی تو ایسا ہرگز نہ کہتی۔ یہ سنکر
قبلہ مہر علی شاہ صاحب کے چہرہ انور کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا۔
فرمانے لگے کہ اُس مرد کی حدیث ہے جو تمہارے اور سارے عالم کے
لطفوں سے واقف ہے۔ جو کائنات کا بیج ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ اس نماز
کا اجر و ثواب کیا ہے۔ اگر جان جائے تو اس کے مقابلے میں مشقت کا عدم
ہو۔ آپ فقط ایک بھینس کا خیال لا کر مغموم ہو رہے ہو۔ آپ کو معلوم
ہونا چاہیے کہ ہجرت جیسی سنت اللہ عزوجل نے آپ لوگوں کے
نصیب میں دے دی۔ اور بغیر کوئی خاص محنت شاقہ اٹھائے آپ
اس ثواب کے حق دار ہو گئے۔ اگر وطن چھوڑا ہے تو ابتداء سنت میں
ہجرت مل گئی ہے۔

دیارِ حبیب

جیسا کہ کہیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آپ سے والہانہ محبت کا فوری
 اجر حج بیت اللہ و زیارت گنبد خضرا تھا۔ عشق کے دعویدار کو اپنے وطن
 کی زیارت ضرور کراتے۔ فرمایا کرتے کہ اگر کسی کے مکان پر صاحب خانہ
 کو ملنے کے لئے جائیں اور صاحب خانہ نہ ملے تو مایوسی ہوتی ہے۔ اسی طرح
 بیت اللہ شریف کی زیارت بغیر دیدارِ حقیقتِ امر نہ ہی حاضری
 ہوگی اور روضہ اقدس کی زیارت اگرچہ موجب شفاعت صورتِ امر
 صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن اگر گنبد خضرا کے مکین کا دیدار ہو جائے تو آگ
 سے نجات کی سند ہے۔ اور شفاعت اور سند کا فرق ہیں۔ آپ
 کے حج کا زمانہ ہم دوستوں کی دابنگلی سے بہت پہلے کا تھا۔ آپ نے
 جوان عمر میں حج کا فریضہ ادا کیا یہ کوئی ۱۹۲۵ء کا ذکر ہوگا۔ اس زمانہ میں حج
 کا سفر جدہ کے آگے تمام کا تمام اونٹنوں پر ہوتا تھا۔ آپ کبھی کبھی اپنے
 حج کا سفر بیاں فرمایا کرتے تھے جن میں سے ایک واقعہ مکہ معظمہ اور
 ایک واقعہ مدینہ منورہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ مکہ معظمہ میں آپ کے ہمراہ
 کوئی مولوی عبدالرحمن صاحب امر تسری بھی تھے۔ ایک دن چلتے
 چلتے یہ مولوی صاحب مکہ معظمہ کے بازار میں ایک دوکان پر تسبیح خریدنے
 ٹھہر گئے تسبیح کی خریداری میں تقاضا بڑھتا بڑھتا لڑائی تک پہنچ گیا۔ مالک نے
 جو قیمت بتائی وہی لیتی تھی کیونکہ وہ قیمت بتاتے وقت آخر میں کلامِ واحد
 کے الفاظ بول دیا کرتے ہیں ادھر مولانا صاحب نے کوئی دس گناہ کی
 قیمت بتائی جس سے وہ عرب صاحب بگڑ بیٹھے اور لگے عربی میں گالیاں
 دینے۔ مولانا صاحب کو اور گالیوں کی تو سمجھ نہ آئی لیکن جب عرب

نے کہا کہ انت لافحابی - انت کا قہر تو مولانا صاحب نے غصہ میں اسے ایک مگّا مارا۔ قبلہ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ جب ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ ابھی تک مولانا صاحب آئے نہیں تو معلوم ہوا کہ دوکان پر ہی کتھم کتھا ہو رہے ہیں۔ ہم واپس آئے ان کو چھڑایا مولانا صاحب اور پھر وہ بھی پنجابی بھلا کہاں رُکے میں نے اسے آہستہ سے علیحدہ کر کے کہا کہ دیکھو بھئی اس زمانہ کی طرف خیال کرو جس زمانہ میں اسی شہر میں رحمتہ اللعالمین جلوہ افروز تھے۔ ان لوگوں کی طبیعت اُس وقت کتنی سخت ہوگی اور آپ نے اُن میں کیسے گذار ہی ہوگی۔ اور نہ سہی یہ ہی خیال کر لو کہ آخر یہ لوگ بیت اللہ شریف کی ہمسائیگی کا حق رکھتے ہیں۔ مولانا صاحب کی سمجھ میں بات آگئی فوراً اس عمری دوکان دار سے معافی مانگی۔ تسبیح کے منہ مانگے دام دئے اور رخصت ہوئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ حسن محبوب کا اپنا ہوتا ہے اس کی مرضی پر ہے چاہے نقاب ڈال لے یا اٹھا ڈالے۔ مواجہ شریف کے سامنے حاضری کے لئے دست بستہ کھڑا تھا۔ رحمت عالم جوش میں آئی۔ درون خانہ کے پردے اٹھائے گئے اور مجھے اندر آنے کی اجازت بخشی گئی۔ میرا جسم بے حس ہو کر دھڑم سے گر گیا۔ ساتھ والے احباب اس فکر میں کہ یہ کہیں جان سے نہ جائے اور میں

ز درون خانہ گفتم
کی کیفیت لئے ہوئے شریک محفل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ میں تلوار سنبھالے ہوئے پاسبانی کے منصب پر فائز تھے۔ مجھے ابھی تک اُن کے رعب دار الفاظ ”چلو اندر“ کی صدا سنائی دیتی ہے۔ میری حاضری کی مدت کوئی تقریباً آدھ گھنٹہ رہی اس عرصہ

تک دوست میرے جسم کو طرح طرح سے ادا لیتے بدلتے رہے تھے کہ میں
اُس نورانی محفل سے سرشار واپس آیا۔ وہاں جو باتیں ہوئیں قبلہ حضرت
صاحب نے میری نااہلی کے سبب بیان نہیں فرمائیں۔ اور میں انہیں
فاوچی علی عبدہ ما ادھی کا درجہ دیتا ہوں۔ اور یہ انتہائی درجہ
کی بلندی ہے۔ ذرا احباب قبلہ حضرت صاحب کے اس قول کو ذہن
میں رکھیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی فعل نہ اپنی نجات اور نہ اپنی
مناجات کے لئے ہوتا ہے بلکہ ہر فعل تعلیم اُمت کے لئے ہے۔ صورت
امر صلی اللہ علیہ وسلم ہر شئی سے بے نیاز ہیں اگر معراج کی بلندیوں پر گئے
تو ہمیں تعلیم دینے کے لئے کہ میری اتباع میں مسیحائے اَلذی
اسری بعبدہ اب بھی جاری و ساری ہے اسی طرح ما ادھی
علی عبدہ ما ادھی کی کیفیت میری اتباع میں اب بھی پوشیدہ
ہے۔ قبلہ حضرت صاحب پر یہ دونو مقام علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی جگہ
آئے جو مختصراً بیان کر دئے گئے ہیں۔

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
میر ہی بجلی میرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے

یہ تھا اُن کا وہ زمانہ جب انہوں نے حج کیا اور جس زمانہ میں مجھے وابستگی
کی سعادت حاصل ہوئی آپ حج کرا یا کرتے تھے۔ معراج شریف کی
رات تھی۔ نماز عشاء کے بعد کافی رات گئی اپنے والدین اور بیوی
بچوں میں بیٹھا انہیں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی منظوم نعت
شریف ”شب اسرا کے دولہا“ وضاحت سے سنارہا تھا جب
آخری مصرع ہے

سے ہمیں بھی ان خلعتوں سے حصہ ہو خاص رحمت کے واں بٹے تھے
 پہنچا تو سینہ میں اک ہوک سی اٹھی ضبط کیا اور گھر والوں کو سر ہونے
 نہ دیا۔ عین اسی وقت چمن میں میرے ایک دوست کے دل میں خیال
 آیا کہ حج کی درخواستیں مطلوب ہیں کیوں نہ ہو قبلہ حضرت صاحب -
 اماں جی اور آپ کے صاحبزادے تاج میاں بحیثیت خادم اور ادھر
 چمن والے دوست اس کی والدہ اور میں بحیثیت خادم سب کے سب
 حج کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ فوراً اسی رات اسی مضمون کا ایک تاج چمن
 سے قبلہ حضرت صاحب کے نام روانہ کر دیا۔ دوسرے دن دفتر میں
 چھٹی تھی علی الصباح میں قلعہ گوجر سنگھ حاضر خدمت ہوا۔ آپ ابھی
 اوپر سے تشریف نہیں لائے تھے۔ جب اترے مسکرائے اور
 تخت پوش پر رونق افروز ہوئے۔ ابھی ایک منٹ بھی نہ گزرا ہوگا
 کہ ایک ڈاکہ اندر داخل ہوا سلام کے بعد اس نے تار والا لفافہ قبلہ
 حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسی منکر اسٹ
 میں لفافہ بغیر کھولے میری طرف کر دیا اور فرمایا کہ پڑھو اس میں کیا
 ہے۔ مندرجہ بالا مضمون انگریزی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ میں پڑھتا
 جانا تھا اور خوشی میں پھولا نہ سمار پاتا تھا۔ آپ بار بار ایک تجاہل عارفانہ
 سے پوچھ رہے تھے کہ آخر شاہ محمد صاحب چمن والے کا کیا ارادہ
 ہے۔ درخواستوں کی آخری تاریخ قریب آگئی ہے۔ آپ نے مجھے
 ایک پانچ روپے کا نوٹ دیا اور فرمایا کہ اُسے فون پر بوضاحت
 پوچھ لیں کہ اس تار کا کیا مطلب ہے۔ ہم یہاں پنجاب میں بیٹھے درخواستیں
 دیں اور پھر اس کو چمن بھیجیں۔ وقت گزر جائے گا۔ خیر شام کو چمن
 فون کیا جواب میں بتایا گیا کہ بالوضاحت خط لکھ دیا ہے انتظار کریں۔
 قصہ مختصر مجھے حکم ہوا کہ درخواست مکمل کر کے چمن بھیج دیں ہمارا ارادہ

اس سال حج کا نہیں ہے۔ میری درخواست تمام مراحل طے کرتی حج
 بکنگ آفس میں ایک ماہ دیر سے پہنچی اور بوجہ دیر کی دفتر داخل
 کی گئی۔ قرعہ وغیرہ میں نام نہ نکلا کراچی سے کسی تاجر نے چین والوں
 کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز نشستوں کا بندوبست کرا دیا اور انہیں
 اطلاع کر دی۔ چین والے دوست نے مجھے بھی خط لکھ دیا کہ ہوائی جہاز
 میں انتظام ہو گیا ہے لہذا آپ بھی تیار ہو جائیں۔ لاہور سے ہی اسٹیشن
 ہو کر جانا تھا۔ شاہ محمد صاحب اس کی والدہ اور میں تینوں لاہور
 ریلوے اسٹیشن پر کراچی جانے کے لئے گئے قبلہ حضرت صاحب بھی
 ہمیں رخصت کرنے اسٹیشن پر تشریف لے آئے۔ میرا تذبذب
 دور ہوا۔ کہ اب ضرور ارض مقدس پہنچ جاؤں گا۔ کراچی جانے پر معلوم
 ہوا کہ ہوائی جہاز میں کوئی جگہ نوکر کے لئے علیحدہ نہیں ہوئی اور مجھے بتایا
 گیا کہ میری درخواست تو ویسے ہی کسی کاروائی کے بغیر فائل ہو چکی ہے
 کیونکہ بروقت نہ تھی۔ کراچی میں پورے چودہ دن مقام حیرت میں گزارے
 قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھ دیا کرتا۔ معراج کی رات والی
 کیفیت اور قبلہ حضرت صاحب کا ریلوے اسٹیشن لاہور پر تشریف لانا
 تسلی بلکہ یقین کا باعث بنتے پندرہویں دن خدا خدا کر کے میرا نام بھی آگیا
 اور میں چین والوں سے ایک روز پہلے ارض مقدس میں پہنچ گیا۔ وہاں
 جو ہوا اس کی ڈائری ایک علیحدہ کتابچہ کی شکل میں لکھ دی ہے۔ شاید
 طبع ہو جائے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہم دونوں بھائی اکثر قبلہ
 حضرت صاحب کا ذکر چھڑ دیتے اور کہتے کہ سنا کرتے تھے کہ پیر
 مرید سے پہلے حج و زیارت کے لئے پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ ہمیں قبلہ حضرت
 صاحب یہاں کہیں نہیں ملے۔ دور سے کوئی شخص قبلہ حضرت صاحب
 کی شہادت کا نظر آتا تو ارادہ اس تک پہنچنے تاکہ تصدیق ہو جائے اور

کوئی مغاطہ باقی نہ رہے۔ ڈیڑھ ماہ گزرنے کے بعد واپس پاکستان آئے
 لاہور ریلوے اسٹیشن پر ہجوم سے ایک طرف قبلہ حضرت صاحب کھڑے
 تھے۔ میں گاڑی سے اتر اقدم بوسی لی اور انتہائی مسرت میں رقت طاری
 ہو گئی۔ یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری سعادت مند روز تھا۔ اسٹیشن
 سے سیدھے بجائے گھر جانے کے قلعہ گوجر سنگھ در اقدس پر پہنچے۔
 چمن والے دوستوں کے کھانے کی دعوت قبلہ حضرت صاحب کے ہاں
 مہتی میں بھی بحیثیت خادم شریک دعوت تھا۔ میں نے دیکھا کہ قبلہ
 حضرت صاحب نے ہر دوست سے جو اس سال حج کرنے کیا تھا اس
 کی کہانی سنی۔ لیکن جب میں کوئی وہاں کی بات کہنے کی اجازت مانگا تو
 آپ مجھے خاموش کر دیتے۔ وجہ نامعلوم۔ آخر میں نے ایک روز بھائی
 شاہ محمد صاحب چمن والے سے کہا کہ آپ ہی پوچھ دیں کہ دیار حبیب
 صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا آپ نے ہمارا ساتھ دیا۔ جب بھائی شاہ محمد
 صاحب نے یہ بات دریافت کی تو اسے فرمایا۔ کہ کیوں نہیں ہم آپ کے
 ہر وقت ساتھ تھے۔ تصدیق کے پیش نظر فرمایا کہ مدینہ منورہ جاتے
 وقت راستہ میں مقام بدر پر جب آپ کی لاری بعد دوپہر آرام کرنے
 کے لئے ٹھہری تو آپ دونوں کی پانی والی کارینر پر نہانے کے لئے گئے
 نہانے کے بعد آپ دونوں ساتھ والی سچی مسجد میں نماز ظہر کے لئے داخل
 ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دونوں نے تلاوت شروع کر دی۔
 کیا آپ نے وہاں نہیں دیکھا کہ دو آدمی آپس میں کچھ عربی زبان میں باتیں
 کرتے تھے۔ شاہ محمد نے کہا کہ حضور یہ سب کچھ کیا اور دیکھا۔ فرمایا کہ
 وہ دو شخصیتیں صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور صاحب امر ابو بکر صدیق
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے شاہ محمد صاحب نے یہ بات قبلہ حضرت صاحب
 سے سن کر مجھے بتائی۔ دوسرا واقعہ جو آپ نے اپنی معیت کافر یا فہ یہ تھا

کہ مدینہ منورہ میں ہر شام ہم سارے پیر بھائی حضور علیہ السلام کے قدم
 میمنت لڑھم کی جانب جالی سے ہٹ کر مسجد کی دیوار کے ساتھ کھڑکی کے
 نیچے بیٹھا کرتے اور روضہ اقدس کو رو برو رکھتے ہم دیکھا کرتے کہ دو
 شخص روزانہ عین جالی کے قریب بیٹھے تسبیح پھیرا کرتے ہیں اور ہماری
 طرف دیکھ کر کبھی کبھی مسکرا بھی دیا کرتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب نے
 یہ واقعہ بھی شاہ محمد صاحب کو بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سب
 دوست ان دو شخصیتوں کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے تھے کہ یہ کیسے جالی
 کا قرب حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اور شرقی وغیرہ اُن کو یہاں سے کیوں نہ
 اُٹھاتے۔ اُن میں سے ایک صدیق اکبر اور دوسرے فاروق اعظم
 رضوان اللہ تعالیٰ علیہما تھے اُن کا وجود باوجود صرف آپ کو نظر آ رہا تھا۔
 شرقی وغیرہ یا دوسرے لوگوں کی نظروں سے وہ شخصیتیں اوجھل تھیں۔
 سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر
 ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی تصویر یہ صاحب امر اپنے
 ولایت شدہ اختیارات سے اپنے دوستوں کو حج کے پاسپورٹ عطا
 فرماتا۔ میں نے ایک دوست کو جو ایک دیہات کا رہنے والا تھا اور
 میرے ہی آبائی گاؤں کا باشندہ تھا قبلہ حضرت صاحب کے سامنے
 حج کے لئے تڑپتا دیکھا۔ یہ صاحب میری معرفت داخل سلسلہ ہوا تھا۔
 مجھے بھائی شاہ محمد صاحب سے خط آچکا تھا کہ ہوائی جہاز میں کام بن
 جائے گا۔ اور اسے اس کا علم ہو چکا تھا کہ یوسف حج کو جا رہا ہے اور
 میں قرعہ میں نام نہ لگانے کی وجہ سے رہا جا رہا ہوں۔ ایک صبح قبلہ
 حضرت صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یہ صاحب بھی آگئے۔ اندر داخل
 ہوتے ہی زار و قطار چنچیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ اور بجائے

کرسی کے تحت پوش کے ساتھ قبلہ حضرت صاحب کی جوتیوں میں ہی بیٹھ گئے قبلہ حضرت صاحب اپنے انداز میں اُسے تسلی فرماتے رہے لیکن اُس کا سیلاب ٹھمتا نظر نہ آیا۔ فرمانے لگے کہ اگلے سال کے لئے منظوری دے لی ہے۔ صبر کرو۔ لیکن یہ ہمارا بھائی اپنے نالوں کو اور رسا کرنا گیا آخر اس کے نالے کنگر استغنا سے جا ٹکرائے۔ رحمت عالم جوش میں آگئی انگلیں بند کئے ہوئے ہی فرمایا کہ چپ ہو جاؤ کام پھب گیا ہے۔ کراچی چلے جاؤ تب جا کر یہ صاحب کہیں خاموش ہوئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کوئی ایک مہینہ عشرہ ہمارے مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد ایک دن باب عمر کے قریب میں نے دیکھا کہ یہ صاحب اکیلے کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھ کر بغلیں گئے ہوئے اور خوب روئے اپنی ساری داستان سنائی کہ کیسے کیسے قبلہ حضرت صاحب کے تصرف نے کراچی میں اسے بھری جہاز میں جگہ دلائی۔ اور یہاں تک پہنچایا۔ اپنی عمر شریفہ کے آخری سال یعنی ۱۹۵۸ء میں آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس سال حج بیت اللہ شریف کے لئے درخواست دینی ہے۔ حج کے فارم بھی لائے گئے اور ہم سے پڑ بھی کر لئے گئے۔ مجھے فرمانے لگے کہ کوئی ایسے فارم نہیں ہیں کہ ہمیشہ کے لئے وہاں سکونت اختیار کی جائے۔ یہاں پاکستان میں اب دل نہیں لگتا۔ میں نے عرض کیا کہ سرکار وہاں جا کر یہ بند و بست ہو سکتا ہے۔ لیکن بات کوئی میری سمجھ میں آتی نظر نہ آئے کہ آپ نے جانا بھی ہے یا کہ نہیں۔ کبھی آپ وہاں کی کھلی فضا کا ذکر کر دیں۔ کبھی فرمائے لگیں کہ وہاں کا جو صد معلم ہے وہ ہمارا دوست ہے۔ میں پھر بھی نہ سمجھ سکا۔ میری تحویل میری عقل کے مطابق۔ اس سال میں کسی دوست کو ایک بڑی کوٹھی خریدنے کے چکر میں لگا دیا۔ کہ ارادہ ہے کہ اس سال کوئی بڑی کوٹھی خرید کر لیں تاکہ کھلی فضا مل سکے۔ اور یہ جگہ چھوڑ دیں۔

یہاں تنگی محسوس کر رہے ہیں۔

سالانہ جلسہ قریب آ رہا تھا۔ دعوت ناموں میں کسی ایک احباب کو مجھ سے لکھوایا کہ آپ کی حاضری جلسہ میں ضروری ہے ہم دوبارہ آپ کو آنے کی تکلیف نہ دیں گے۔ اس سال ضرور آنا۔ شاید ہم جلسہ کے بعد ارض مقدسہ میں ہمیشہ کے لئے رہائش کا انتظام کر لیں اور وہاں چلے جائیں۔

بلا و مسرت

عید الفصحی کا دن تھا۔ میں قربانی وغیرہ سے تقریباً ۱۲ بجے ہی فارغ ہو چکا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب کے حصّہ کی ران لپیٹی اور اپنے ایک دوست بھائی فضل الرحمن صاحب کے ساتھ قلعہ پہنچا۔ ہم نے دیکھا کہ قبلہ حضرت صاحب خاموش سر جھکائے بجائے تخت پوش کے پٹکے کے نیچے چار پائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ چند ایک اور شہری دوست بھی نیچے اور کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور وہ بھی خاموش ہیں ہم کچھ حیران ہو کر سلام و مصافحہ کے بعد ان دوستوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ معلوم ہوا کہ صبح سے آپ کا صاحب زادہ (بڑے سے چھوٹے) کسی خانگی ناراضگی کے باعث گھر سے غائب ہے اور ابھی تک نہیں آیا۔ ابھی ابھی چند ماہ پہلے اس کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی بیوی اور ہمیشہ گان کو اسی وجہ سے بے ہوشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ اماں جی کا حال بھی بھی بچہ کو عید کے دن گھر نہ پانے سے خراب ہے۔ قبلہ حضرت صاحب بڑی آہستگی سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک دوست کو فرما دیں کہ آپ دریا ئے راوی کے کنارے جا کر دیکھیں۔ پھر دوسرے

دوست کو نہر کے کنارے دیکھنے کا کہیں۔ اسی طرح چند دوستوں کو شہر کے علیحدہ علیحدہ مقامات پر بچے کی تلاش کے لئے بھیج دیا۔ آخر ہم دونوں کو فرمایا کہ آپ ریڈیو سے اسٹیشن اور یارڈ وغیرہ میں جا کر تلاش کریں۔ ان مقامات سے ہی ہم دونوں نے اندازہ لگایا کہ بچہ ضرور گھر پر اپنی خودکشی کا ارشاد کر گیا ہوگا۔ تبھی تو راوی۔ نہر اور یارڈ وغیرہ کی طرف دوستوں کو بھیجا جا رہا ہے۔ کوئی دوست بولے کہ قبلہ آپ بابا جی سے پوچھ لیں۔ فرمائے گئے کہ ہم نے تو بڑی سرکار علی اللہ علیہ وسلم کو بھی عرض کر دیا ہے کوئی جواب نہیں ملتا۔ عجیب ماحول تھا اس دن کا۔ طرح طرح کے خیالات دل میں گزر رہے۔ تبھی صہرت امیر علی اللہ علیہ وسلم کا واقع افک دماغ میں آتا۔ کبھی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی ابتلائیں دل میں گزرتیں کبھی سورہ یوسف علیہ السلام کی تفسیر میں نظر دوڑاتا۔ لوگوں کے گم شدہ بچوں کی نشاندہی کرنے والا بلکہ ان بچوں کو ان کے گھروں تک پہنچانے والا ایسی ابتلا میں آتا دیکھا کہ شعور کوئی نتیجہ نکالنے سے معذور ہو گئے۔ حسب ارشاد ہم دونوں بھائی ریڈیو اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ پبلک فیل کے درمیان جا کر سارے یارڈ کا اندازہ لگایا۔ قلیوں وغیرہ سے بھی پوچھا کہ آج کے دن یہاں کوئی خاص سانحہ تو رو پڑا نہیں ہوا۔ پوری تشکی کر کے بیک وقت دونوں کے دماغ میں خیال آیا کہ یہاں بس پر سوار ہو کر سیدھے شالامار باغ پہنچیں شاید صاحبزادہ آدھر چلا گیا ہو۔ کوئی دو تین بجے دوپہر کا وقت ہوگا۔ سخت گرمی تھی باغ کے پڑے دروازے سے سیدھے ابھی پہلی منزل والا راستہ آدھا طے کیا ہوگا کہ بائیں جانب ایک درخت کے سائے تلے صاحبزادہ صاحب اکیلے بیٹھے پائے گئے۔ دانستہ ان کے پاس سے گزر گئے تاکہ ان کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میری ہی تلاش میں

آئے ہیں۔ کچھ آگے جا کر مڑے اور اُن سے کچھ ایسے گویا ہوئے کہ انہیں یقین آگیا کہ ہم دونو ویسے تفریح طبع کے لئے ہی باغ میں آئے ہیں۔ اُن کی بھوک کا احساس کرتے ہوئے ہم نے خود ہی بھوک کا ذکر شروع کر دیا اور آخر یہ ٹھہرا کہ یہاں مثل پورہ میں ہی بھائی فضل الرحمن کے گھر کھانے کا انتظام کریں۔ بھوک تو انہیں کافی لگ چکی تھی وہ بھی رضا مند ہو گئے۔ یہ شرم و حیا کا پتلا نہ ہم سے اپنی گھریلو ناراضگی ظاہر کر سکے اور نہ ہی ہم انہیں اس جانب آنے دیں۔ بس پر سوار ہو گئے اور آہستہ سے کٹھکٹر کو کہہ دیا کہ تین ٹکٹیں قلعہ گوہر سنگھ کی گاٹ دیں۔ صاحبزادہ صاحب کچھ قلعہ گوہر سنگھ کا نام سن کر حیران سے تو ہوئے لیکن حیا اڑے آئی کیا کہیں کہ ہم گھر سے ناراض ہو کر آئے ہیں۔ دل ہی دل میں سب کچھ لئے خاموش بیٹھے رہے قلعہ گوہر سنگھ جب بس سٹاپ پر اترے تو آپ بھی ہمارے ساتھ ظاہری طمانیت لئے ہوئے ہوئے۔ ہم دونو دوست بیٹھک میں داخل ہوئے۔ بچے کی خوش خبری دی۔ چہرہ انور چمکا۔ کوئی شام کے پانچ چھ بج چکے تھے۔ گھر جانے کی اجازت مانگی۔ فرمانے لگے کہ صبح کا آٹا گوندھا پڑھا ہے۔ آپ پکنا شروع ہوا ہے۔ کھانا کھا کہہ ہی جائیں۔ لیکن ہم دونو دوستوں نے پہلے ہی سے تہیہ کر لیا تھا کہ ان اجری الی اللہ رب العالمین کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے۔ اور کھانے وغیرہ کی طرف نہیں آنا۔ دعائیں لیتے گھر پہنچا۔ والدین کو بگڑایا یا کہ عید کے دن گھر سے غائب۔ ادھر ادھر کا بہانہ بنا کر ان کی تسلی کی مجھے مرزا صاحب مرحوم کے الفاظ یاد ہیں۔ ایک دفعہ کسی سفر میں آپ نے کہا کہ مجھے قبیلہ حضرت صاحب کی خدمت میں کوئی بیچیس سال ہو گئے ہیں یہی تمنا رہی یہ کسی وقت ایک لمحہ کے لئے

بھی یہ ہستی مجھ سے خوش ہو جائے۔ لیکن میں اس طویل مدت میں
 کوئی ایسی گھڑی نہ پاسکا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کی تھانیت میں
 کہیں کہیں پیر و مرید کی خصوصیات نکھیں ہوتی ہیں۔ ایک جگہ فرماتے
 ہیں کہ مرید وہ جو پیر کو ایک پل کے لئے اپنے سے جدا نہ سمجھے اور
 پیر وہ جو ہر آن مرید کے ساتھ رہے۔ الفاظ تو نہایت سادہ ہیں لیکن
 ساری شیخی کا پھوٹا ہیں۔ پاکستان ابھی معترض وجود میں نہ آیا تھا۔
 دو ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ مجھے اپنی بیوی کی بیماری کے سلسلہ
 میں اسے معائنہ کے لئے میڈی ہسپتال لے جانا پڑا۔ ہندو مسلم فساد
 کی گڑبڑوں پر تھی ہم گڑھی شاہو سے ٹانگہ پر سوار شملہ پہاڑی سے
 ہوتے ہوئے ہسپتال پہنچے۔ لیڈی ڈاکٹر سے معائنہ وغیرہ کے
 بعد جب فارغ ہوئے تو خیال کیا کہ یہاں سے ٹانگہ وغیرہ تو ملا نہیں
 چلو سیدھے ریلوے روڈ سے ہوتے جائیں۔ اسلامپور کالج کے
 پاس ہمارے ایک رشتہ دار ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اسے ملتے
 جائیں اور وہاں سے قلعہ گوجر سنگھ قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت
 میں بھی حاضر ہی دیں۔ دونوں پیدل ریلوے روڈ والے بازار سے
 گزرنے لگے۔ میرے سر پر لال رومی ٹوپی تھی اور بیوی برقعہ میں۔
 وہ سارے کا سارا بازار ہسپتال سے لے کر امرت دھارا بلڈنگ
 بلکہ اسلامپور کالج تک ہندو دوکان داروں کا تھا۔ بعد میں یہ
 بھی معلوم ہوا کہ اسی صبح امرت دھارا بلڈنگ کے قریب والے
 گورو وار سے میں کوئی سکھ کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوا تھا جس
 کی وجہ سے وہاں کافی سکھ بھی موجود تھے۔ ہم دونوں کو اس بات
 کی کوئی خبر نہ تھی۔ بازار سے گزرتے وقت میں نے دیکھا کہ سب
 کے سب دوکان دار ہمارے ہی طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہے

ہیں۔ میں نے سمجھا کہ میں اس بازار میں اکیلا برومی ٹوپی پہنے ہوئے
 جا رہا ہوں یہ مہندروں کا بازار ہے شاید مجھے اس خیال سے دیکھ رہے
 ہوں کہ یہ مسلمان ہے۔ ابھی امرت دھارا بلڈنگ تک ہی پہنچے
 تھے کہ بازار کی دوسری طرف سے ایک سکھوں کا گروہ ہاتھوں میں
 کمر پائیں پکڑ ہی ہوئی اُس گورو دوارہ سے نکل کر بازار میں آیا۔
 ہمیں دیکھ کر وہ سب کے سب ٹھہر گئے۔ ہم دونوں بازار کے ایک
 طرف جا رہے تھے اور وہ دوسری طرف ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے
 ایک سکھ نے ایک ہاتھ تلوار کے دستہ پر اور دوسرا ہاتھ تلوار کی نوک
 پر رکھ کر پوزیشن لی اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اس نے مجھے اپنے
 سر کو ہلاتے ہوئے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وقت نازک
 ہے۔ مہندروں کا دار تھڑوں پر کھڑے یہ منظر حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔
 میں نے اس کے اشارہ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنی رفتار کو جاری رکھا۔
 اُن سکھوں کو بھی بازار پار کر کے ہم تک آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ مسلمانوں
 کی دوکانیں شروع ہونے لگیں۔ وہ بھی یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ بلکہ
 چند ایک مسلمان دوکان داروں نے مجھے کہا کہ بابو صاحب ہوش میں
 ہو کہاں سے گزر کر آئے ہو۔ ہم دونوں ڈاکٹر صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔
 ٹانگیں بھولی ہوئیں۔ جسم کانپ رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی زبانی معلوم ہوا
 کہ آج صبح گورو دوارہ میں سکھ کے قتل کا واقعہ ہوا ہے جس سے تمام سکھ
 بے پھرے پڑے ہیں۔ آپ کیسے اُن سے بچ کر آ گئے دوپہر ہو چکی تھی وہاں
 سے قلعہ گوجر سنگھ ٹانگے پر پہنچے۔ بیٹھک کا دروازہ بند تھا۔ کھلنے پر
 معلوم ہوا کہ قبلہ حضرت صاحب بیٹھک میں ہی چار پائی پر آرام فرما رہے
 ہیں۔ ہم نے سلام عرض کیا اس دن آپ کی طبیعت کچھ ناسازی معلوم
 ہوتی تھی پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ آئندہ ایسے گھر

سے کبھی نہ نکلنا۔ ہمیں بہت تکلیف ہوتی ہے اللہ کا شکر ہے دردوں کی جانیں بچ گئیں۔ ہم سمجھ گئے کہ ضرور اُس حال میں آپ کی غائبانہ درد ہمارے کام آتی۔ ہم نے آپ کے قدموں کی بلائیں لیں اور رخصت مانگی۔ اور بحفاظت گھر واپس آئے۔

حقیقت امر عزوجل نے آپ کو جملہ امراض کا شافع بنایا۔ لا علاج مریض شفا پاتے دیکھے۔ فرمایا کرتے دوا کا استعمال سنت سمجھ کر کیا کرو۔ شفا من جانب اللہ ہے۔ اگر کوئی مریض آپ کی بتائی ہوئی دوا میں معتدلتا سار دوا بدل کر لیتا تو آپ اسے ناراض ہوتے۔ فرماتے کہ ایسا کیوں کیا۔ کیا میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہوں۔ مجھے تو جس چیز کی آگاہی ہوتی ہے وہی نسخہ تجویز کرتا ہوں۔ خواہ مخواہ دوا بدل کی ضرورت نہیں عموماً اس ضمن میں ایک روایت بھی بیان فرمایا کرتے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر اپنے رب سے ہم کلام ستھے کہ آپ کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا جس کا ذکر اللہ عزوجل کے حضور کر دیا۔ جواب ملا کہ آپ کے پاؤں کے نیچے جو بوٹی ہے اسے توڑ کر کھالیں۔ حسب ارشاد عمل کر کے درد جاتا رہا کسی اور روز جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر میں ہی تھے اُسی درد میں دوبارہ مبتلا ہو گئے۔ باہر جنگل میں جا کر وہی بوٹی اکھاڑ لی اور کھالی لیکن درد کا آفاقہ نہ ہوا۔ ہم کلامی کے لئے طور پر پہنچے۔ درد کا شکوہ کیا۔ جواب ملا کہ پہلی دفعہ درد کا بند ہونا ہمارے فرمانے کی وجہ سے تھا بوٹی وغیرہ کی تاثیر نہ تھی۔ مؤثر حقیقی میں ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر یہ حکیم وغیرہ کس حیثیت میں ہیں۔ فرمایا۔ کہ ان کی روزی کا باعث اور مریض کی تسلی کا باعث یہ دوائیں پیدا کی گئی ہیں۔

رحمت حق بہا نہ می جوید

انتقال

صاحب امر حضرت کی مقدس زندگیاں بجا و داں - پیہم دواں ہر دم
 جوان کے مصداق ہوتی ہیں - ان کا جینا مرنا یکساں ہوتا ہے - بلکہ ظاہری
 زندگی کے بعد یہ پہلے کی نسبت زیادہ روحانی آزادی پاتے ہیں - آپ
 فرمایا کرتے تھے کہ ظاہری زندگی میں صاحب امر کی مثال تلوار کی سی ہے -
 جو میان میں ہو اور آنکھیں بند کرنے کے بعد اس تلوار کی ہے جو میان سے
 باہر ہو - مجھے یاد ہے کہ آپ کے وصال شریف سے چند روز پہلے ایک
 دوست نے ڈرتے ڈرتے اپنا خواب بیان کیا - اس نے کہا کہ میں نے
 آپ کو اس دنیا سے انتقال فرماتے دیکھا آپ نے فرمایا کہ فکر کرنے کی
 ضرورت نہیں یہ ورازی عمر کی دلیل ہے - اور ساتھ ہی کناشتہ ایک مثال
 بیان فرمائی کہ لہب کی بتی اگر بغیر چمچی کے ہو تو روشنی کم ہوتی ہے اگر اس
 پر چمچی کا خول چڑھا دیں تو روشنی تیز ہو جاتی ہے - ہم سمجھ گئے کہ یہ ہر وہی
 چراغ تیز تر روشنی پانے کے لئے آمادہ ہے - منگل کی شام تھی حسب معمول
 دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ در اقدس پر حاضری دی - ستمبر کا مہینہ تھا ابھی
 گرمی پوری طرح سے دور نہ ہوئی تھی - فرمانے لگے کہ کرسیاں ذرا گلی
 میں کر لیں تاکہ باہر کی ہوا آئے - چنانچہ حسب ارشاد چار پانچ کرسیاں
 باہر گلی کی دیوار کے ساتھ دونوں طرف لگا دیں - آپ رونق افروز ہوئے
 میں نے کوئی دفتر کے شکوے شکایات شروع کر دیے اور افسران
 بالا کی دین سے بے توجہی کا بھی ذکر کیا آپ نے آہستہ آہستہ اپنے انداز
 میں ہمیں ایک ایک افسر کا بتایا - فرمایا کہ پاکستان بننے سے ان کو پیٹ
 بھر کر روٹی مل گئی ہے اور یاد خدا بھلائے بیٹھے ہیں - مجھے آپ کے

آخر ہی الفاظ جو رخصت ہونے سے پہلے آپ نے فرمائے۔ نقش کا انجمن ہو گئے آپ نے فرمایا ”یوسف صاحب راستہ ہی سیدہ صاحبہ سے یہ اور بات ہے کہ کسی کو کم یا کسی کو زیادہ مل جائے۔ اس سے نہ پھرنا“ سالانہ عرس میں نو دس دن رہتے تھے۔ اسی آخر ہی محفل میں عرس کے متعلق بھی محوڑ ہی سی گفتگو فرمائی۔ مہربان کا وقت ہونے والا تھا۔ رخصت طلب کی تاکہ نماز مہربان گھر میں ہی جا کر ادا کر سکیں نماز کے بعد کھانا کھایا۔ ابھی نماز عشاء سے فارغ ہو ہی تھا کہ باہر سے ہمارے ایک دوست نے آواز دی۔ میں باہر گیا۔ اس نے آپ کے وصال کی غیر متوقع خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون رات قلعہ گوجر سنگھ گزاری۔ صبح اخبارات میں دوستوں نے خبر پڑھ لی۔ سارا دن دفن و تدفین کے مشوروں میں گزرا۔ ایک صندوق بھی تیار کر دیا گیا۔ اس میں روٹی رکھی گئی۔ نماز عصر سے پہلے سول پولیس لائنز قلعہ گوجر سنگھ کی بڑی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مفتی اعظم پاکستان قبلہ سید صاحب مازلہ امام ابنے پھر انور دکھایا گیا۔ رخسار سرخ۔ آنکھیں بند۔ اور لبوں پر محوڑ ہی سی مسکراہٹ مجھے آپ کا ایک قول یاد آ گیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی میت ایسی ہوتی ہے کہ جنازہ پڑھنے والوں کی دعاؤں سے بخشنی جاتی ہے اور کوئی میت ایسی ہوتی ہے کہ اس کی طفیل تمام کے تمام جنازہ پڑھنے والے بخشنے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ آپ نے قبلہ بابا جی کی نماز جنازہ کے بعد اپنی مختصر سی وعظ شریف میں بیان فرمائے تھے تمام شہر میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر بھی نماز جنازہ کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ اس لیے سارے کاسارا گراؤنڈ مشتاقان دیدار سے بھرا پڑا تھا۔ جسید مبارک کو صندوق میں رکھا گیا۔ اور بذریعہ ٹرک، منجروال لایا گیا۔ قبر

کے ساتھ ساتھ چار دیواری چھٹی گئی۔ ضدِ دق رکھا گیا اور اوپر سے لنگر کر دیا گیا۔ سائیں رحیم بخش صاحب نے اسی وقت سے منصب مجاور ہی سنبھالا۔ میں بلاناغہ کوئی تقریباً دو سال تک ہر اتوار اسی مسطح مزار پاک پر حاضری دیتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے دل نے تسلی کے آثار پائے۔ اتوار کی صبح آدھی رات کے بعد ہی سائیکل پر روانہ ہو جاتا۔ فجر کی آذانوں سے پہلے ہی صحبت کا شرف حاصل کرتا سڑک پر سے ہی مزار اقدس پر ٹھٹھاتا چراغ دیکھ کہ دل ڈھارس پکڑتا۔ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر سائیں صاحب سے بھی ملتا۔ سائیں صاحب نے اپنا ڈیرہ ایک قریب والے بن کے درخت کے نیچے لگا رکھا تھا۔ صحبت پار کے علاوہ کوئی اور ساز و سامان نہ رکھا تھا۔ ہم دوست اس کی اس زندگی سے حیران ہوتے لیکن اسے پورا مطمئن پاتے۔ حکومت کی طرف سے تیس چالیس روپیہ ماہوار پنشن سے گذرا وقت کرتا۔ سالانہ عرس جو آپ کے وصال شریف کے نو دن بعد ہوتا تھا۔ وہ بجائے قلعہ گوجر سنگھ کے اب منجروال ہوا۔ تمام احباب حاضر تھے۔ تعمیر مزار اقدس وغیرہ کے مشورے ہوتے۔ رقم اکٹھی کی گئی۔ وعدے لئے گئے جوں جوں کوشش کی گئی تعمیر والا مسئلہ التوا میں ہی پڑتا گیا۔ آخر ۱۹۶۱ء بروز اتوار مزار اقدس کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ چھ فٹ چوڑی بنیادوں پر مہشت پہلو تعمیر اٹھائی گئی۔ ایسے ہی باہر والا برآمدہ۔ گنبد خنجر کی پیمائش پر اس مزار اقدس کا گنبد بنایا گیا۔ عرصہ چھ ماہ میں تعمیر کا ڈھانچہ طیار ہو گیا۔ معماروں نے دوارِ تعمیر میں ہی اپنی حاجتیں پوری پائیں۔ مشتری صاحب نے جن کی نگرانی میں یہ کام ہو رہا تھا مجھے بتایا کہ اتنی قلیل مدت میں اتنی بڑی عمارت کی تعمیر ایک کراہت سے۔ بڑی بات یہ کہ گنبد معالی کی گولائی کو بغیر کسی آسیرے سے اٹھایا اور مکمل کیا گیا۔ گنبد کی تقریباً ہر اینٹ جھکاؤ میں ہوتی ہے جس کے لئے

1961

گو وغیرہ کا بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہم نے جو اینٹ بھی سیمنٹ سے چمٹا کر لگائی اور جس حالت پر رکھی گئی وہ ہلی نہیں وہیں جم گئی۔ کسی آسرا وغیرہ کے لگانے کی زحمت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ تمام اینٹیں جھکتی۔ جتنی بھرتی گنبد کی چوٹی سے جا ملیں۔ اور ایک مثالی گنبد طیار ہو گیا۔ تعمیر کی وجہ سے صاحب اسر کی وجاہت کی آئینہ دار بنی۔ اس ظاہری وجاہت نے احباب کے علاوہ دوسرے لوگوں کی توجہ بھی اپنی طرف کھینچی۔ حسب معمول سالانہ عرس شروع ہو گئے۔ بعدہ ماہانہ مجالس کا آغاز بھی ہو گیا۔ میرے ساتھ چند دوستوں نے مشورہ کیا کہ عرس شریف کی رات کے علاوہ سال کی باقی مخصوص راتیں بھی اسی آستانہ پاک پر گزاریں پچانچہ شبہائے قدر۔ برات۔ معراج اور آخری چہار شنبہ میں بھی حاضری شروع کر دی۔ وجہ یہ عمارت بن چکی تھی۔ سائیں صاحب کی کٹیا بھی اب پکی اینٹوں سے طیار کر لی گئی تھی اس لئے رات کی رہائش میں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ باقاعدگی سے حاضری دیتے ساری رات قبلہ حضرت صاحب کی معیت میں گزارتے لطف اٹھاتے۔ ہر حاضری پر ایک نیا انداز اور ایک نئی کیفیت ہوتی۔ پُر لطف شفقتیں پاتے پُر سرور نظارے مشاہدہ کرتے۔ ایک ایک کوروشنائی کا رنگ دینے لگوں تو شاید نہ دے سکوں ایک شب قدر پر ہی اکتفا کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

شب قدر

آپ کی تصنیف رسالہ رمضان المبارک میں آپ نے ایک شڈول دیا ہوا ہے جس میں لیلتہ القدر کا اندازہ کسی بزرگ کے اسی سالہ تجربہ کی بنا پر درج ہے۔ کہ اگر رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو فلاں دن ہو تو

لیلۃ القدر فلاں تاریخ کو واقع ہوگی۔ ہم چند دوست اس شذول کے مطابق ایک یوم کی رخصت لے کر سرشام ہی ہنجر وال پہنچ جاتے افطاری و سحری کا سامان ساتھ لے جاتے ساری رات قبلہ حضرت صاحب کے قدموں میں گزرتے سخت سردیوں کے دن تھے حسب معمول ہم چھ دوست ہنجر وال شریف پہنچے۔ شذول کے مطابق اس سال لیلۃ القدر ستائیسویں کی رات آتی تھی۔ افطاری کے بعد ساتیں صاحب کو سحری کے اہتمام کا کہہ دیا خود سب دوست روضہ کے اندر داخل ہوئے سردی سے بچاؤ کی خاطر روضہ کے دیروں میں مصلے تان دئے بات چیت و نعت خوانی کے بعد نماز عشاء کے لئے کھڑے ہوئے شہر سے دور ایک سنسان وادی میں ایک فلک بوس عمارت کے نیچے رات کی تنہائی میں یہ چھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت اپنے شیخ کے قدموں میں اپنے رب سے حضور نماز تراویح کے لئے کمر باندھتی ہے۔ اُس زمانہ میں مجھے کچھ اوپر پانچ پارے حفظ ہو چکے تھے۔ دوستوں کی تمنا تھی کہ انہیں بیس رکعتوں میں دوہرایا جائے اس لئے مجھے امام بننا پڑا۔ سحری تک کا وقت اپنے میں تھا۔ فضا بھی پرسکون اور سازگار تھی دو دو رکعت کی نیت کر لیتے اور سلام کے بعد بات چیت میں قبلہ حضرت صاحب کے محاسن کا ذکر چھڑ دیتے ”واذا اطمئنتوا فاقیموا الصلوة“ کے تحت پھر دو رکعت پڑھ لیتے اسی طرح کرتے کرتے رات کے تقریباً اسی بجے تک ہم نے سورہ تراویح ختم کر لیں۔ اس کے بعد پھر ذکر یا رچھڑ گیا۔ میں باہر نکلا۔ میرے ساتھ باقی دوست بھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں تاروں کا منظر کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ مبارک باد دے رہا ہے۔ بہر دوست شاد شاد نظر آتا تھا۔ میں علامہ ڈاکٹر اقبال کے ”باقی نامہ“

سے جو اشعار مجھے یاد تھے روضہ کے باہر کھلی فضا میں گنگنا
رہا تھا۔

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

سب دوستوں نے وضو پر وضو کئے اور تازہ دم ہو کر باقی ماندہ
چار رکعتیں سحری سے پہلے ختم کرنے کے عزم پر کھڑے ہوئے
یہ کوئی ۱۲ بجے رات کا عمل ہوگا۔ تکبیر تحریمہ کے بعد تسبیحات سری
پڑھیں۔ سورہ فاتحہ کا پہلا لفظ الحمد ہی ابھی کہا ہوگا کہ رقت شروع
ہو گئی۔ برداشت کی سعی کی ساتھ ہی پانچوں کے پانچوں مقتدی احباب
کی سسکیاں بھی شروع ہو گئیں۔ رونے اور پڑھنے سے جو قرأت
وجود میں آئی وہ سنائی۔ سورہ فاتحہ ایک متشکل تفسیر میں نظر آ رہی
تھی۔ سب کے سب بے بس تھے۔ حقیقت امر کے حضور صاحب امر
کے جوار میں قدموں کی جانب ہاتھ باندھے زار و قطار رو رہے ہیں۔
اور سبب گریہ سے سب بے خبر۔ کبھی خیال آئے کہ یہ تمام قبلہ
حضرت صاحب کے تصرف کا اثر ہے۔ پھر خیال آئے کہ اگر تصرف
کا اثر ہوتا تو پہلے سولہ تراویح میں کیوں نہ ہوا۔ وغیرہ۔ لیکن شب قدر
کی کیفیت اور ساعت کا ہم میں سے کسی کو بھی خیال نہ آیا۔ اور یہ بہتر رہا
اگر آجاتا تو شاید نماز سے فارغ ہونا پڑتا اور اغراضنی التجاؤں میں
مشغول ہو جاتے۔ کرم کرنے والے نے بہتر جانا کہ اس جماعت کو
فی الصلوٰۃ ہی رکھا جائے تاکہ اجر زیادہ پائے۔ نہ یہ حضور ہی سے علیحدہ
ہوں اور نہ ماسوا سے کا دھیان آئے۔ فاتحہ کے بعد پانچواں پارہ جہاں

سے چھوڑا تھا پڑھنا شروع کر دیا۔ رولیتا اور بھڑائی ہوئی آواز سے
پڑھ لیتا۔ نہ جہت قبلہ کا خیال رہا یہ بات مجھے دوستوں نے بعد
میں بتائی اور نہ پوری طرح سے اپنی ہوش۔ مقتدی دوست اور
میں خود حیران تھا کہ کون پڑھ رہا ہے اور کس کی آواز ہے۔ قیام سے
زیادہ رکوع میں اور رکوع سے زیادہ سجود میں زار ہی بڑھتی گئی۔
دونور کعتوں میں چھٹا پارہ تاحد حفظ ختم کیا۔ تشہد۔ صلوٰۃ و سلام
اور ماتورہ دعاؤں نے قیام و رکوع و سجود سے بڑھ کر رنگ دکھایا
معلوم ہوتا تھا کہ سلام کے بعد یہ سیلاب ٹھٹھاتا تو نظر نہیں آتا۔ سلام
پھیرتے ہی سب کے سب دوست قبلہ حضرت صاحب کے
مزار اقدس سے لپٹ جائیں گے کہ یہ آج رات کونسی منزل طے کرانی
جاری ہے جو اس قدر گریہ سے وابستہ ہے۔ لیکن آپ یہ پڑھ کر
حیران ہوں گے کہ جو نہی سلام کے بعد ہم نماز سے فارغ ہوئے۔
ایک لخت وہ گریہ و زاری وغیرہ کا عدم ہو گئی اور اس کی جگہ فوراً
مسرت و اینساٹ نے لی۔ ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر منہس
رہے تھے اور کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ آخر سکوت ٹوٹا۔
خوب خوش ہوئے۔ اب خیال آیا کہ یہ دو رکعتوں والی کھڑیاں
لیلۃ القدر کی ساعتیں تھیں خیال نے یقین کی جگہ لی۔ خوشی سے
پھولے نہ سمار رہے تھے ہم سب نے بیدار ہی میں اور لطف یہ
کہ سنت موکدہ میں یہ وقت پایا۔ باقی دو رکعتیں تراویح اور وتر وغیرہ
سے فارغ ہو کر سحری کے لئے مصلے چھوڑے نماز فجر ادا کرنے کے
بعد باہر کھلے میدان میں سورج کے طلوع کا انتظار کیا۔ جب اس
کی بھی کوئی کرن نہ پائی تو یقین اور پختہ ہو گیا۔ گھر آنے پر میں نے
تفسیر رونی اٹھائی۔ سورہ لیلۃ القدر کی تفسیر میں دیکھا کہ لیلۃ القدر

کے تمام کے تمام نشانات اس رات پورے اُترے۔ صاحب تفسیر نے یہ بھی لکھا کہ رات کی اس گھڑی میں اگر کوئی ایک آیت پڑھ لے تو اسے ایک قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے پانچویں اور چھٹے پاروں کی گنتی شروع کی تو معلوم ہوا کہ اُن دو کعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ ایک سو باون آیات پڑھی گئی ہیں۔ یہ سعادت آخر کس کے قدموں کے صدقے میں ملی۔

یہ فیض کون سے ابو فیض کا مرہونِ منت ہوا۔ شبہائے قدر آتی رہیں اور آتی رہیں گی۔ اہل نصیب اسے پاتے رہے اور پاتے رہیں گے۔ لیکن جس انداز میں قبلہ حضرت صاحب نے ہمیں اپنے پاس بلا کر مہربانی فرمائی اس کی مثال الاما شا اللہ ملنی محال ہے۔ آپ نے اپنی حیاتِ طاہرہ طیبہ میں بھی کسی سائل کو رو نہ فرمایا۔ بلکہ سائل کا دامن عقیدت پوری طرح بھر کر واپس کیا۔ اسی طرح اپنی اس زندگی میں بھی ایک ساعت میں ”حیدر مت الف شہر کے نشے چڑھا دے۔ کیوں نہ ہو سلطان لا تنہر صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے منظر اور قلندر زمان جو ٹھہرے۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خلیفہ و علی آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

روپائے صادقہ

وصال شریف سے چار پانچ سال قبل اور چار پانچ سال بعد آپ بلا ناغہ ہر رات مجھے خواب میں دیدار سے مستشرف فرماتے رہے۔ ظاہری حیاتِ طیبہ میں نے ایک دو بار کوشش کی کہ اس کیفیت کو آپ سے بیان کر دوں۔ ہر بار مجھے خاموش رہنے کا حکم ہوا۔ میں حیران

تھا کہ آپ سب کے خراب سماعت فرماتے ہیں اور ان کی تعبیر بھی
 بیان کرتے ہیں۔ لیکن آخر یہ التفات مجھ پر کیوں نہیں ہوتا۔ جوں جوں
 اس راز کا انکشاف ہوتا گیا آپ کی تشریف آوری بلا ناغہ نہ رہی۔
 سب سے پہلی بار مجھے اس بات سے آگاہی اپنے ایک دوست کے
 کسی دوست کی معرفت ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک شام میرے
 دوست منیر صاحب میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ کہنے لگے
 کہ چلیں رات منیر وال گزاریں۔ اس زمانہ میں وصال شریف کو ابھی تھوڑا
 عرصہ ہوا تھا۔ مزار اقدس مسطح ہی تھا۔ ہم دونو بھائی قبلہ حضرت صاحب
 کے جوار میں اینٹوں کے سرہانے بنا کر لیٹ گئے۔ نماز عشاء کے بعد ہم
 نے دیکھا کہ مزار اقدس پر دو صاحب حاضری کے لئے آئے ہیں۔ اور
 مراقبہ میں بیٹھ گئے ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ دونو صاحب ہماری جانب آئے
 ان میں سے ایک ہمارا پیر بھائی تھا اور دوسرے صاحب کوئی ان کے
 دوست تھے جو کشف میں مہارت تامہ رکھتے تھے وہ کشمیر کے رہنے
 والے تھے۔ اور مزارات کی حاضری کا شغل رکھتے تھے۔ دونو سلام و دعا
 کے بعد ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ رات کی تاریکی کی وجہ سے دوسرے صاحب
 کا چہرہ نمایاں طور پر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اُس نے بیٹھتے ہی کہنا شروع کر
 دیا کہ اس وقت قبلہ حضرت صاحب اپنی اس جگہ پر نہیں ہیں بلکہ کہیں دوسری
 جگہ تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ ہم دونو بھائیوں نے اُس کے ان الفاظ
 کو میچ جانا منیر صاحب بولے کہ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ قبلہ حضرت صاحب
 آپ سے مننے کو طیار نہیں۔ ابھی ہم دونو بھائی حاضری دے کر آئے ہیں۔
 اور آپ ہم سے ملائی ہوئے ہیں۔ خیر کشمیری صاحب نے بجائے کچھ
 جواب دینے کے ہمارا مکاشفہ شروع کر دیا۔ اپنے ساتھی سے کہنے
 لگا کہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سالوں سے اپنے پیر کی شکل بلا ناغہ

خواب میں دیکھتے ہیں اور اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صاحب حضور ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کچھ کھٹکا سا محسوس کیا کہ اس کا اشارہ میری طرف ہے۔ لیکن تصدیق کے لئے ابھی وقت درکار تھا۔ جلوہ رخ بدستور آتا رہا۔ لیکن نیند بن کر۔ خوابوں میں آپ کی تشریف آوری یہی لیکن بغیر کسی کلام کے۔ شرف دیدار سے مجھ پر رقت طاری ہو جاتی۔ اس حالت میں قدموں سے لپٹ جاتا عرض حال سناتا۔ لیکن خواب میں سوائے کبھی کبھی مسکراہٹ کے کچھ نہ پایا۔ سارا دن پُرسور گزرتا۔ آخر ایک رات یہ صاحب امر اور صودت امر صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اکٹھے اسی صاحب امر کی شکل میں جملہ اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھے گئے۔ دونوں میں کوئی فرق نہ پایا۔ فلم الیقین نے عین الیقین کی جگہ لی۔ دیکھ لیا کہ یہی صاحب امر کانوں میں میم کی مندریاں ڈالے راتوں کو شرف دیدار سے مشرف فرماتا ہے۔

سے پری پیکر نگارے۔ سرو قد سے۔ لالہ رخسارے

سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم و خسرو
صرف میں ہی نہیں اس حلقہ کے تمام احباب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ اپنے مرتبہ قلندر کی بدولت اس صاحب امر نے اپنے غلاموں کے لئے درمیانی تمام واسطے منقطع کر دیے ہوئے ہیں۔ جس کو پکڑا سیدھا صودت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کر دیا۔ اور درمیانی واسطوں کے لئے جو جو ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہوتے ہیں اُن سب سے بے نیاز کر چھوڑا۔ اللہ عزوجل ہر قسم کی ریا سے محفوظ رکھے۔ صرف اپنے احباب کی روحانی تقویت کے لئے یہ سخنہائے ناگفتی تحریر میں لا رہا ہوں۔ ورنہ میں اور میری بساط کیا۔ دوستوں کی مزید قلبی طمأنینہ

واستقامت کے پیش نظر ایک اور خواب تحریر کئے دیتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک سبز شیشہ کی بنی ہوئی عالیشان عمارت ہے۔ جس کے بڑے دروازے کے اوپر سبز جلی حروف میں ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا ہے۔ اور اس کے ارد گرد دور دور تک بھی سبز شیشوں کا ڈھلوان دار نہایت خوب صورت فرش ہے۔ پاؤں پھسلے جاتے ہیں آخر بیٹھے بیٹھے ہی خود بخود ڈھلوان کی وجہ سے اس عمارت میں داخل ہو گیا اندر ایک مزار اقدس دیکھا جس میں سے نورانی شعاعیں نکلتی نظر آئیں۔ میرے ساتھ ایک میرا دوست بھی تھا۔ جسے میں نے کہا کہ آپ واپس چلے جائیں۔ میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار کر کے ہی آؤں گا وہ واپس ہو گیا کہ ابھی شق ہونے والا ہے۔ جتنی دعائیں یاد آئیں مانگیں نشان قبر الگ ہوا۔ ایک ہستی کو لیٹے پایا۔ جس نے لیٹے لیٹے ہی اپنا سر مبارک پھیر کر میری طرف دیکھا۔ میں حیران ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ یہ چہرہ مبارک قبلہ حضرت صاحب کا ہے۔ آپ نے رہ رہ کر تین بار میری طرف چہرہ مبارک کیا اور فرمایا کہ اب واپس جاؤ ہم نے تین بار اپنا آپ آپ کو دکھا دیا ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

راہ طریقت میں آپ کی عطائیں اپنے دوستوں پر بغیر مانگے ہوتیں۔ میں نے ایک سلفی نلتھی فقیر کا فارسی قلمی منظوم کلام پڑھا۔ اُن کا ایک مصرع مجھے یاد آگیا۔

پیر در کار تو تو در خواب

میں نے یہ وصف قبلہ حضرت صاحب میں پایا۔ آپ ہزاروں گتھیاں دوست کے ایک خواب میں ہی سلجھا دیتے۔ آپ کے حریم پاک میں عرض حاجت نہ ہوتی۔ کسی معراج کی رات میں نے خواب میں دیکھا

بزرگ در جلال و جمال کھڑے لگا۔ میں سمجھ گیا۔

کہ قبلہ حضرت صاحبؑ کی معیت میں مختلف دیہاتوں اور شہروں کا سفر کر رہا ہوں۔ اور حسب ارشاد ہر دن کی ڈائری لکھنے جا رہا ہوں جو کہ رات کو سونے سے پہلے قبلہ حضرت صاحبؑ کو سنائی جاتی ہے۔ اس طرح سفر میں آٹھ دن رات گزرتے ہیں۔ کہ میری آنکھ کھل گئی مصراع کا مسئلہ مشاہدہ میں آگیا۔ اور کسی دلیل کا محتاج نہ رہا۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ واضح یہ ہوا کہ ایک صاحب امر کے ظاہری آنکھوں سے روپوش ہو جانے سے نسبت رکھنے والے کے لئے راہ طریقت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ نسبت درست رہے یہ کٹھن راستے طے ہو ہی جاتے ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

مقولات حسنہ

جن حضرات کو قبلہ حضرت صاحبؑ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ بخوبی واقف ہیں کہ کس طرح آپ کے الفاظ دل کی گہرائیوں میں اترتے جاتے تھے۔ میں نے اس کتاب کے ہر دو حصوں یعنی نکات و واقعات میں کوشش کی ہے کہ قارئین کرام تک آپ کے ارشادات زیادہ سے زیادہ پہنچ جائیں۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل مقولات بھی جو آپ اکثر اپنی زبان مبارک پر لایا کرتے تھے تحریر کئے دیتا ہوں۔ چھوٹے چھوٹے سادہ ساؤ فقروں میں کیسی جامعیت بھری ہوتی ہے۔ میں نے یہ مقولات اپنی ساری زندگی میں نہ کہیں پڑھے اور نہ سوا سے قبلہ حضرت صاحبؑ کے کسی اور سے پہلے سنے گئے۔

۱ :- فرمایا کرتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا باپ نہیں اسی لئے محبت نیچے کو آتی ہے۔ اوپر نہیں جاتی۔

۱۲۔ فرمایا کرتے۔ ایک باپ دس بیٹوں کی کفالت کر سکتا ہے۔
لیکن دس بیٹے ایک باپ کے کفیل نہیں بن سکتے۔
۱۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہ طور کے تذکرے کے تحت فرمایا
کرتے۔ کہ انوار الہی اگر ایک درخت پر آسکتے ہیں تو انسان جو اشرف المخلوقات
ہے اس کا زیادہ حقدار ہے۔

۱۴۔ اسی ضمن میں فرمایا کرتے کہ متلاشی کی خواہش کے رنگ میں
جھلک مار کر مقام قرب سے نوازنا سنت اللہ ہے اور اکثر اولی الامر
حضرات اہل سلوک کی منازل ایسے ہی طے کراتے ہیں۔
۱۵۔ فرمایا کرتے کہ مہنگائی کی اگر یہی رفتار رہی تو ویسی گھی صرف
نسخوں میں ہی استعمال ہوا کرے گا۔

۱۶۔ فرمایا کرتے کہ اپنے جوارح قابو پانے سے تمام کائنات بس
میں آجاتی ہے۔

۱۷۔ فرمایا کرتے کہ شہر کا سیب اور گاؤں کا شلجم ایک جیسی خاصیت
رکھتے ہیں۔

۱۸۔ فرمایا کرتے کہ باسی روٹی مکھن کے ساتھ اور ایک نمکین گاڑھی سستی
کا پیالہ پیر تکلف شہری ناشتہ کا مقابلہ کرتا ہے۔

۱۹۔ فرمایا کرتے کہ تنہا ڈاڑھی میں اسلام نہیں بلکہ اسلام میں ڈاڑھی
ضرور ہے اسی طرف صرف نماز میں اسلام نہیں بلکہ اسلام میں نماز ضرور
ہے و علیٰ ہذا القیاس۔

۲۰۔ فرمایا کرتے کہ بنی آدم کسی حالت میں بھی روٹی سے مہنگا
نہیں پڑتا۔

۲۱۔ فرماتے کہ اللہ عزوجل کی مہربانی سے جملہ انبیاء علیہم السلام کو جو حارہ
ملے انہوں نے اپنے پیغمبروں کا صدق دل سے پورا پورا ساتھ دیا۔ اور

اللہ عز و جل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ساتھی عطا فرمائے وہ خائن و غاصب (لعوذ باللہ من ذلک) ٹھہریں کیسی نامعقول اور بے بنیاد بات ہے۔

۱۲۔ فرمایا کرتے کہ جس کا انتظار کرنا پڑے اُس کو بہتر ہے کہ ساتھ لے کر چلے۔

۱۳۔ فرمایا کرتے کہ کفار نے کونسی طاقت پر قابو نہیں پایا اور کون سی معرفت حاصل نہیں کی۔ انہیں نہیں ملی تو اپنے رب کی معرفت نہیں ملی۔ اور اس محرومی سے وہ آخرت میں موجب غضب جبار ہوں گے۔
۱۴۔ فرمایا کرتے کہ خوش قسمت مزدور ہے وہ جو سارے دن محنت مزدوری کے بعد شام کو اپنے گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ کھانا کھائے اور رات بسر کرے۔

۱۵۔ فرمایا کرتے کہ ہندو جہاں سے سا ہو کار کو مارنے کے لئے صرف ایک ماچس (دیاسلائی) کی ضرورت ہے جس سے اس کے کارخانہ کو آگ لگائی جائے۔ اور اُسے پنکھے کی ہوا دیتے اطلاع کر دی جائے وہ خود بخود دم بخود ہو جائے گا۔

۱۶۔ فرمایا کرتے کہ دنیا کا استعمال فقیر سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔

۱۷۔ فرمایا کرتے کہ کسی مزار پر حاضری کے وقت اگر رقت طاری ہو۔ تو یہ اہل مزار کی توجہ کی دلیل ہوتی ہے۔

۱۸۔ فرمایا کرتے کہ مہمان کے آنے پر دل میں کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ وہ اگر تم پر احسان کرتا ہے اور تمہاری میل کچیل اتارتا ہے۔

۱۹۔ فرمایا کرتے کہ سوائے مال اور باپ کے۔ یہ دو ایسے راستے ہیں کہ اگر منقطع ہو جائیں تو دوبارہ وابستہ نہیں ہو سکتے۔ برخلافت

باقی تمام رشتوں کے کہ ان کا ظہور ممکن ہے۔

۲۰: فرمایا کرتے کہ کلام الہی کی ایک آیت کا انکار و شک سارے قرآن کا انکار ہوگا۔

۲۱: آپ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپ بالانخانہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ ہم دو دوستوں کو اوپر بلوایا۔ کچھ دیر بعد دونوں دوست واپس نیچے اترے اور گلی میں کھڑے کھڑے کسی گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ آوازیں بلند ہوئیں۔ قبلہ حضرت صاحب نے اوپر ہی سے سن لیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادہ کے ہاتھ ایک کاغذ کا پرزہ پسنلی خط میں لکھا ہوا بھینچا۔ ہم دونوں دوستوں نے جب وہ فقرہ پڑھا تو لبوں پر مہر سکوت لگ گئی۔ نہایت شرمندہ ہوئے۔ وہ کاغذ اب بھی میرے بٹوسے میں بطور تعویذ موجود ہے۔ اس پر تحریر ہے۔۔۔۔۔

”اپنی راز کی بات منظر عام پر نہیں کیا کرتے“

۲۲: فرمایا کرتے کہ انقطاع اسباب قرب معرفت کی دلیل ہے۔

۲۳: فرمایا کرتے کہ اہل شہود کے لئے یومنون بالغیب کفر ہے۔

۲۴: فرمایا کرتے کہ حق و ناحق دونوں سے ڈرو۔

۲۵: فرمایا کرتے کہ اور تو اور فقیر ساری دنیا چھوڑ سکتا ہے۔

۲۶: فرمایا کرتے کہ لباس شریعت قیامت تک کے لئے قابل اعتماد ٹھہریگا۔

۲۷: فرمایا کرتے کہ شکاری کو چاہیے کہ شکاری کے لباس میں شکار کھیدے۔

۲۸: فرمایا کرتے کہ دنیا کی کھیتی ناختمی نہیں۔ ہر شے کی باگ ڈور دست قدرت میں ہے۔ جیسے چاہے چلائے۔

۲۹: فرمایا کرتے کہ ساری دنیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صدقہ کھا

رہی ہے۔
 ۳۰۔ فرمایا کرتے پتنگ (گڈھی) اگر اوپر چڑھانی مقصود ہو تو ضروری نہیں کہ منت کش ہوا ہو۔ اور جب اتارنی مقصود ہو اور چرخ الٹی پھرنے لگے تو کتنی ہی تند و تیز ہوا ہو پتنگ نیچے آتی ہی آتی ہے۔
 ۳۱۔ اسی طرح گندم کے پودے کی مثال بیان فرمایا کرتے کہ جب گندم کا خوشہ پکھنے پر آئے اور رنگ تبدیل کرے تو اس کی جڑوں میں چاہے کتنا ہی پانی دو اور کھا ڈالو وہ ہرا نہیں ہو سکتا اس نے گرنا ہی گرنا ہے۔

۳۲۔ فرمایا کرتے کہ بوڑھا آدمی اگر اپنے آپ کھا پی سکتا ہے اور بغیر کسی کی مدد کے رفع حاجت سے فراغت پا سکتا ہے تو سمجھو کہ وہ تندرست ہے۔ پڑھا لے میں دیگر بیماریوں کا اعتماد نہیں۔
 ۳۳۔ فرمایا کرتے کہ کڑوڑوں ٹن پانی آبشاروں سے اچھلتا اور دریاؤں سے بہتا سمندر میں کچھ اس طرح جذب ہوتا ہے کہ قلت و کثرت کا اندازہ نہیں لگ سکتا۔ اسی طرح بحر تو حید میں ساری ہی ساری کائنات جذب ہو رہی ہے۔

۳۴۔ فرمایا کرتے کہ سیّد وہ جو حسین و قیّاض ہو اور اپنا سر قوم کے لئے پیش کرے۔

۳۵۔ فرمایا کرتے کہ ایک صاف ستھرا بلوڑی گلاس دودھ سے بھرا ہوا مینر پر رکھا جائے۔ اور اُس دودھ میں ایک پیشاب کا قطرہ ڈالا جائے۔ کوئی بھی اسے پینے کے لئے طیار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر غالص دودھ بغیر کسی آمیزش کے اُس گلاس میں ڈالا جائے جس کے ارد گرد غلاظت لگی ہو تو اسے بھی کوئی پینے کے لئے اٹھانے کو طیار نہیں۔
 بعینہ دین کا ظاہر و باطن ہے۔ اگر ظاہری شریعت کا تابع نہیں چاہیے وہ

کتنا ہی عالم و فاضل اور خوش اخلاق و کردار ہو قابل قبول نہیں۔ اور نہ وہ جو ظاہری طرح داری رکھتا ہے لیکن عقائد کے لحاظ سے گندہ ہے۔ بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ دودھ بھی پاک ہو اور گلاس بھی صاف ہو۔ پھر حجت قائم ہوتی ہے۔

۳۶:۔ اہل مشاہدہ اور عوام الناس کا فرق بیان کرتے فرماتے کہ میز پر ایک شیشے کے گلاس میں پانی ڈالا جائے دیکھنے میں یہ پانی صاف و شفاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک شخص اپنی آنکھوں پر خوردبین کے شیشے چڑھائے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اس پانی میں تو بیشمار جراثیم نظر آرہے ہیں۔ اپنی اپنی جگہ دونوں راستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صاف و شفاف پانی دیکھنے والے کی آنکھوں پر جب تک وہ خوردبین شیشے نہ لگیں وہ جراثیم کا کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔ اور خوردبین نظر سے جب تک وہ شیشے آنکھوں سے علیحدہ نہ کریں جراثیم کے وجود سے انکار نہیں کر سکتیں۔

۳۷:۔ نام نہاد خشک اور صوفی میں فرق بیان کرتے کئی طرح کی مثالیں دیتے فرمایا کرتے کہ ایک بزرگ اپنے دو صاحبوں سے کہتا ہے کہ خربوزہ کو دل چاہتا ہے۔ دونو صاحب اٹھتے ہیں۔ بازار جاتے ہیں ایک فوراً خربوزہ خرید کر واپس آجاتا ہے اور اس بزرگ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔ دوسرے صاحب خربوزہ خرید کر اسے کاٹتے ہیں۔ کاشوں سے چھلکا علیحدہ کرتا ہے اور نہایت قرینہ سے طشتری میں رکھ کر باادب پیش خدمت کرتا ہے۔ تعمیل ارشاد دونوں نے کیا۔ پہلے کی تعمیل اس کے کام نہ آئی اور دوسرے کی تاخیر بزرگ کا منشا پاگئی اور اس کا کام بنا گئی مجھے سمجھانے کے لئے ایک دفتر میں مثال فرمایا کرتے تھے کہ کسی مزدور کی پیش کردہ عرضی پر کارخانہ کا بڑا افسر لفظ

مثلاً (case) لکھ دیتا ہے۔ جب آپ کے دفتر میں وہ عرضی آتی ہے تو آپ اچھی طرح اس عرضی کو فائل میں لگا کر پوری وضاحت سے اس عرضی پر نوٹ لکھتے ہیں اور افسر بالا کی توجہ پر اس حوالہ کی طرف جو عرضی سے متعلق ہیں مبذول کراتے ہیں تاکہ اُسے انصاف کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ لیکن اگر آپ اسی عرضی کو ویسے ہی فائل متعلقہ پر باندھ کر افسر کی میسر پر رکھ آئیں اور کہیں کہ صاحب یہ ہے اس کا کیس جو آپ نے طلب فرمایا ہے۔ تو خود ہی کہو کہ کہا وہ افسر آپ کے اس عمل سے مطمئن ہو جائے گا۔

۳۸۔ اس دور کے مسلمانوں کی بے راہ روی اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کے ضمن میں اکثر فرمایا کرتے کہ اگر اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یا کوئی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تشریف فرما ہوں تو اپنے رب کی قسم کھا کر کہہ دیں کہ یہ لوگ جو میں دیکھ رہا ہوں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہرگز ہرگز نہیں یہ کسی اور کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔

۳۹۔ فرمایا کرتے کہ بجلی کے انڈے میں جب تک روشنی ہے پروانے فدا ہو رہے ہیں۔ اگر روشنی نہ ہو تو پروانے اس پر حقو کرنے کو بھی طیار نہیں۔

۴۰۔ فرمایا کرتے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت نہیں بلکہ مسلمانوں کی حکومت ہے۔

معمولاتِ حسنہ

عقل و گمان مخلوق ہونے کی حیثیت سے امر پر قابو نہیں پاسکتے۔

حقیقت امر ہو۔ صورت امر ہو یا صاحب امر ہو ان کا ادراک محال۔
جو کچھ ان کے متعلق تحریر کیا جا چکا ہے یا قیامت تک تحریر کیا جائے گا۔
سب عقل کے تحت ہو گا جو مخلوق ہے۔ اور اپنے غیر جنس امر سے
اگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جو بچپن
سے ہی شرف صحبت سے مشرف تھے فرماتے ہیں کہ میں راتوں کو
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس گمان سے حاضر ہوتا کہ
آپ عبادت میں مشغول ہوں گے لیکن میں اُن کو آرام فرماتے پاتا اور
اگر میں اس گمان سے جاتا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے تو میں آپ کو نوافل
میں مشغول دیکھتا۔ یعنی ہر دفعہ میرے گمان کے برعکس ہوتا (مشکوٰۃ شریف)
صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اولی الامر حضرات کا بھی یہی
حال ہے۔ ان کے عمل کی دنیا ہماری تمہاری دنیا سے جدا ہوتی ہے۔
ہمارے نیکیاں ان کی بدیاں اور اُن کی بدیاں ہماری نیکیاں۔ کتنی حد فاصل
ہے۔ جو ان کے لئے جائز ہمارے لئے ناجائز اور جو ہمارے لئے مباح
اُن کے نزدیک مکروہ۔ ہاں وہ دائرہ نزولی میں تشریف فرما ہو کر
عوام الناس کے لئے حجت بنتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کے پر تو سے
انہیں بلندیاں عطا فرماتے ہیں۔

قبلہ حضرت صاحب خود مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ جی۔ اے
اور ایم۔ اے کی تعلیمی اسناد رکھنے والے استاد اپنے شاگردوں
کی تعلیم کے لئے اپنے معیار سے نیچے اُتر کر اُن کے ساتھ ملتے اور انہیں
اوپر لے جاتے ہیں۔ اس طرح عرش پر مصلے طوال کر نماز پڑھنے والے
اور یہاں سے وضو کر کے حرم پاک میں نماز ادا کرنے والے ہماری دستگیری
کے لئے ہم جیسے اعمال بھی کرتے ہیں جو ظاہری شریعت پر پورے اُترتے ہیں
میرا روئے قلم قبلہ حضرت صاحب کے انہیں اعمال حسنہ کی طرف ہو گا۔

شرب زندہ داری :- حضرتیں تو اتنے مواقع میسر نہ ہو سکے لیکن
 آپ کی معیت میں حیب بھی سفر کیا۔ میں نے ان راتوں میں قبلہ حضرت
 صاحب کو اپنی خواب گاہ سے علیحدہ پایا۔ کافی رات گئی آپ نماز عشاء
 ادا فرماتے حضرتیں ہوں یا سفر میں۔ کبھی کبھی نماز عشاء کے بعد مسائل
 بھی بیان فرماتے۔ سونے سے پہلے کوئی دوست اپنی سعادت حاصل
 کرنے کے لئے آپ کے جسد اقدس کو بھی دباتا۔ دوست دبا رہا ہے
 اور آپ لیٹے لیٹے نثر آٹے بھر رہے ہیں۔ آخر فرماتے کہ آرام کرو۔
 دوست اپنی اپنی جگہ آرام کے لئے جاتے اور یہ صاحب امر وضو فرما کر
 اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاتے۔ وہاڑی کی فیکٹری کے کھلے کھلے
 میدانوں میں جو فرش کئے ہوئے تھے۔ میں نے کسی گرمیوں کی راتوں
 میں دیکھا کہ آپ اپنی آرام گاہ سے علیحدہ مصلے پر کھڑے ہیں۔ میں دُور
 سے اپنی چار پائی پر لیٹا آپ کو دیکھ رہا تھا دل نے کہا کہ جب تک رکوع
 نہ جائیں سونا نہیں آئیں نیند نے غلبہ کیا اور آپ کو قیام میں ہی چھوڑے
 مجھے نیند آگئی۔ خبر نہیں کتنی دیر نیند رہی۔ پھر جب کروٹ بدلی تو آپ کو
 سجدہ میں پایا۔ پھر دل نے مشورہ دیا کہ سجدہ کی مدت تو دیکھ لو۔ کچھ دیر انتظار
 کیا میں پھر سو گیا اور آپ ابھی سجدہ میں ہی ہیں۔ صبح کی آذانوں پر جاگا تو قبلہ
 حضرت صاحب کو تشہد کی حالت میں پایا۔ اللہ کا شہر اپنی روحانی وجاہت
 سے تمام عالم پر چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کو اس کیفیت میں دیکھ کر کبھی
 کثرتِ نوافل والی حدیث شریف یاد آرہی تھی کبھی توفیق من جانب اللہ
 کا باب کھل رہا تھا۔ سب کچھ رکھتے ہوئے اپنے رب کا شکر گزار بندہ ہمیں تعلیم
 دے رہا تھا کہ میری پیروی کرو صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو
 جائیگی جس کے نتیجہ میں حقیقت امر آپ سے محبت کریگی۔
 کتابوں کی تصنیف کے بارے میں خود فرمایا کرتے کہ ان کا مسودہ طیار

کرتے کے لئے میرے پاس صرف ایک آدھ گھنٹہ فجر سے پہلے کا ہوتا ہے۔
 چار پانچ پنسلیں گھڑ کر رکھ لیتا ہوں ایک کے ختم ہونے پر دوسری شروع
 کر دیتا ہوں تاکہ تسلسل قائم رہے نماز فجر کے بعد آپ کا معمول تھا کہ بستر
 پر تھوڑا سا آرام فرماتے۔ بہت سے دوستوں کو شاید یہ معلوم نہ ہو گا کہ
 آپ نماز فجر کے بعد آرام فرماتے وقت اپنے اوپر موسم کے مطابق کپڑا
 اوڑھ لیتے اور ایک بہت باریک دانوں والی تسبیح جو عموماً سفر میں
 بھی ساتھ رکھتے پھیرا کرتے۔ مجھے یہ کب معلوم ہونا تھا۔ ایک دفعہ
 سفر میں آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کوئی تسبیح ہے ہمیں آتے
 وقت تحیلا میں تسبیح رکھنی یاد نہیں رہی۔ میں نے عرض کیا کہ قبلہ یہ سنت
 تو میں نے کبھی بھی ادا نہیں کی آپ مسکرائے اور فرمایا کہ نہیں صبح کے وقت
 مجھے اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر آپ
 وہی سفید عمامہ زیب سرگئے جس کا ذکر کہیں پہلے آچکا ہے ایک نرالی
 سیج و صبح سے بالا خانہ کی سیڑھیوں سے آہستہ آہستہ ایک عجیب آہٹ
 سے نیچے اتر رہے ہیں مشتاقانِ جمال پہلے ہی سے ہلچک میں موجود ہیں۔
 کانوں نے آہٹ کا انداز پہچان لیا خدائی مسکراتی نمودار ہوئی۔ سب
 کے سب استقبال کے لئے کھڑے ہیں۔ حاضرین میں سے ہر ایک
 شرف مصافحہ لیتا ہے۔ آپ بڑی طمانیت سے لبوں میں ہی مسکراتے
 تخت پوش پر تشریف فرما ہیں۔ دربار لگ گیا اور خلق خدا کی بگڑیاں
 بنی شروع ہو گئیں۔

ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں۔ یہ ایک طویل مضمون ہے۔
 اجمالاً کہیں پہلے تحریر کر چکا ہوں۔ رجوع فرمائیں۔ یہ دربار کوئی بارہ
 ایک بجے دوپہر تک رہتا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد قبیلہ فرماتے
 مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک روز گرمیوں میں آپ دوپہر کے وقت

بلٹھک میں ہی آرام فرما رہے تھے۔ دروازے بند تھے تاکہ روشنی کم آئے۔ میں پاؤں دیا رہا تھا۔ عین آپ کے آرام کے وقت ایک سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اسے اندر آنے کی اجازت ملی۔ اس نے جو بات کہنی تھی کہی اور چلا گیا۔ میں نے عرض کیا کہ سرکار۔ کیا ہی اچھا ہوا اگر آپ بھی مولانا مودودی کی طرح بلٹھک کے باہر اوقات ملاقات کا ایک بورڈ لگا رکھیں تاکہ آرام کے وقت کوئی محفل نہ ہو۔ فرمانے لگے کہ یوسف صاحب بات تو ٹھیک ہے۔ اللہ عزوجل نے بھی پردے کے اوقات کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن کیا کریں فقیر کا درجو ہوا۔ یہ کسی وقت بھی بند نہیں رہنا چاہیے۔ درویش معمور ہوتا ہے۔ ہمارے ذریعہ سے کسی سائل کی طلب حاصل ہو جائے تو کیا ہرج۔ سبحان اللہ۔ یہ بھی آپ کی بلند عیٰ خاطر داری۔

نمازِ ظہر آپ عموماً بالاخانہ میں ہی ادا فرماتے۔ دوسری مجلس کا آغاز نمازِ ظہر کے بعد ہوتا اور عشر تک رہتا۔ اس مجلس میں زیادہ تر دفتری لوگ ہوتے جو اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر صحبت کا شرف حاصل کرتے۔ اس مجلس میں بھی وہی قال اللہ وقال الرسول کا سودا بکتا۔ ساتھ ساتھ دنیوی امور کا بھی حل فرماتے جاتے۔

فہرست احباب

چند دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ اس کتاب کے اختتام پر میں ہر اس دوست کا نام و مختصر پتہ بھی لکھ دوں جس کو قبلہ حضرت صاحب سے عقیدت تھی۔ مریدی کا دعویٰ تو ایک بڑا دعویٰ ہے۔ اس لئے لفظ "عقیدت" استعمال کیا گیا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ زمانہ سلف کے

برزگوں کے حالات میں اس پہلو کی کمی ہے۔ آج کون بتائے کہ حضرت
 داتا گنج بخش ہجویری ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے کتنے مرید تھے۔ اُن کا نام
 کیا تھا اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ
 قادری لاہوری کے کون کون سے عقیدت مند تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ
 اس طرح ناموں کی تحریر سے ممکن ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں جو
 دن بدن پستی کی طرف جا رہا ہے کوئی شخص اپنے آبا و اجداد کا نام ان
 عقیدت مندوں کی فہرست میں پڑھ لے۔ اللہ عزوجل کی رحمت
 اس کے شامل حال ہو جائے اور وہ راست و صحیح العقیدگی کی طرف
 مائل ہو۔ اور اپنی آبائی نسبت کا ہی دھیان کر کے اپنے عقیدہ کی
 درستگی کر لے۔ اجتماع صدیقین کے پیش نظر فہرست کو کوئی خاص
 ترتیب نہیں دی گئی جیسے جیسے مجھے میرے مختصر سے کتب خانہ سے
 یہ نام میسر ہوئے ہیں نے لکھ دئے۔ اُن حضرات سے اور تمام کی تمام
 عورتوں سے جن کے نام فہرست میں درج نہیں ہیں معذرت خواہ
 ہوں مجھے یاد آگیا ایک دفعہ قبلہ حضرت صاحب نے اپنے کسی سالار
 میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب پر رات کو وعظ شریف میں
 فرمایا تھا کہ میری یہ دلی تمنا ہے کہ میرا ہر دوست علیحدہ ایک قوم
 کا سردار ہو۔ جس میں وہ تبلیغ و اشاعت کا کام برضائے الہی سر انجام
 دے سکے خط کشیدہ نام منصب خلافت بھی رکھتے ہیں۔ جن کا
 ذکر کہیں پہلے آچکا ہے۔

نام و مختصر پتہ

نام و مختصر پتہ

- ۱۔ شاہ محمد صاحب مغلیہ کانونی لاہور۔ ۲۔ دین محمد صاحب دھرم پورہ لاہور۔
- ۳۔ علاؤ الدین صاحب سمن آباد لاہور۔ ۴۔ محمد انور صاحب بلال گنج لاہور۔
- ۵۔ ملک طہور دین صاحب اچھرہ لاہور۔ ۶۔ خواجہ قمر دین صاحب سید مٹھا لاہور۔

نام و مختصر پتہ

- ۷: - میاں جلال دین صاحب سید مٹھا لاہور - ۸: - غلام مصطفیٰ
- صاحب سید مٹھا لاہور - ۹: - غلام حسین صاحب سید مٹھا لاہور
- ۱۰: - نثار احمد صاحب سید مٹھا لاہور - ۱۱: - عزیز خاں صاحب
- سید مٹھا لاہور - ۱۲: - مرزا غلام محی الدین صاحب سید مٹھا لاہور
- ۱۳: - معراج دین صاحب - ریٹائرڈ پولیس آفیسر - ۱۴: - محمد حنیف
- صاحب - اردو اکیڈمی لاہور - ۱۵: - محمد اشرف صاحب عطا
- زمیندار اخبار لاہور - ۱۶: - صوفی قمر دین صاحب انارکلی لاہور
- ۱۷: - ملک محمد منظر صاحب - کوچہ ککے زیاں لاہور - ۱۸: - حاجی مراتب
- علی صاحب - اندرون دہلی دروازہ لاہور - ۱۹: - مولوی محمد نذیر
- صاحب اندرون دہلی دروازہ لاہور - ۲۰: - شیخ محمد سلیم صاحب
- اندرون دہلی دروازہ لاہور - ۲۱: - چوہدری امام دین صاحب مسجد وزیر خان
- لاہور - ۲۲: - چوہدری محمد نذیر صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور - ۲۳: -
- سید عبدالسلام شاہ صاحب - ^(B.A., L.B.) بی پور لاہور - ۲۴: - میاں رشید الدین صاحب
- سپرٹنڈنٹ کواپریٹو یونین لاہور - ۲۵: - محمد بوٹا سمسانی لاہور
- ۲۶: - چوہدری غلام رسول سمسانی لاہور - ۲۷: - چوہدری محمد یوسف
- سمسانی لاہور - ۲۸: - حاجی معراج دین صاحب - سمسانی لاہور
- ۲۹: - مستری غلام محی الدین صاحب ریلوے لاہور - ۳۰: - سید جمیل
- احمد صاحب ریلوے لاہور - ۳۱: - سید ریاض الدین صاحب مزنگ لاہور
- ۳۲: - صوفی احمد دین صاحب مزنگ لاہور - ۳۳: - میاں عین دین
- صاحب مزنگ لاہور - ۳۴: - محمد شریف صاحب مزنگ لاہور
- ۳۵: - ملک عبدالرشید صاحب - ایس - ڈی - اول لاہور - ۳۶: -
- سید شریف حسین شاہ صاحب مزنگ لاہور - ۳۷: - حکیم مودود صاحب مزنگ لاہور

نام و مختصر پتہ

- ۳۸:- صوفی فیروز دین صاحب مزنگ لاہور۔ ۳۹:- چوہدری محمد بشیر صاحب چوہدری کواثرز لاہور۔ ۴۰:- چوہدری عبدالحق ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۴۱:- ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مزنگ لاہور۔ ۴۲:- ملک محمد اکبر سلطان ہائی کورٹ لاہور۔ ۴۳:- حکیم فصیح دین صاحب۔ الحکیم لاہور۔ ۴۴:- میاں محمد رمضان صاحب زمزم۔ لاہور۔ ۴۵:- گل محمد صاحب مزنگ لاہور۔ ۴۶:- شیخ عبدالرحیم صاحب۔ رٹیا ٹرڈ اوورسیر لاہور۔ ۴۷:- قاضی عبدالرشید صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ ۴۸:- بابو عبدالرحیم صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ ۴۹:- چوہدری شاہ علی۔ کمرشنگر لاہور۔ ۵۰:- مستری گلزار محمد۔ ریلوے لاہور۔ ۵۱:- میاں عبداللطیف صاحب جج۔ بالمقابل گوردوارہ مزنگ۔ ۵۲:- مستری رحمت اللہ کوٹلوی۔ ریلوے۔ ۵۳:- عبدالعزیز صاحب گہار پورہ لاہور۔ ۵۴:- محمد اکرم صاحب گہار پورہ لاہور۔ ۵۵:- عبدالحمید چارج مین گہار پورہ لاہور۔ ۵۶:- عطا الہی۔ گلی نمبر ۶۲۔ لاہور چھاؤنی۔ ۵۷:- فضل الرحمن صاحب سب ہیڈ۔ ریلوے ورکشاپ۔ ۵۸:- شیخ عبدالحمید صاحب انجمن لاہور۔ ۵۹:- چوہدری محمد حسین صاحب باجوہ۔ ایس۔ ڈی۔ او۔ نہر۔ میانوالی۔ ۶۰:- سید شریف دین صاحب نسبت روڈ لاہور۔ ۶۱:- سید عبدالحق صاحب نسبت روڈ لاہور۔ ۶۲:- عبدالغنی جرنی مین لوکوشاپ۔ ۶۳:- چوہدری شاہ محمد وکیل سمسا فی لاہور۔ ۶۴:- سید نذیر عالم۔ پولیس ٹمپل روڈ لاہور۔ ۶۵:- ملک عبدالحمید۔ ایس۔ ڈی۔ او۔ لاہور۔ ۶۶:- میاں سراج دین جبرآج۔ حویلی میاں خان لاہور۔ ۶۷:- خواجہ محمد سعید۔ پاک جنرل سٹور ٹمپل روڈ لاہور۔ ۶۸:- مستری عبدالرحمن زنگ ساز۔ مزنگ لاہور۔ ۶۹:- میاں عبدالستار۔ مال افسر راولپنڈی۔

نام و مختصر پتہ

- ۷۰ :- مستری محمد اسماعیل - پیریم گلی - لاہور - ۷۱ :- بابا غلام محمد
 پیریم گلی - لاہور - ۷۲ :- چوہدری غلام حیدر - ڈپٹی رجسٹرار کوانٹریٹ لاہور
 ۷۳ :- پروفیسر علم الدین سالک - اسلامیہ کالج لاہور - ۷۴ :- مولوی
 احمد سعید صاحب - کوٹ بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ - ۷۵ :- ثناء احمد
 صاحب - محکمہ آثار قدیمہ لاہور - ۷۶ :- شیخ نجم الدین صاحب
 اکوئس آفیسر اے - جی - لاہور - ۷۷ :- ریاض احمد صاحب - پی - ڈبلیو -
 ڈی کلرک لاہور - ۷۸ :- محمد ابراہیم صاحب - لوکو شاپ مغلیہ لاہور
 ۷۹ :- محمد سرور ڈرافٹس مین - گڑھی شاہو لاہور - ۸۰ :- اکرام السلام
 کلرک کیرج شاپ مغلیہ - ۸۱ :- مستری عطا محمد - نزدل بازار مزنگ
 ۸۲ :- محمد عالم - انسپکٹر لوکو شاپ مغلیہ - ۸۳ :- مولوی محمد عبداللہ
 قریشی - کوچہ کمان گراں لاہور - ۸۴ :- محمد اسماعیل صاحب کلرک کیرج شاپ
 مغلیہ - ۸۵ :- یس خان دھرمپورہ لاہور - ۸۶ :- فیض محمد خان
 کلرک لوکو ملٹرائٹ شاپ - ۸۷ :- سردار محمد ثناء - لوکو شاپ مغلیہ
 ۸۸ :- عبد الحمید کیرج شاپ مغلیہ - ۸۹ :- عزیز دین صراف
 بازار بہٹ لاہور - ۹۰ :- محمد اشرف - ہوائی اڈہ - لاہور - ۹۱ :- میاں
 عبدالصمد - ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۹۲ :- عین دین مزنگ لاہور - ۹۳ :-
 سائیں رحیم بخش - حال مجاور منجروال شریف - ۹۴ :- فضل الرحمن ٹھیکیدار
 ہوائی اڈہ لاہور - ۹۵ :- فیض احمد دوکان دار - باغبانپورہ لاہور
 ۹۶ :- صوفی عبدالکیم - سمن آباد - لاہور - ۹۷ :- قاضی عبدالرشید
 قلعہ گوجر سنگھ لاہور - ۹۸ :- محمد اشرف - چاہ پھوارہ مزنگ لاہور
 ۹۹ :- چوہدری ولی محمد - ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۰۰ :- چوہدری نیاز احمد
 ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۰۱ :- حبیب خان - آر - ایم - ایس لاہور

نام و مختصر پتہ

- ۱۰۳۔ محمد شریف فطر - لوکو شاپ مغلیہ پورہ - ۱۰۳۔ ۱۔ محمد سرور خان
روہیلہ - ڈرائنگ آفس ریلوے لاہور - ۱۰۴۔ ۲۔ مبارک علی پھرالہ -
ضلع لائل پور - ۱۰۵۔ سید ممتاز حسین - آر۔ سی - اے خانیوال - ۱۰۶۔
محمد جمیل فیکٹری انچارج - وہاڑی - ۱۰۷۔ غازی سید سراج احمد
کلرک مغلیہ پورہ ورکشاپ - ۱۰۸۔ عبدالغنی - کلرک - کیرج شاپ مغلیہ پورہ
۱۰۹۔ حسین علی - اے۔ ٹی - سکے - کیرج شاپ - ۱۱۰۔ چوہدری محمد صادق
پٹواری - دفتر لاٹ صاحب لاہور - ۱۱۱۔ چوہدری غلام رسول - چمن
۱۱۲۔ شیخ ناصر لطیف گیٹ سارجنٹ کیرج - ۱۱۳۔ غلام سرور قادری ٹریٹ
سبزی منڈی - لاہور - ۱۱۴۔ عبدالحمید قریشی - محلہ جوگیاں - جہلم
۱۱۵۔ شیخ عزیز احمد قریشی ایم۔ اے - مزنگ لاہور - ۱۱۶۔ چوہدری عبدالحمید
خان اے ڈبلیو آئی سندھ - ۱۱۷۔ ماسٹر باغ علی مدرس کوثر بلا - ضلع راولپنڈی
۱۱۸۔ ڈاکٹر مفتی امانت علی صاحب - دسپنسر قلعہ گوجر سنگھ - ۱۱۹۔
صوفی عبدالرحمن ہرنام سنگھ بلڈنگ قلعہ گوجر سنگھ - ۱۲۰۔ شیخ سجاد حیدر
وسن پورہ لاہور - ۱۲۱۔ چوہدری نواب دین ننگانہ صاحب ضلع شوپورہ
۱۲۲۔ حاجی شاہ محمد صاحب چمن بلوچستان - ۱۲۳۔ منشی محمد اسماعیل
صاحب - ملٹری فارم ادکاڑہ - ۱۲۴۔ محمد ابراہیم ٹھیکیدار ڈوکر - لاٹکانہ
۱۲۵۔ عبدالرحمن خان حیدر آباد سندھ - ۱۲۶۔ نذیر احمد خان حیدر آباد سندھ
۱۲۷۔ عبدالرحمن II - حیدر آباد سندھ - ۱۲۸۔ خادم محی الدین
جوٹٹ بورڈ ڈھاکہ - ۱۲۹۔ مرزا محمد رفیق - کامران ٹرانسپورٹ قادری آباد
۱۳۰۔ شیخ محمد عمر صاحب - بہاولپور - ۱۳۱۔ شیخ محمد صادق بہاولپور - ۱۳۲۔
شیخ حافظ محمد رفیق بہاول پور - ۱۳۳۔ بابو غلام جیلانی ثریا منزل
بہاولپور - ۱۳۴۔ حکیم محمد یوسف صاحب خطیب جامع مسجد نور طارق آباد دلائی پور

نام و مختصریت

۱۳۵:- چوہدری عبدالحمید - پی۔ ڈبلیو۔ آئی اوکاڑہ - ۱۳۶:- ڈاکٹر یعقوب علی خان - سکس - ۱۳۷:- ملک احمد خان - ڈپٹی ڈائریکٹر - ملتان
 ۱۳۸:- عنایت اللہ تیاچوک دادو - ۱۳۹:- چوہدری محمد شفیع - پی۔ ڈبلیو
 آئی کوٹری سندھ - ۱۴۰:- چوہدری محمد نذیر حیدر آباد سندھ - ۱۴۱:-
 ایس اے۔ رؤف - گوردن مارکیٹ کراچی - ۱۴۲:- چوہدری حاتم علی
 مہتہ روڈ کراچی - ۱۴۳:- ڈاکٹر سرور محمود سول ہسپتال پاکپتن - ۱۴۴:-
 شیخ محمد اقبال صاحب محلہ کوٹ رکن دین قصور - ۱۴۵:- شیخ
 حبیب الرحمن اور سیر - پنج نند - ڈیرہ نواب صاحب - ۱۴۶:- مسٹر
 جلال دین - منڈی بوریوالہ - ۱۴۷:- مسٹر حفیظ احمد ڈھاکہ - ۱۴۸:-
 چوہدری محمد اقبال حمید کراچی - ۱۴۹:- چوہدری محمد صدیق رئیس بٹہ سلطانپور
 ۱۵۰:- ماسٹر غلام رسول دوکاندار سلطان پور - ۱۵۱:- چوہدری علی احمد گوجران
 سلطان پور - ۱۵۲:- میاں روشن دین - لاسکھوٹیہ سلطانپور - ۱۵۳:-
 چوہدری عبدالرحمن منشی دادو سندھ - ۱۵۴:- چوہدری خیر دین رئیس
 دادو سندھ - ۱۵۵:- چوہدری بشیر الدین دادو سندھ - ۱۵۶:-
 شیخ عبدالغفور سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرک جیل لاہور - ۱۵۷:- بابو محمد شرف
 اے۔ ایس۔ ایم سمہ سٹ - ۱۵۸:- فضل محمد - کوٹری سندھ - ۱۵۹:-
 حاجی محمد دین اطہر - منیجر لائل پور - ۱۶۰:- چوہدری محمد حنیف - ایس۔ ڈی۔ او
 منظر گڑھ - ۱۶۱:- عبدالقدیر خان - خزانچی - دہاڑی - ۱۶۲:- چوہدری محمد صادق
 فورمین واہ فیکٹری - ۱۶۳:- چوہدری علی احمد سب پٹیر بنوں - ۱۶۴:-
 عبدالحفیظ چوہدری - انڈرسٹنگ بلڈنگ گوالمنڈی راولپنڈی - ۱۶۵:-
 سیاں رحیم بخش - ای۔ او۔ ڈبلیو کنڈیاں - ۱۶۶:- ڈاکٹر محمد اسماعیل
 ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ڈیرہ غازی خان - ۱۶۷:- شیخ احمد دین - سپرنٹنڈنٹ جیل جہلم -

نام و مختصر پتہ

- ۱۶۸۔ ڈاکٹر عبدالرحمن کوٹلی لودراں - ۱۶۹۔ وجہہ اللہ عرفانی - مدیر
نوائے وقت - ۱۷۰۔ مرزا اکبر علی - ملٹری اکاؤنٹس راولپنڈی - ۱۷۱۔
شیخ محمد امین - پی - ڈبلیو - آئی - وزیر آباد - ۱۷۲۔ چوہدری علی احمد
ایچ - دی - سی - گوجرانوالہ - ۱۷۳۔ شیخ عبدالواحد شامی - رام بازار
فضل سینما راولپنڈی - ۱۷۴۔ ایم اللہ بخش فوجی - ۱۷۵۔ قاضی محمد سرور
کورٹ انسپکٹر پولیس لائن سرگودھا - ۱۷۶۔ مولوی محمد مظفر صاحب
سٹور کیپر جہلم - ۱۷۷۔ محمد رمضان تھروڈ بال فیکٹری جھنگ - ۱۷۸۔ ڈاکٹر
مشتاق صاحب - ایم - بی - بی - ایس - سول ڈسپنسری لاہور - ۱۷۹۔
خاور صاحب - گیمز انسپکٹر جہلم - ۱۸۰۔ راجہ عدالت خان - تحصیلدار
بھکڑ - ۱۸۱۔ معراج الدین - گوجرانوالہ - ۱۸۲۔ علم دین صاحب جہانیاں
۱۸۳۔ مولوی محمد علی - چک نمبر ۱۶۸ - ضلع منٹگری - ۱۸۴۔ ماسٹر
فتح علی صاحب - پکا اٹا - ۱۸۵۔ حاجی نظام دین چک ۲۵ - بوریوالہ
۱۸۶۔ چوہدری امتیاز علی - ڈپٹی کمشنر محکمہ ٹیکسیشن - ۱۸۷۔ مولوی
غلام نبی صاحب امام مسجد گوجرہ منڈی - ۱۸۸۔ چوہدری محمد علی چک نمبر ۲۶
ٹوبہ ٹیک سنگھ - ۱۸۹۔ مولوی وارث علی - پورہ ہیراں سیالکوٹ
۱۹۰۔ چوہدری عبدالعزیز صاحب اگر پکچر کالج لائل پور - ۱۹۱۔
میر اکرم محمود کورٹ انسپکٹر راولپنڈی - ۱۹۲۔ سید خورشید احمد
محلہ طارق آباد لائل پور - ۱۹۳۔ سید عبدالحمید محلہ طارق آباد لائل پور
۱۹۴۔ منیر الہی کاتب محلہ طارق آباد لائل پور - ۱۹۵۔ شیخ ایم محمود
ٹرین کلرک لائل پور - ۱۹۶۔ شیخ سراج الحق - ڈپٹی کمشنر ڈیپٹی سیالکوٹ
۱۹۷۔ خواجہ منظور حسین حلوانی سناگلہ ہل - ۱۹۸۔ میاں محمد شفیع - پی - سی - ایس
ڈسٹرکٹ کورٹ شیخوپورہ - ۱۹۹۔ چوہدری محمد صدیق - ڈگلس پورہ لائل پور -

نام و مختصریتہ

- ۲۰۰ :- چوہدری شاہ محمد ڈگلس پورہ لائل پور - ۲۰۱ :- مولوی عبدالاحد
 امام مسجد مافی لاڈولاہور - ۲۰۲ :- شیر محمد - چک نمبر ۱۱۱ - منڈی بوریوالہ
 ۲۰۳ :- خوشی محمد چک نمبر ۱۱۸ - منڈی بوریوالہ - ۲۰۴ :- چوہدری غلام محمد خان
 نائب تحصیلدار مظفر وال - ۲۰۵ :- صوفی محمد رمضان خان کاؤٹس انسپکٹر خانیوال
 ۲۰۶ :- چوہدری طالب حسین - جنرل مرچنٹ جہانیاں - ۲۰۷ :- میر عبد المجید
 ای - پی - ریلوے چٹاگانگ - ۲۰۸ :- محمد اسماعیل - پھرالہ ضلع لاہور
 ۲۰۹ :- چوہدری محمد یعقوب نائب تحصیلدار گوجرانوالہ - ۲۱۰ :- چوہدری محمد حسین
 کانسٹیبل گوجرانوالہ - ۲۱۱ :- محمد سعید منیجر ٹرانسپورٹ کمپنی میانوالی - ۲۱۲ :-
 صوفی اکمل الرحمن - ملک وال - ۲۱۳ :- مسٹر فیاض احمد - ای - او - ڈبلیو کوٹ
 ۲۱۴ :- سردار محمد چک نمبر ۱۱۸ - منڈی بوریوالہ - ۲۱۵ :- محمدین چک نمبر ۱۱۸
 منڈی بوریوالہ - ۲۱۶ :- جمال دین چک نمبر ۱۱۸ - منڈی بوریوالہ - ۲۱۷ :-
 غلام رسول چک نمبر ۱۱۸ - منڈی بوریوالہ - ۲۱۸ :- ماسٹر اللہ دتا چک نمبر ۱۱۸
 منڈی بوریوالہ - ۲۱۹ :- فتح محمد چک نمبر ۱۳۲ - منڈی بوریوالہ - ۲۲۰ :-
 غلام محمد چک نمبر ۱۳۲ - منڈی بوریوالہ - ۲۲۱ :- محمد دین چک نمبر ۳۲۵
 منڈی بوریوالہ - ۲۲۲ :- فضل دین چک نمبر ۳۲۵ - منڈی بوریوالہ
 ۲۲۳ :- چوہدری رحمت اللہ - طارق آباد لائل پور - ۲۲۴ :- ماسٹر احمد مسعود
 مافی سکول چوہانیاں - ۲۲۵ :- فرزند علی ترنڈہ سوائے خان ضلع رحیم یار خان -
 ۲۲۶ :- عبدالرحمن صاحب - کراچی - ۲۲۷ :- چوہدری کرم علی صاحب منیجر
 خانیوال - ۲۲۸ :- ڈاکٹر بشیر احمد صاحب مانگا منڈی ضلع لاہور -
 ۲۲۹ :- عبدالغنی سٹورمین - ہیڈ کوارٹر لاہور - ۲۳۰ :- چوہدری محمد رفیق
 ڈھاباں سنگھ - ۲۳۱ :- چوہدری حاجی یوسف علی گڑھی شاہولاہور -
 ۲۳۲ :- نذیر احمد قریشی - ای - او - ڈبلیو جلم - ۲۳۳ :- عبدالخاق قریشی فوجی جعفر

- ۲۳۴ :- مولوی عبدالکریم صاحب امام مسجد چک نمبر ۲۰۹ ٹوبہ ٹیک سنگھ
- ۲۳۵ :- ملک نجم دین صاحب چمن بلوچستان - ۲۳۶ :- ملک محمد اسماعیل
- صاحب - چمن بلوچستان - ۲۳۷ :- فخر دین اینڈ سنز ہیٹ میکر کراچی
- ۲۳۸ :- بابو اللہ رکھا سنز اکاؤنٹنٹ خانیوال - ۲۳۹ :- سید عباس علی شاہ
- خانیوال - ۲۴۰ :- محبوب علی دفتری سپنسر کمپنی لاہور - ۲۴۱ :- محمد شفیع
- چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ - ۲۴۲ :- عبدالحمید چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ -
- ۲۴۳ :- مفتی لیبیب الرحمن رائس ٹریڈر کامونکی ضلع گوجرانوالہ -
- ۲۴۴ :- سید حسن جہانگیر طارق ہمدانی - اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ -
- ۲۴۵ :- چوہدری شبیر حسین اقبال - اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ - ۲۴۶ :-
- محمد محبوب الہی انجنئر انجمن اصلاح مسلمین چنیاں - ۲۴۷ :- نذیر حسین جاوید
- چوک گوالمنڈی - لاہور - ۲۴۸ :- ظفر عالم گل باغ شاہ - اکال گڑھ گوجرانوالہ
- ۲۴۹ :- حافظ محمد حسین بٹیکہ شاہ مراد - ضلع جہلم - ۲۵۰ :- محمد اشرف بھیری خورد
- ضلع سیالکوٹ - ۲۵۱ :- محمد یعقوب چک نمبر ۳۷ ٹوبہ ٹیک سنگھ - ۲۵۲
- مولوی محمد یونس صاحب چک نمبر ۱۲۰ - ای - جی - ضلع منٹگری - ۲۵۳
- مولوی نور محمد صاحب خطیب قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ - ۲۵۴
- حاجی شہاب دین قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ - ۲۵۵ :- منظور حسین تحصیلدار
- حضور می باغ ملتان - ۲۵۶ :- محمد امین کانبجوں - ایم - ایل - اے
- کٹور پکا ضلع ملتان - ۲۵۷ :- مولوی محمد یوسف امام مسجد - محلہ خریاں
- سیالکوٹ - ۲۵۸ :- محمد ناصر علی گلشن آباد - راولپنڈی - ۲۵۹
- امتیاز احمد اختر دفتری کیمبر زراعت ضلع شیخوپورہ - ۲۶۰ :- چوہدری عبدالقادر
- گاندھی ٹاؤن کراچی - ۲۶۱ :- خواجہ غلام حسین دین محمدی پریس سکالور روڈ
- کراچی - ۲۶۲ :- ہزار کیلینسی شیخ دین محمد گورنر سندھ - ۲۶۳ :- محمد فضل
- محمد اسلم - بہاولپور - ۲۶۴ :- صادق کوٹلوی - ریلوے روڈ راولپنڈی -

نام ومختصر پتہ

- ۲۶۵:- غلام رسول بھٹی ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل ڈھاکہ۔ ۲۶۶:- عبد الرحمن انصاری کراچی۔ ۲۶۷:- ایم احسان باری جاوید۔ ڈنگلس پورہ لائل پور۔ ۲۶۸:- سید اقبال احمد شاہ۔ مدرس۔ لال سگھو میلسی۔ ۲۶۹:- خان بہادر بشیر احمد۔ ٹمپل روڈ لاہور۔ ۲۷۰:- محمد صالح۔ موضع محمد پور ضلع رحیم یار خان۔ ۲۷۱:- شیخ منور حسین۔ الفٹری روڈ دھرم پورہ لاہور۔ ۲۷۲:- ابو مظفر محمد رمضان مولوی فاضل۔ لاہور چھاؤنی۔ ۲۷۳:- چوہدری عبدالخاق۔ بابر شریٹ گڑھی شاہو لاہور۔ ۲۷۴:- کیپٹن محمد رمضان اہل۔ اکال گڑھ لاہور۔ ۲۷۵:- محمد یونس کنک منڈی مزنگ لاہور۔ ۲۷۶:- مولوی محمد اسلم۔ دیہاتی گھی سٹور موجی گیٹ لاہور۔ ۲۷۷:- شیر محمد سپرنٹنڈنٹ سول سکریٹری۔ کوئٹہ بلوچستان۔ ۲۷۸:- محمد عزیز الحسن سعدی پارک مزنگ لاہور۔ ۲۷۹:- قمر دین۔ فتح شیر روڈ مزنگ لاہور۔ ۲۸۰:- سید صفدر گیلانی نیپٹیا سٹر گھونا امام دین ضلع لائل پور۔ ۲۸۱:- فتح محمد چک نمبر ۱۴۵۔ آدم صحابہ بہاول پور۔ ۲۸۲:- چوہدری عبدالغفور نمبر دار چک نمبر ۱۶۷ ضلع بہاولنگر۔ ۲۸۳:- سکندر علی نمبر دار چک نمبر ۱۰۷ میلسی ملتان۔ ۲۸۴:- مرزا محمد رفیق پیسک ریلیشن ڈپٹی روڈ راولپنڈی۔ ۲۸۵:- شیر محمد خان سیکب لائن کراچی۔ ۲۸۶:- سراج دین۔ سلام دین۔ سعدی پارک مزنگ لاہور۔ ۲۸۷:- منشی محمد ابراہیم نوک کنڈی۔ بلوچستان۔ ۲۸۸:- محمد امین۔ نیروبی۔ افریقہ۔ ۲۸۹:- مولوی عبدالقادر صدر جمیت العماۃ پاکستان و خطیب جامع مسجد خانیوال۔ ۲۹۰:- مرزا عبدالرشید کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ۔ ۲۹۱:- عزیز بخش صادق کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ۔ ۲۹۲:- امیر الدین قدوائی ایڈوکیٹ لاہور۔ ۲۹۳:- محمد یعقوب صاحب فتح گڑھ لاہور۔ ۲۹۴:- محمد رفیق دوکاندار پھرالہ۔ ضلع لائل پور۔ ۲۹۵:- عبدالغنی ڈرائیور۔ پھرالہ۔ ضلع لائل پور۔

نام و مختصر پتہ

- ۱۲۹۶۔ محمد اقبال آکس فیکٹری چین۔ ۱۲۹۷۔ محمد یوسف دھرم پورہ لاہور
 ۱۲۹۸۔ مختار علی۔ لوکر ٹائٹم آفس مغلیہ پورہ۔ ۱۲۹۹۔ محمد صدیق اسٹیشن ماسٹر۔ کراچی
 ۱۳۰۰۔ محمد رمضان اسٹیشن ماسٹر۔ سکھر۔ ۱۳۰۱۔ عبدالرشید۔ وٹین ریپر۔ کیرج شاپ
 ۱۳۰۲۔ منظر حسین کلرک۔ دفتر لیبر وارڈن کیرج مغلیہ پورہ۔ ۱۳۰۳۔ مولانا مہر دین
 صاحب مدرس نعمانیہ۔ ۱۳۰۴۔ برکت علی بوانکر میکرو کو شاپ مغلیہ پورہ۔ ۱۳۰۵
 عبدالرشید۔ ٹیکسٹائل ملز منڈی پوریوالہ۔ عبدالغنی منڈی پوریوالہ۔ ۱۳۰۶
 حاجی لال خاں ٹیلی فون آپریٹر رحیم یار خان۔ ۱۳۰۸۔ محمد صدیق صدیقی
 ٹیکسٹائل ملز لارنس پورہ۔ ۱۳۰۹۔ صدر الدین زمیندار۔ میلسی ضلع ملتان
 ۱۳۱۰۔ محمد چراغ آرٹھی ضلع ملتان۔ ۱۳۱۱۔ چوہدری محمد علی نجھڑ۔ ملتان کاشن فیکٹری
 ۱۳۱۲۔ محمد شفیع ٹیکسٹائل ملز منڈی پوریوالہ۔ ۱۳۱۳۔ چوہدری عید محمد صاحب
 مالک رتن سینما لاہور۔ ۱۳۱۴۔ بشیر احمد ورکس مسٹری چین۔ ۱۳۱۵۔ محمد انور
 کلرک امریکن کمپنی چین۔ ۱۳۱۶۔ عبدالحق مدرس گورنمنٹ ہائی سکول چین
 ۱۳۱۷۔ محمد صادق چوکیدار آئل کمپنی چین۔ ۱۳۱۸۔ میاں محمد سلیم۔ ماسٹر ہائی سکول
 چین۔ ۱۳۱۹۔ نذیر احمد نظامی مسٹری ریلوے والہندین۔ ۱۳۲۰۔ علم دین
 لائن میں چین۔ ۱۳۲۱۔ غضنفر علی واپڈہ۔ ۱۳۲۲۔ عبدالرشید بلوچ
 اے۔ ڈی۔ آئی۔ کوئٹہ۔ ۱۳۲۳۔ نیک محمد حسین۔ او۔ آر۔ ڈی۔ ڈپو کوئٹہ
 ۱۳۲۴۔ نیک عبدالغنی او۔ آر۔ ڈی۔ ڈپو کوئٹہ۔ ۱۳۲۵۔ محمد غیاث
 جنرل مرچنٹ چین۔ ۱۳۲۶۔ محمد جمیل صاحب تاجر چین۔ ۱۳۲۷۔ محمد صدیق
 صاحب تاجر چین۔ ۱۳۲۸۔ چوہدری غلام رسول تاجر چین۔ ۱۳۲۹۔ شیخ
 منظر الدین ڈی۔ ای۔ این۔ لاہور۔ ۱۳۳۰۔ عیسیٰ خان۔ کیرج شاپ
 ۱۳۳۱۔ سردار محمد سنار چیک نمبر ۵۴ سائیکل ملز۔ ۱۳۳۲۔ امان اللہ سائیکل ورکس
 بھوانہ بازار لاہور۔ ۱۳۳۳۔ ولددار علی گھی فروش نہر بازار سمندری۔

نام و مختصر پتہ

- ۳۳۳ - برکت علی کچہری بازار سمندری - ۳۳۵ - حکیم منصب علی
 نہر بازار سمندری - ۳۳۶ - غلام محمد تمباکو فروش نہر بازار سمندری
 ۳۳۷ - غلام سرور نہر بازار سمندری - ۳۳۸ - ماسٹر احمد مسعود قریشی
 سکول مری - ۳۳۹ - سید ریاض الدین شاہ صاحب خطیب بغدادی مسجد
 کراچی - ۳۴۰ - ملک محمد عبدالحق پاکستان کالونی کراچی - ۳۴۱ - بیستری
 تاج حسین محلہ نواباں بہاول پور - ۳۴۲ - چوہدری محمد حسین باجوہ
 آکس سی این - خانیوال - ۳۴۳ - چوہدری محمد نذیر رئیس حیدرآباد سندھ
 ۳۴۴ - خان محمد صاحب ڈھولن وال لاہور - ۳۴۵ - محمد اسماعیل
 صاحب ڈھولن وال لاہور - ۳۴۶ - چوہدری محمد حسین ڈھولن وال لاہور
 ۳۴۷ - چوہدری محمد شریف بیکو - لاہور - ۳۴۸ - خلیق احمد صاحب کیرج شاپ
 ۳۴۹ - محمد لطیف صاحب کیرج شاپ - ۳۵۰ - محمد یاس کیرج شاپ
 ۳۵۱ - مبارک علی کیرج شاپ - ۳۵۲ - غلام رسول وحدت کالونی -
 ۳۵۳ - چوہدری رجب علی صاحب - لیہ ضلع ملتان - ۳۵۴ - چوہدری
 اللہ و تائیس ملتان - ۳۵۵ - محمد رمضان چک نمبر ۱۱ بوریوالہ منڈی -

اللَّهُمَّ ارْحَمْ كُلَّهُمْ

بِحَقِّ نِعْمَتِ حَمْدِ الْعَالَمِينَ

آمین

اجتماعِ ضدین

فی

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ

شانِ قلندر



مُصَنَّف

محمد یوسف سہروردی